

[illegible] جعفری

# جنگ کے رنگ

# جنگ کے رنگ

(دوسری عالمگیر جنگ کی جھلکیاں)

از

کیپٹن سیّد ضمیر جعفری

(چوہدری عبدالحمید ایم اے پرنٹر و پبلشر نے اردو پریس لاہور سے چھپوا کر مکتبہ کاروان لاہور سے شائع کیا)

چراغ حسن حسرت، احمد علی خان، مسعود،
جاوید، انعام، ریاض شمیم، ابنِ سعید،
رشید حیات اور ڈونلڈ ٹالائے

## اِن سب رفیقوں کے نام

جو جنوب مشرقی ایشیائی کمان کے شعبۂ تعلقاتِ عامہ
میں جمع تھے اور جن کی زندہ دلی سے "بیدادری کیمپ"
(سنگاپور) کی بوسیدہ و شکستہ بارکیں زندگی و شگفتگی
کا سرچشمہ بن گئی تھیں!

ضمیر

# پیش لفظ

از:- بریگیڈیر گلزار احمدؒ

(پاکستان آرمی)

ان سطور سے کپتان سید ضمیر جعفری کا تعارف کرانا مقصود نہیں ہے۔ ضمیر جعفری اُن چند افراد میں سے ہیں جو فوجی اور ادبی حلقوں میں بیک وقت اور یکساں معروف و مشہور ہیں البتہ جس موضوع پر اس "سپاہی ادیب" نے قلم اُٹھایا ہے اس کی نسبت مختصراً چند باتیں عرض کرنا شاید بے محل نہ ہو۔

"سپاہی" کا "ادیب" ہونا، کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ یہ خیال کہ عساکر کو ادب سے یا ادب کو عساکر سے کوئی تعلق نہیں، ایک غلط خیال ہے۔ ہر زندہ و کار فرما قوم کی عسکری صفوں میں ادیب موجود ہوتے ہیں بلکہ ایک لحاظ سے ان ہی کی وجہ سے ان اقوام کے ادب میں زندگی اور بالیدگی کی رُوح قائم رہتی ہے۔ خود ہمارے ہاں مرزا غالب کا یہ مشہور شعر۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

ہمارے ادبی پس منظر کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ اپنی تاریخ کے آخری دَور میں ہم میدانِ کارزار اور بالخصوص جہاد سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ خود ہمیں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ میدانِ کارزار کا رخ وہی لوگ کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں جو سرے سے غیر مہذب ہوں جن کی رگ رگ سے خونخواری کے چشمے اُبل رہے ہوں اور جن کی ادبی صلاحیتیں یکسر مفقود ہوں۔ آخری مراحل

میں کیفیت یہ ہو گئی کہ فنونِ جنگ کی طرف توجہ کرنا بھی عار سمجھا جانے لگا یہی وجہ ہے کہ ہمارے ادب میں اس فن پر ایک حرف تک نہیں ملتا۔ فنِ حرب تو خیر بعد کی اور دُور کی بات ہے۔ "تاریخ جنگ" پر بھی صحیح معنوں میں کوئی کتاب نہیں ملتی۔ کچھ عرصہ سے اسلامی تاریخ کے ممتاز سپہ سالاروں کی زندگیوں پر تھوڑا بہت لکھا گیا ہے۔ مگر یہ اثاثہ بعض واقعات کی تکرار و تذکار تک ہی محدود ہے۔ وہ اس لئے کہ لکھنے والے خود اس فن سے ناواقف ہیں۔

تو اریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے بھی فنونِ جنگ سے کوتاہی برتی اس کو بہت جلد اس کی سزا دی گئی۔ اس فن کے سیکھنے جاننے اور اس سے متعلقہ آلات کی فراہمی میں غفلت کا نتیجہ کبھی عبرت ناک غلامی ہوا اور کبھی کامل بربادی اور صفحۂ ہستی سے قطعاً مٹ جانا۔ قومی اور ملکی دفاع دراصل ایک بہت بڑا "حق" ہے جو لوگ اسے صرف ایک "فرض" سمجھتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں۔ ایسا معاشرہ جس میں دفاعِ وطن کا جذبہ اپنے صحیح شعوری مقام پر ہو، اس کے ادیب اس سے بے بہرہ بیگانہ یا بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ ادیب کا خامۂ مزاد رنگ اپنے گردوپیش کے زیرِ بحث وزیرِ فکر مسائل وافکار سے کیونکر بے نیاز رہ سکتا ہے۔ ادیب کبھی خلا میں پرورش نہیں پا سکتا۔ اس کے فن کی جڑیں اسی زمین سے آب ونم حاصل کرتی ہیں جس کے سینے پر وہ سانس لیتا ہے۔ اگر ہمارے ادیبوں نے اس سے پہلے اس موضوع پر خاموشی برتی ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم من حیث القوم اس کی ضرورت سے ناآشنا تھے اور اس کی گوناگوں دلچسپیوں سے محروم ——— درست ——— کہ فوجی زندگی کے سنگین پہلو بعض طبیعتوں پر گراں گزرتے ہیں مگر اس سے مجالِ انکار نہیں کہ وہ پہلو زندہ انسان کی زندگی کا ایک اہم رُخ ضرور ہوتے ہیں لہٰذا ان سے قطع نظر کرنا خود زندگی سے مجرمانہ چشم پوشی کرنے کے مترادف ہے علاوہ بریں سنگین ہوتے ہوئے بھی یہ پہلو دلچسپی ورنگینی سے خالی نہیں ہوتے۔ انسانی سرشت کے بعض اوصاف صرف کٹھن مواقع اور مراحل ہی میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہ کٹھن مقامات فوجی زندگی سے زیادہ اور کہاں میسر آسکتے ہیں؟ دلیری، بردباری، صبر واستقلال

عزم و عزیمت ۔ جرأت و شجاعت ایثار و قربانی کے اوصاف آج بھی اسی قدر و منزلت سے دیکھے جاتے ہیں جس تعظیم و تکریم کے مستحق آج سے سینکڑوں صدیاں پہلے سمجھے جاتے تھے اور اس امر سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ان جوہر نسل کی چمک دمک کا اکثر و بیشتر اظہار افواج کی صفوں کے توسط ہی سے ممکن رہا ہے ۔

کپتان ضمیر جعفری نے ان اوراق میں اسی زندگی کی مختلف جھلکیاں پیش کی ہیں جس میں آپ کو اپنے ہم وطن سپاہی بھی نظر آئیں گے اور غیر اقوام کے بھی ۔ ان میں ہلکے پھلکے واقعات اور "لنگر گپ" قسم کے مرقعات بھی ہیں جن سے سپاہی کی زندگی اپنی سنگینی کے باوجود مسکراہٹوں سے لبریز رہتی ہے اور ضبط و استقلال اور جرأت و مردانگی کی ایسی تصویریں بھی نظر آئیں گی جو کسی عظیم قوم کا سرمایۂ فخر ہوتی ہیں ۔ ذہین اور منجھے ہوئے ادیب نے صف کے سپاہی سے لیکر سپہ سالار تک کی فوجی زندگی کے مختلف زاویوں اور ان رنگا رنگ واقعات کو اپنی مخصوص طرزِ نگارش کے ساتھ جو سادگی و پرکاری کا ایک دلچسپ امتزاج ہے ان صفحات میں آپ کے سامنے چُن دیا ہے ۔ آپ دیکھینگے کہ سپہ سالاروں کو مختلف مقامات پر کیسی کیسی دقتیں پیش آتی ہیں اور وہ کس کس طرح ان مشکلات کو عبور کرتے ہیں ۔ ان کے احکامات کس طرح صف کے سپاہی تک پہنچتے ہیں اور سپاہی کیسے ان پر عمل کرتا ہے ۔ مردانہ وار نبرد آزمائی کے علاوہ انفرادی اور اجتماعی عظمتِ کردار کے ایسے گوناگوں اور غیر فانی مرقعات بھی آپکی نظر سے گزریں گے جن کے مطالعہ سے اگر ہم چاہیں تو لطف کے علاوہ بہت کچھ سیکھ بھی سکتے ہیں ۔

آخر میں اپنے ملک کے اہلِ قلم سے ایک استدعا ضروری ہے ۔ "تقسیم" سے پہلے فوج کی صفوں کو آپ اجنبی سمجھتے تھے ۔ حالات نے اس زندگی کی جھلکیاں آپ کی نگاہوں سے اوجھل کر رکھی تھیں ۔ مگر آج فوج کی صفیں آپ کے ہمنوا بھائیوں سے تابناک و تابدار ہیں ۔ اگر آج بھی آپ ان کی زندگی کو ایک راز سمجھکر اسے ملک و ملت تک نہ پہنچائینگے تو آپ ایک عظیم کوتاہی فرض کے مجرم قرار دئے جائیں گے ۔ آپ کا قلم ایک مقدس قومی امانت ہے ۔ ضرورت ہے کہ ملت

کے جوان وصحت مند خون کی زندگی ۔ رنگین داستانوں کی صورت میں ملت کے سامنے پیش کی جاتی رہے کیونکہ ـــــ ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات ۔

گلزار احمد (بریگیڈیر)

"گلستان"
راولپنڈی
۲۹ جولائی ۱۹۵۳ء

صدیوں کے انقلابات بھی گھنے، شاداب
جنگل کے حسن اور جواں مردوں کے وقار
کو کم نہیں کر سکے

(کیمرون ولسن)

# سرآغاز

ایک بات میں شروع ہی میں واضح کر دوں کہ یہ کتاب دوسری جنگ عالمگیر کی تاریخ نہیں ہے۔ لہٰذا قارئین ان اوراق کو اس نظر سے نہ دیکھیں۔ ہاں اگر جنگ سے متعلق واقعات و تاثرات کی ترتیب و تدوین کے دوران میں ایک غیر مربوط تسلسل کے ساتھ دوسری جنگِ عظیم کی تاریخ یا اس تاریخی کشمکش کے بعض گوشے سامنے آگئے ہوں تو وہ دوسری بات ہے اور غالباً ایسی بُری بات نہیں۔

میں خود اس جنگ کے بعض محاذوں پر ایک سپاہی کی حیثیت سے شامل رہ چکا ہوں جنگ کے بعد اب تک بعض عسکری قائدین۔ ناقدین و مبصرین نے جنگ کے متعلق تذکروں۔ یادداشتوں اور تبصروں کی صورت میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اس قسم کا جتنا لٹریچر میں اپنے حالات و وسائل کے مطابق دیکھ سکا ہوں میں نے بڑے غور اور شوق کے ساتھ پڑھا ہے۔ اپنے ذاتی مشاہدات و تجربات نیز اس لٹریچر سے جو اثرات مترتب ہوتے ہیں وہ میں نے اپنی طرف سے پوری دیانتداری کے ساتھ اپنے الفاظ میں یہاں قلمبند کر دیے ہیں۔ بہت مقامات پر میں نے ایسی روایات کا سہارا لیا ہے جو کتابوں میں تو نہیں ملتیں مگر آج بھی ہمارے جوان جہاں ذرا فرصت و فراغت سے مل بیٹھتے ہیں مزے لے لے کر ان افسانوی واقعات کو دہراتے رہتے ہیں، ان تاثرات۔ مشاہدات و تجربات کو مرتب کرتے وقت مجھے اعتراف ہے کہ تاریخ یا سیرت نگاری کا کوئی باضابطہ مقصد میرے سامنے نہ تھا۔ نہ مجھ میں اتنی لیاقت ہے کہ میں عسکری منصوبہ بندیوں یا طریق و انداز جنگ کے فنی مسائل سے بحث کرتا یا ان پر اپنی طرف سے یا کسی دوسرے کی دیانت

کرتے ہوئے کوئی ناقدانہ روشنی ڈالتا۔ مجھے ایسا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ میری کوشش صرف یہ رہی ہے کہ چُن چُن کر ایسے واقعات و تجربات ان اوراق میں رکھدوں جن سے جنگ کی زندگی کے بعض وہ گوشے روشنی میں آسکیں جن پر نامی گرامی ثقہ و مستند مورخین قلم اٹھانا عار سمجھتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ چھوٹے چھوٹے واقعات اپنے اندر زندگی کی بڑی بڑی عبرتیں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ بلاشُبہ جنگ آفت و مصیبت کے ایک بہت بڑے مجموعہ کا نام ہے مگر اس کے باوجود محاذِ جنگ پر مختلف دول و ملل کے لاکھوں کروڑوں سپاہیوں کا ایک دوسرے کے خلاف یا ایک دوسرے کے دوش بدوش رنگارنگ کے ملکوں ساحلوں، سمندروں، وادیوں، کوہساروں، میدانوں اور صحراؤں میں صف آرا ہوکر رہنا ایک ایسی وسیع بین الاقوامی زندگی کو بھی جنم دے جاتا ہے جو شجاعت و مردانگی۔ ایثار اور قربانی۔ سیرت اور کردار۔ عادات و اطوار مسرت اور غم کی نہایت دلچسپ صورتوں سے عبارت ہوتی ہے۔ جن لوگوں کو جنگ کا کوئی براہِ راست تجربہ نہیں انہیں یہ سُن کر شاید تعجب ہو مگر سپاہی جانتے ہیں کہ جنگ کی زندگی میں آنسوؤں اور آہوں کے ساتھ ساتھ قہقہے اور مسکراہٹیں بھی موجود ہوتی ہیں۔ صف کے سپاہی برستی ہوئی آگ کی چھاؤں میں مسکرا لینے کا فن بھی جانتے ہیں۔ میں نے آنسوؤں کے ساتھ ساتھ یہ مسکراہٹیں بھی ان صفحات پر چن دی ہیں۔

میدانِ جنگ کی "ہلکی پھلکی زندگی" کے علاوہ فنی و عددی معلومات۔ باہمی اختلافات و تنازعات۔ نامآور عسکری لیڈروں کی سیرت و کردار۔ شجاعت و قربانی کے واقعات کے متعلق جس ماخذ سے جو کارآمد و دلچسپ مواد مجھے مل سکا ہے میں نے جمع کر دیا ہے۔ اس مواد کے جمع کرنے میں اپنے ذاتی مشاہدات کے علاوہ میں نے بعض جنگ آزمودہ سپاہیوں کی یادداشتوں اور تذکروں سے بھی مدد لی ہے۔ جن کتب سے استفادہ کیا ہے اس کی ایک مختصر سی فہرست کتاب کے آخر میں آپ کو ملے گی۔ اس فہرست سے قطع نظر ایسی کئی کتابیں۔ رسالے اور پمفلٹ بھی اس سلسلہ

میں مجھے کھنگالنے پڑے جن کی ورق گردانی کے بعد مجھے ایک واقعہ ایک تجربہ بلکہ ایک سطر تک اپنے مقصد یا ڈھب کی نہ مل سکی۔ میں بڑی عاجزی کے ساتھ کم از کم اتنا دعویٰ کر سکتا ہوں کہ یہ "ذخیرہ" ان لوگوں کو جو جنگ کا تجربہ نہیں رکھتے جنگ کے سمجھنے میں ایک حد تک مفید ثابت ہو سکتا ہے اور میرے سپاہی بھائی بھی ان اوراق کے مطالعہ سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں کہ علم و خبر کی کوئی حد نہیں۔ ذاتی طور پر میرے لئے یہ احساس ہی بہت کافی ہے کہ میں نے اس نسل اور بالخصوص اپنے ہم وطن سپاہیوں کی زندگی کے اس تاریخی دور کی بعض ایسی یادیں اور یادداشتیں قلمبند کر دی ہیں جو اُونچے پایہ کے علمی وقائع نگار عموماً نظر انداز کر جاتے ہیں ـــ وہ یادیں جو دیہاتوں کے "تکیوں" "چوپالوں" اور "بیٹھکوں" میں کچھ مدت تک دلچسپی اور وابستگی۔ فخر اور حیرت کے ساتھ دوہرائے جانے کے بعد بوڑھے سپاہیوں کے ساتھ ہمیشہ کے لئے دفن ہو جاتی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ہم سپاہیوں کا ورثہ یہی یادیں ہیں۔

اصلاً تو یہ زیادہ تر تالیف و تدوین ہی کا کام سمجھا جائے گا لیکن میں نے اقتباسات کا سہارا بہت کم لیا ہے۔ کتاب کو اپنی بساط کے مطابق زیادہ سے زیادہ دلچسپ۔ زندہ اور جاندار بنانے کی غرض سے اپنے ذہنی پس منظر کو اپنے الفاظ ہی میں بیان کر دینا مناسب سمجھا ہے جہاں کسی کتاب یا مُصنّف کا نام لے کر اقتباسات دیئے ہیں وہاں بھی لفظی ترجمے کے بجائے مطلب اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے تاکہ قارئین فنی و اصطلاحی ترجمہ کے بوجھ میں دب کر نہ رہ جائیں۔ صفائی اور سلجھاؤ ایک سپاہی کی سب سے بڑی خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔ میری خواہش اور کوشش رہی ہے کہ کتاب میں یہ خوبی قائم رہے۔

کتاب کے آخری حصے میں بعض قائدین جنگ کے متعلق جو سوانحی خاکے اور بعض متفرق مضامین ملیں گے یہ تمام و کمال میرے اپنے ہیں۔ البتہ ان شخصی جائزوں یا دوسرے مقامات پر جہاں جہاں افراد یا واقعات پر کوئی رائے یا تبصرہ آ گیا ہے اس میں میری ذاتی رائے کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔ یہ اُن مشاہیر یا مستند ناقدین کے تبصرے ہیں جن

کی رائے دقیع سمجھی جاتی ہے۔ آپ ان سے اختلاف کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ بہتیرے تبصروں سے مجھے اختلاف ہے۔ مگر ان صفحات میں جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں میرا مقصد ذاتی تبصرہ نگاری نہیں بلکہ دوسروں کے خیالات و افکار کو من وعن بیان کر دینا تھا۔

کتاب کا پیش لفظ پاکستان کے مشہور صاحب سیف وقلم ادیب برگیڈیئر گلزار احمد صاحب نے لکھا ہے۔ ان کے عظیم ذاتی کتب خانہ سے بھی میں نے اکثر استفادہ کیا ہے۔ اس مہربانی کے لئے میں برگیڈیئر صاحب کا بیحد شکر گزار ہوں۔ کتاب کا مسودہ مسٹر رحمان علی حیدر آبادی نے ٹائپ کیا۔ اس کی ترتیب میں صوبیدار غلام علی بلبل نے میرا ہاتھ بٹایا اور پروف پڑھنے کی "مشقت" جناب عزیز ملک نے گوارا فرمائی۔ میں ان سب دوستوں کا بیحد ممنون ہوں۔ مجھ سے زیادہ اس بات کا اندازہ واحساس شاید کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا کہ یہ مجموعہ اپنے مقصود کے لحاظ سے ابھی بہت تشنہ و نامکمل ہے۔ مگر بقولِ غالبؔ

سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

اور میں یہ سفینہ کہاں سے لاؤں؟

ضمیر جعفری

۴۷ کومیلا لائن۔ ملیر چھاؤنی

۱۸ر جولائی ۱۹۵۳ء

—— واقعات

—— مشاہدات

—— مطائبات

## آغازِ جنگ

دوسری جنگ عظیم کیوں چھڑی؟ اس سوال کے جواب میں بہت سی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک (غالباً) سب سے بڑی وجہ خود "معاہدہ ورسیلز" تھا جس کی ذلت آمیز شرائط نے جرمن قوم کے سینے کو انتقام کی آگ سے بھر دیا ۔ اور یوں دیکھا جائے تو دراصل ۱۹۲۱ء میں جب جاپان نے منچوریا میں اور اٹلی نے حبشہ میں "لیگ آف نیشنز" سے بغاوت کی تھی ایک عالمگیر جنگ کے آثار پیدا ہو گئے تھے ۔

بہرحال ۔ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمنی کا پولینڈ پر حملہ کرنا جنگ کا فوری باعث ہوا۔ برطانیہ اور فرانس معاہدے کی رُو سے پولینڈ کی مدد پر مجبور تھے ۔ چنانچہ ۳ ستمبر کو برطانیہ اور فرانس نے بھی جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اور اس طرح وہ ہولناک آگ بھڑک اُٹھی جس نے برابر پانچ سال تک کرۂ ارضی کی بیشتر وسعتوں کو شعلہ زار بنائے رکھا۔

## بہترین فوج

جرمنی نے جس فوج کے ساتھ پولینڈ پر حملہ کیا تھا نقادانِ حرب و ضرب کی رائے میں وہ دُنیا کی بہترین فوج تھی۔ گنتی میں یہ اڑتالیس ڈویژنوں پر مشتمل تھی ۔ جرمنی کے تقریباً سب مایہ ناز جرنیل اس میں شامل تھے ۔

پول فوج نے بڑی بے جگری کے ساتھ مدافعت کی مگر جرمنی کے اس تازہ دم سیلاب کو روک سکنا اس کے بس سے باہر تھا۔ پول سپہ سالاروں میں سے جنرل اندرنڈ ( Anders ) اور سوسنوکووسکی ( Sosnkowski ) نے اس مہم میں بڑی شہرت حاصل کی تھی۔

## برطانیہ اور جنگ

اعلانِ جنگ کے بعد برطانوی حکومت نے سب سے پہلے چند ایسے قوانین نافذ کئے جن کی رُو سے ایسی تمام سرگرمیوں کی مناہی کر دی گئی جو مساعیِ جنگ پر ناگوار اثر ڈال سکتی تھیں۔ برطانوی لوگوں نے صدیوں کی زبردست جدوجہد

کے بعد جو شخصی و شہری آزادیاں حاصل کی تھیں وہ بیک جنبشِ قلم سلب کر لی گئیں مگر وطن کی خاطر انگریزوں نے ان سب پابندیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔

برطانوی نوآبادیوں یا دولتِ مشترکہ کے دوسرے ممالک میں سے ہندوستان اور آسٹریلیا نے علیحدہ اعلانِ جنگ کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ آئرلینڈ غیر جانبدار رہا۔ کینیڈا۔ برطانیہ کے ساتھ ہی جنگ میں کود گیا۔

۱۹۱۴ء کی طرح برطانیہ اب بھی عالمگیر جنگ کے لئے تیار نہ تھا۔ مگر پھر ۱۹۱۴ء کی طرح اس مرتبہ بھی اس نے اپنے وسائل کو حیرت انگیز تیزی۔ ترتیب اور ہوشمندی کے ساتھ مرتب کر لیا اور دس ڈویژن پر مشتمل ایک مضبوط فوج فرانس کے ساحل پر آتار دی۔ اس فوج کے کمانڈر انچیف جنرل لارڈ گورٹ تھے جو بعد میں مالٹا کے گورنر ہوئے۔ جنرل سر جان ڈل اور جنرل سر ایلن بروک کور کمانڈر تھے۔ یہ دونوں بعد میں برطانیہ کے چیف آف امپیریل جنرل اسٹاف کے منصب پر بھی فائز رہے۔ فیلڈ مارشل الیگزنڈر اور منٹگمری اس وقت میجر جنرل تھے اور گورٹ کے ڈویژنل کمانڈر تھے۔

جون ۱۹۴۰ء میں "ناروے مہم" میں ناکامی پر وزیر اعظم چیمبرلین نے استعفیٰ دیدیا اور ان کی جگہ مسٹر چرچل نے ایک مشترکہ وزارت قائم کی جس میں حزبِ مخالف کے لیڈر مسٹر کلیمنٹ اٹیلی کو نائب وزیر اعظم کا عہدہ دیا گیا۔ قومی بحران کے وقت مختلف و متضاد سیاسی عناصر کے اس اجتماع سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔

**یورپ میں**

۱۹۴۰ء کے موسمِ بہار میں جرمنی نے ہالینڈ اور بلجیم کو روند ڈالا۔ ہالینڈ نے تو کوئی خاص مقابلہ نہ کیا البتہ بلجیم کی فوجوں نے اپنے بہادر جوان سال بادشاہ کی قیادت میں ڈٹ کر مدافعت کی مگر بالآخر جرمنی کی عظیم قوت کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

**ڈنکرک**

اس اثنا میں فرانس کے حالات ابتر ہو رہے تھے۔ فرانسیسی سپہ سالار گیملن (Gamlin) جرمن ریلے کو روکنے میں ناکام رہا تو مشرقِ وسطیٰ سے فیلڈ مارشل ویگان بلائے گئے لیکن جرمن کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو روکنا اب گیملن

یا ویگان کے بس کی بات نہ تھی۔

ادھر لارڈ گورٹ کی فوج ڈنکرک میں گھرتی جا رہی تھی اور اگر برطانوی بحریہ کی مستعدی آڑے نہ آتی تو کچھ عجب نہ تھا کہ یہ تمام فوج جرمنوں کے ہاتھ ... پڑ جاتی ــــ لارڈ گورٹ اپنی فوج کو یوں گنتا چاہیئے کہ یقینی تباہی کے مُنہ سے بچا لائے۔ ڈنکرک کا انخلا اس جنگ کا مشہور واقعہ ہے اسے برطانوی نیوی کا "معجزہ" بھی کہتے ہیں۔ اس مہم میں برطانیہ کے ۸۸۷ چھوٹے بڑے جہازوں نے حصّہ لیا اور وہ تقریباً تین لاکھ انسانوں کو فرانس سے نکال لائے۔

ڈنکرک کے واقعہ میں برطانیہ اور فرانس کے درمیان بھی خاصی بدمزگی پیدا ہوئی۔ جنرل ویگان کی خواہش تھی کہ برطانوی سپاہی ــــ "آخری سپاہی اور آخری گولی" تک ڈٹے رہیں لیکن لارڈ گورٹ نے اپنی اس مکمل تباہی کو منظور نہ کیا۔ پھر فوجوں کے انخلا میں برطانوی سپاہیوں کو تقدیم بھی دی گئی۔ فرانس کو برطانیہ کی یہ ادا بھی پسند نہ آئی۔

## فرانس کی شکست

۲۴ جون ۱۹۴۰ کو فرانس نے ہتھیار ڈال دیے اور جرمنی نے بوڑھے مارشل پیٹان کو فرانس کی حکومت کا سربراہ بنا دیا۔ ہٹلر نے ہارے ہوئے فرانس کو اُسی سپیشل گاڑی کے اُسی "سیلون" میں بیٹھ کر اپنی شرائط سے آگاہ کیا۔ جہاں ۱۹۱۸ میں فرانس کے مارشل فوش ( FOCH ) نے جرمن مارشل ہنڈنبرگ سے اپنی شرائط لکھوائی تھیں۔

ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں

## برطانیہ میں دوزخ

اب ہٹلر نے برطانیہ کی ہوائی تاخت پر زور ڈالا۔ جرمن "لفٹ ولفے" (ہوائی فوج) کے پَرے کے پَرے آتے اور انگلستان کے شہروں پر موت برساتے ہوئے گزر جاتے۔ لندن کا عظیم الشان شہر۔ دوسرے صنعتی مقامات اور اہم بندرگاہیں ملبے کے ڈھیروں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ مگر برطانوی عوام نے کمال حوصلہ۔ کمال ضبط۔ اور کمال تنظیم کے ساتھ یہ سب کچھ برداشت کیا۔

## افریقہ میں

مسولینی جو موقعے کی تاک میں بیٹھا تھا فرانس کی شکست پر میدان میں آ گیا۔ اور اب افریقہ میں بھی جنگ شروع ہو گئی۔ بحیرہ روم میں انگریزوں

کی حالت سخت مخدوش تھی۔ البتہ بری معرکوں میں جنرل ویول اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ اٹلی کے مارشل گریزیانی اور بڈاگلیو کے خلاف کامیابی کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ ویول غالباً اِس جنگ کا تنہا برطانوی سپہ سالار ہے جس نے کم فوج اور کم ساز و سامان کے ساتھ دشمن کی بھاری جمعیت کو شکست دی ہے۔ رومیل کی "افریقہ کور" البتہ ابھی ان صحراؤں میں نمودار نہیں ہوئی تھی۔

**رُوس پر حملہ** جون ۱۹۴۱ء میں ہٹلر نے رُوس پر حملہ کر دیا۔ مسٹر چرچل نے روس کو فوراً اپنی مدد اور تعاون کا یقین دلایا اور دونوں ملکوں کے درمیان دوستی و امداد کا ایک معاہدہ طے پا گیا۔ اب برطانیہ اور روس ایک دوسرے کے رفیق حلیف تھے۔

شکر ایزد کہ میان من و او صلح فتاد
حوریاں رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند

جرمنی نے روس پر ڈیڑھ سو ڈویژن فوج کے ساتھ حملہ کیا۔ فیلڈ مارشل رن سٹیڈ لیب ( Leeb ) اور بوک ( Bock ) مختلف محاذوں کے اعلیٰ سپہ سالار تھے۔ جرمن فوج ایک وقت ماسکو کے دروازے تک جا پہنچی مگر رُوس اپنے عوام کی غیر فانی "سپرٹ" کی وجہ سے بچ گیا ـــــ رقبہ کی وسعت نے بھی اس ملک کی آبرو رکھ لی ورنہ جتنی دور تک جرمن فوج بڑھ آئی تھی کوئی چھوٹا ملک ہوتا تو ایک ہی دھاوے میں ختم تھا۔

**مشرق وسطیٰ** ۳ اپریل ۱۹۴۱ء کو عراق کے وزیر اعظم رشید علی گیلانی نے جو ہٹلر سے ساز باز رکھتا تھا۔ عراق میں اتحادیوں کے خلاف ہنگامہ کر دیا۔ عراقی توپ خانہ نے ہبانیہ میں مقیم انگریزی دستوں پر گولہ باری کی۔ لیکن اِدھر ہندوستان سے ایک برگیڈ فوراً بصرہ میں اُتار دیا گیا اور اُدھر انگریزوں کے دوست اور عراق کے ریجنٹ امیر عبداللہ نے حالات پر قابو پا لیا۔ گیلانی صاحب بھاگ کر جرمنی جا نکلے

اسی سال (۱۹۴۱ء میں) ویول کی جگہ جنرل آکنلیک مشرقِ وسطیٰ کے کمانڈر انچیف مقرر ہوئے۔ انہوں نے مشرقِ وسطیٰ کے دفاع کے لئے وہ "آٹھویں فوج" منظم و مرتب کی جس کی قسمت میں آئندہ لازوال شہرت لکھی جا چکی تھی۔ جنرل سر ایلن کننگھم (Kiningham) جنرل رچی (Ritchi) جنرل گوٹ (Gott) اور جنرل منٹگمری مختلف ادوار و اوقات میں اس مشہورِ عالم فوج کے سپہ سالار رہے ہیں۔ گوٹ اور منٹگمری کو اس منصب کے لئے خود آکنلیک نے منتخب کیا تھا۔

**مشرقِ بعید** ۷ دسمبر ۱۹۴۱ کی صبح کو جاپانی ہوائی جہازوں نے پرل ہاربر کے امریکی بیڑے پر اچانک بمباری کر کے دو گھنٹے کے اندر اندر پورے امریکی بیڑے کو غرق یا ناکارہ کر دیا۔ خود جاپان کے ۲۹ ہوا باز اس حملے میں کام آئے۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو پرنس کونوے (Konoe) کی جگہ جو صلح و آشتی کا حامی تھا اور جس نے امریکہ سے گفتگوئے مصالحت کے لئے ایک وفد واشنگٹن بھیج رکھا تھا۔ جنرل ٹوجو جاپان کا وزیرِ اعظم بن گیا۔ ٹوجو نے اسی مہینے جنوب مشرقی ایشیا کی تسخیر کے لئے فرانسیسی انڈو چائنا پر اپنی فوجیں اُتاریں۔

۱۰ دسمبر ۱۹۴۱ء کو جاپانیوں نے انگریزوں کے دو عظیم الشان جنگی جہاز "پرنس آف ویلز" اور "ری پلس" ملایا کے مشرقی سمندر میں غرق کر دئے۔ اس حادثہ نے اُستوائی سمندروں میں برطانوی بحریہ کی کمر توڑ دی۔

خود ملایا میں بھی مہینے سوا مہینے کی لڑائی کے بعد ۱۵ جنوری ۱۹۴۲ء کو انگریز سپہ سالار جنرل پرسیول نے اپنے جاپانی مدِ مقابل جنرل یاماسٹیٹا کے سامنے ہتھیار رکھ دئے۔ ملایا اور سنگاپور کا نقصان برطانیہ کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان تھا۔ لطف یہ کہ جاپانی فوج گنتی میں زیادہ نہ تھی۔

ملایا سے ذرا پرے جاوا۔ سماٹرا کے خوبصورت جزیروں میں اگرچہ لاکھ سوا لاکھ کے قریب ڈچ فوج پڑی تھی اور انگریزوں نے بھی کچھ دستے ان کی کمک پر بھیج رکھے تھے مگر مئی ۱۹۴۲ء تک یہ جزیرے بھی جاپانیوں کے تسلط میں آ چکے تھے۔

جاپانیوں نے ساتھ ساتھ برما میں بھی پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ برما کے برطانوی سپہ سالار جنرل الیگزینڈر تھے اور وہ جس باقاعدگی و ترتیب کے ساتھ اپنی فوج کو جاپانی نرغے سے نکال کر ہندوستان میں لے آئے یہ ان کا ایک روشن کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ ۱۹۴۲ء کی گرمیوں میں جاپانی اکیاب تک پہنچ چکے تھے۔

جاپان کے پاس کل ایک سو ڈویژن فوج تھی۔ جاپان کو فیصلہ کن شکست صرف برما ہی میں ہوئی۔

## جنرل ویول

مشرق وسطیٰ کی لڑائیوں میں جن برطانوی سپہ سالاروں کو شہرت و ناموری نصیب ہوئی ان میں منٹگمری کے بعد ویول کا نام سب سے ممتاز نظر آتا ہے۔ بلکہ بعض لوگوں کے نزدیک ویول کا نام سر فہرست ہونا چاہیئے کیونکہ منٹگمری کی عظیم الشان آٹھویں فوج کو سازوسامان اور عددی برتری کی جو فراوانی حاصل تھی وہ ویول کو میسر نہ تھی۔ ابتداء جنگ کے تاریک دور میں جب فرانس ایسا طاقتور حلیف نکلا جا چکا تھا اور اطالوی سپہ سالار گریزیانی کے ٹڈی دل لشکر لیبیا اور اریٹریا میں پھیلے ہوئے تھے یہ ویول ہی تھا جس نے ایک وسیع و منتشر صحرائی محاذ پر دشمن کو روکے رکھا۔ نہ صرف روکے رکھا بلکہ جہاں موقع ملا بڑھ بڑھ کر دشمن پر وار کے بعد وار کرتا گیا۔ اور یہ سب کچھ ویول نے تھوڑے سے انگریز اور ہندوستانی سپاہیوں اور مٹھی بھر نا تربیت یافتہ سوڈانی اور لیبیائی ملیشیا کے ساتھ سرانجام دیا۔

ادھر مشرق میں جب برما اور ملایا جاپانیوں کی زد میں آئے تو اس محاذ کا دفاع بھی ویول کے سپرد ہوا اور اگرچہ ویول اس محاذ پر زیادہ کامیاب نہ ہو سکے لیکن ایک سپہ سالار کی حیثیت سے ان کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں آنے پایا۔ مسٹر چرچل کا یہ مشہور جملہ عموماً جنرل ویول ہی سے منسوب کیا جاتا ہے۔

"سپہ سالار کی صلاحیت کا اندازہ اس کی کامیابیوں سے نہیں۔
اس بات سے لگانا چاہیئے کہ اس نے جنگ کس طریقے سے لڑی"

جون ۱۹۴۲ء میں جنرل ویول ہندوستان کے وائسرائے بنا دئے گئے اور اس

طرح ایک نامور برطانوی سپہ سالار کی سپاہیانہ زندگی ختم ہو گئی۔

جنرل ویول کے متعلق میجر جنرل گن گینڈ کے مندرجہ ذیل الفاظ دلچسپی سے پڑھے جانے کے لائق ہیں۔ دگن گینڈ مشرق وسطیٰ میں جنرل منٹگمری کے چیف آف سٹاف تھے:- "مغربی صحرا کے اوّلین معرکوں میں کامیابی حاصل کر کے ویول نے بڑا نام پیدا کیا اور بڑی عزت پیدا کر لی تھی۔ ہم محسوس کرتے تھے کہ ہمارا سپہ سالار ایک لائق اور زیرک جرنیل ہے لیکن ۱۹۴۱ء میں جب ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا تو قدرتاً اس اعتماد پر بھی ضرب پڑی کیونکہ ایک سپہ سالار کی قبولیت کا واحد معیار تو فتح و شکست ہی ہے۔

جنرل ویول سپاہیوں میں کافی ہر دلعزیز تھے۔ البتہ جنرل ہیڈکوارٹرز میں نچلے درجہ کے افسروں کو وہ خدا کم ہی دکھائی دیتے تھے۔ وہ اپنا کاروبار صرف جنرل سٹاف کے اونچے افسروں تک محدود رکھتے تھے اور اگرچہ یہ ٹھیک ہے کہ سپہ سالار اعلیٰ کے پاس فالتو وقت نہیں ہوتا۔ تاہم اگر کمانڈر انچیف کبھی کبھار چھوٹے افسروں کے لئے بھی وقت نکال لے تو اس سے فائدہ ہی ہوتا ہے۔ ماتحت افسر اس سے فوراً چمک اٹھتے ہیں خوش ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے بڑے نتائج مترتب ہو جاتے ہیں۔" (آپریشن وکٹری)

## خوشی کے آنسو

...... تریپولی فتح ہو چکا تھا۔ آٹھویں فوج کے چاق و چوبند دستے "مارچ پاسٹ" کر رہے تھے وردیوں کی سج دھج گارڈز کی جگمگاہٹ اور ہتھیاروں کی چمک دمک دیدنی تھی۔ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل سلامی کے چبوترے پر کھڑے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہہ بہہ کر ان کے رخساروں پر پھیل رہی تھیں —— یہ شکر اور خوشی کے آنسو تھے۔

## فیلڈ مارشل ایلن بروک

دسمبر ۱۹۴۱ء میں سر جان ڈِل کی جگہ فیلڈ مارشل ایلن بروک برطانیہ کے چیف آف امپیریل سٹاف بنائے گئے اور خاتمہ جنگ تک آپ اس منصب پر فائز رہے۔ دوسرے الفاظ میں اس جنگ میں برطانوی جنگی تدابیر کے نگران اعلیٰ وہی تھے۔

فیلڈ مارشل ایلن بروک برطانیہ کے سب سے بڑے "سپاہی" مانے جاتے ہیں مسٹر چرچل کی خواہش تھی کہ یورپ پر حملہ کرنے والی اتحادی فوج کی کمانِ اعلیٰ پر ایلن بروک کو مامور کیا جائے مگر امریکہ نے اس منصب کے لئے آئزن ہاور پر اصرار کیا اور وہی ہوا جو امریکہ چاہتا تھا۔

**ایک نظر** جنگ چھڑنے سے قبل مختلف یورپی ممالک کی عسکری و سیاسی حیثیت کچھ اس قسم کی تھی :۔

جرمنی جنگ کے لئے تیار تھا۔ بلکہ جنگ کا باعث ہی جرمنی کا جذبۂ انتقام تھا۔ ہٹلر ۱۹۱۴ء کی شکست کا قرض چکانا چاہتا تھا اور اس نے جرمن لوگوں کو ذہنی و عملی ہر لحاظ سے اس نقطے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں جنگ ناگزیر ہو گئی تھی۔

فرانس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس کے باوجود کہ عالمی جنگوں کے درمیانی وقفہ میں برطانیہ اور امریکہ فرانس کو ہمیشہ یورپ میں بڑھاتے آئے تھے، فرانس کی کیفیت ناقابلِ اعتماد تھی۔ اس کا تجربہ (دنیوی) اچھا تھا مگر فوج کمزور تھی۔ اپنے دفاع کے لئے فرانس اپنی اُن مورچہ بندیوں پر جو میگنیٹ لائن ( Maginot Line ) کے نام سے مشہور ہیں ضرورت سے زیادہ تکیہ کئے بیٹھا تھا۔ حالانکہ بلجیم کی طرف تمام سرحد خالی پڑی تھی۔ یوں کسی دفاعی خط کے بھروسے پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا ایک شکست خوردہ ذہنیت کا نتیجہ تھا۔ پولینڈ کے پاس نہایت اعلیٰ جدید قسم کی فوج تھی۔ مگر وہ فرانس اور برطانیہ کے موثر و فوری امداد کے بغیر جرمنی کی تاب نہ لا سکتا تھا اور نہ لا سکا۔

روس اگرچہ یورپ کی دوسری سب سے بڑی طاقت تھا مگر وہ پس منظر کی تاریکی میں یوں چھپا بیٹھا تھا کہ اس کی قوت اور عزائم کی نسبت کسی کو کچھ علم ہی نہ تھا۔ بظاہر اس کی تمام تر توجہ زرعی ترقی کی طرف مبذول نظر آتی تھی لیکن زرعی آلات مثلاً ٹریکٹر وغیرہ وہ اس انداز سے بنا رہا تھا کہ بوقت ضرورت وہی مشینیں ٹینک اور توپیں ڈھلنے لگ جائیں۔

اپنی عظیم آبادی کی وجہ سے روس کی نسبت یہ بات طے تھی کہ جنگ کی صورت میں وہ بے شمار سپاہی میدانِ جنگ میں اُتار سکے گا اور اس نے اُتار دئے۔

روس میں سڑکیں کم تھیں جو تھیں اُن کی حالت بھی کچھ ایسی اچھی نہ تھی۔ مگر روس کی یہی پس ماندگی اس کے آڑے آگئی۔ سڑکیں عمدہ اور بہت ہوتیں تو جرمن ٹینک پہلے ہی ریلے میں ماسکو پہنچ جاتے۔

اٹلی کی مثال ایک ایسے دوکاندار کی تھی جس نے سارا فروختنی مال اُٹھا کر شیشے کی الماریوں میں رکھدیا ہو اور جس کے گودام میں کوئی چیز موجود نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ مسولینی نے بڑی ہوشیاری سے دھوئیں کی ایک چادر تان رکھی تھی جس میں وہ حالات کی رفتار کو دیکھ رہا تھا اور جس وقت اسے جرمنی کی فتح کا یقین ہو گیا وہ جنگ میں کود پڑا۔

بلجیم اور ہالینڈ غیر جانبدار تھے۔ مگر بقول علامہ اقبال

ع ہے جُرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

برطانیہ ہمیشہ کی طرح اب بھی کسی بڑی آویزش کے لئے تیار نہ تھا۔ بعض مبصرین (مثلاً جنرل فالز) کے نزدیک ۱۹۱۴ء کے مقابلے میں بھی کم تیار تھا۔ "ہتھیار چھوڑنے اور فوج توڑ دینے کی منصوبہ بندی" کے تحت برطانیہ کے پاس بہت کم فوج رہ گئی تھی۔ فضائیہ کا حال بھی پتلا تھا۔ البتہ نیوی بہترین تھی مگر محدود دنا کافی۔ برطانوی فوج کی سب سے بڑی قوت اس کے سنیئر افسر تھے۔ زیرک و آزمودہ کار۔ اس جنگ کے نام آور جرنیلوں میں سے بیشتر جرنیل پہلی جنگ میں لفٹننٹ کرنل تک رہ چکے تھے۔

یہ تصویر چنداں حوصلہ افزا نہ تھی۔ مگر ہمیشہ کی طرح جنگ میں کود جانے کے بعد برطانوی لیڈروں اور برطانوی لوگوں نے رفتہ رفتہ ہر کمی پوری کر لی۔

**اختلاف** شمالی افریقہ میں محوریوں کی شکست کے بعد امریکہ سب سے پہلے یورپ پر حملہ کرنے کے حق میں تھا اور برطانیہ سسلی اور اٹلی پر۔ آئزن ہاور کو بالآخر برطانوی ہائی کمان کی رائے ماننا پڑی۔ مبصرین کی رائے میں سیاسی و فنی دونوں اعتبار سے یہی طرزِ عمل بہترین تھا۔

منٹگمری کو اس اسکیم سے بھی اختلاف تھا جو آئزن ہاور نے سسلی پر حملہ کرنے

کے متعلق بنائی تھی۔ چنانچہ آئزن ہاور نے بعد میں اس اسکیم میں مناسب ردوبدل کر دیا۔
یورپ کے محاذ پر بھی آئزن ہاور نے منٹگمری کو تمام بری فوجوں کا کمانڈر انچیف بنا دیا تھا لیکن ستمبر میں فوجوں کی کمان براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے لی۔ دراصل وہ امریکی جرنیل بریڈلے کو منٹگمری کے تحت نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

اس محاذ پر آئزن ہاور اور منٹگمری کے اسلوبِ کار میں بھی اختلاف تھا۔ امریکی اصول جنگ یہ تھا کہ ایک وسیع محاذ پر بیک وقت پیش قدمی کرتے ہوئے کمزور مقامات پر دھاوے کئے جائیں۔ اس کے برعکس منٹگمری محدود محاذ میں شدید یلغاروں کے ساتھ آگے بڑھے جانے کا حامی تھا۔ بہرحال اس محاذ پر جنگ کا عام انداز امریکی ہی رہا۔ اس سلسلے میں امریکی جنرل پیٹن کی پیشقدمی جس نے اپنی تیز رفتاری سے دنیا بھر کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا بطور خاص قابلِ ذکر ہے۔ شمالی افریقہ (مراکش۔ الجیریا۔ طیونس) میں امریکی جنرل مارک کلاک اور برطانوی جنرل انڈرسن کے درمیان فوجوں کی کمان اور طریقِ جنگ کے معاملات پر سخت اختلافات تھے۔

**ایک تبصرہ** اس جنگ پر سرل فالز ( Cyril Falls ) نے اپنی کتاب (دوسری جنگ عالمگیر) میں ایک طویل دلچسپ تبصرہ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مشرق و مغرب میں دو الگ جنگیں لڑی جا رہی تھیں جرمنوں اور جاپانیوں میں دوستی ضرور تھی مگر باہمی امداد کے لئے کوئی رابطہ یا تال میل نہ تھا۔

روس پر جرمنی کا حملہ جرمنی کے لئے مہلک ثابت ہوا۔ ہٹلر کے سپہ سالار اس حملے کے خلاف تھے۔ اگرچہ یہ جرمنی کے لئے تباہ کن ثابت ہوا۔ تاہم اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر جرمنوں سے بعض بنیادی اور فاش غلطیاں سرزد نہ ہوتیں تو کامیابی کے خاصے روشن امکانات موجود تھے۔ ہٹلر کے سپاہی ایک مرتبہ تو ماسکو کے دروازے تک پہنچ ہی گئے تھے۔

۱۹۱۴ء کی جنگ میں برطانیہ اور فرانس بڑے فاتح تھے۔ امریکہ دیر میں شامل ہوا تھا اس لئے کوئی فیصلہ کن حصہ نہ لے سکا۔ مگر اس جنگ میں امریکہ نے سرگرم حصہ لیا۔ مشرق میں جاپان کے خلاف تو خیر امریکہ کا حصہ زیادہ ہی تھا۔ یورپ میں بھی امریکہ نمایاں رہا۔ وجہ یہ تھی کہ برطانیہ اس وقت تک جرمنی سے تنہا لڑ لڑ کر تھک چکا تھا۔ پھر یہ بات بھی کہ امریکی صنعت (انڈسٹری) اب برطانیہ سے آگے نکل چکی تھی۔ نتیجہ یہ کہ پہلی جنگ میں برطانیہ جہاں پہلے نمبر پر تھا اس جنگ میں وہ تیسرے نمبر پر جا پڑا۔ قوت کی ترتیب یہ تھی، امریکہ روس اور برطانیہ ...... میدانِ جنگ میں انگریز سپاہی ہر لحاظ سے ممتاز ترین سپاہی تھا۔ انگریز ہوا باز —— اطلانتک کی لہروں کے جانباز ملاح —— اور افریقہ میں لڑنے والے سپاہی ہر اعزاز و آفرین کے مستحق ہیں۔

انڈین سپاہی بہترین لڑیت ثابت ہوا۔ ہر انڈین ڈویژن میں ایک گورا برگیڈ رکھنے کا مقصد غالباً یہ تھا کہ برطانوی برگیڈ دیسی سپاہیوں کے لئے نمونہ کا برگیڈ ثابت ہو لیکن اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس جنگ میں برطانوی برگیڈ ہندوستانی سپاہیوں کے لئے کوئی خاص نمونہ نہ تھے۔ ہندوستانی سپاہی ان سے بھی آگے تھا۔

**جاپانی** ...... برما میں جاپانیوں نے اپنی مہم بڑی کامیابی و ہوشیاری سے سرانجام دی۔ انہوں نے ہوا میں اپنی برتری اور جنگل کی لڑائی میں اپنی مہارت و فوقیت کا پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ بڑے بڑے خطرات میں کود گئے اور نکل گئے۔ ان کے قیافے حیرت انگیز حد تک ٹھیک نکلے۔ وہ برما میں اس عزم کے ساتھ داخل ہوئے تھے کہ ماندلے۔ لاشو ما ذر برما روڈ کو موسم برسات سے پہلے پہلے مسخر کر لینگے اور وہ یہ سب مرحلے پروگرام کے مطابق طے کرتے چلے گئے۔

جاپانی سپاہی کی خوبیوں کو گھٹا کر بیان کرنے کا رجحان عام ہے۔ حالانکہ وہ نہایت مضبوط اور بڑے دل والے سپاہی تھے۔ ایک فوج کی حیثیت سے ان کا شمار دنیا کی بہترین فوجوں میں ہو سکتا ہے۔ برما میں چودھویں فوج کے خلاف انہوں نے دو بڑے حملے کئے جو منصوبہ بندی کے لحاظ سے نہایت مکمل تھے...... آسام

تک آ پہنچنا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ جاپانی کامیابی کے دروازے تک آ پہنچے تھے۔
اصل۔ کوہیما کی لڑائی اس جنگ کی طویل ترین اور شدید ترین لڑائیوں میں سے تھی جس میں اتحادیوں کی کامیابی جنرل سلم کا بہترین کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ دراصل یہی وہ لڑائی ہے جس نے برما میں اس جنگ کا پانسہ اتحادیوں کے حق میں پلٹ دیا۔

...... جاپان نے ایٹم بم کے سامنے اگرچہ ہتھیار ڈال دئے لیکن اس کی عسکری قوت کا دم خم ابھی جوں کا توں قائم تھا۔ اگر جاپان پر حملہ کی نوبت آتی تو یقیناً بڑی ہولناک خون ریزی ہوتی۔ جاپانی سپاہی ہتھیار ڈالنے پر مرجانے کو ترجیح دیتا تھا اور اب تو اسے جاپان کی اپنی سرزمین پر لڑنا تھا۔

## بدحواس فوج

۱۳ اگست ۱۹۴۲ کو جب فیلڈ مارشل منٹگمری نے افریقہ میں آٹھویں فوج کی کمان سنبھالی تو رومیل کی فوج اسکندریہ سے صرف ساٹھ میل کے فاصلے پر تھی اور مسٹر چرچل کے الفاظ میں آٹھویں فوج کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ایک بہادر مگر بدحواس فوج تھی"۔ سپاہیوں کو اپنی صلاحیت پر تو بھروسہ تھا مگر اونچے لیڈروں پر اُن کا اعتماد اُکھڑ چکا تھا۔ رومیل حملے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ ہمارا حوصلہ (مورال) پست تھا۔ فضا نہایت غلط تھی۔

چنانچہ منٹگمری کی کمان میں جب آٹھویں فوج دھاوا کرتی ہوئی عزالہ کے مشہور مقام پر پہنچی تو فوجیوں کے دل میں یہ وسوسہ سر اٹھانے لگا کہ کہیں یہاں سے پھر پسپا نہ ہونا پڑے۔ بات یہ تھی کہ اس سے پہلے دو مرتبہ آٹھویں فوج کو یہیں سے واپس ہونا پڑا تھا مگر منٹگمری کے نزدیک اس مرتبہ پسپائی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ اس سے قبل رومیل کو فیصلہ کُن شکست نہیں ہوئی تھی وہ محض پسپا ہوا تھا۔

## انگریز اور فرانسیسی

ویٹ زل ( Wetzeil ) جو پہلی جنگِ عظیم میں جرمن کمانِ اعلیٰ کا دماغ سمجھا جاتا تھا انگریزوں اور فرانسیسیوں کی نسبت اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ انگریز تدبیرِ جنگ ( Tactics ) میں بھدے اور ناتجربہ کار ( Strategy

میں قدامت پسند ہیں مگر نہایت مستقل مزاج اور شدید ترین دشمن ہوتے ہیں۔ فرانسیسی سپاہی حملے میں خاصہ رہتا ہے۔ مدافعت بھی ڈھنگ سے کرتا ہے مگر جم کر زیادہ دیر تک نہیں لڑ سکتا۔

"ویٹ زل" کے مقابلے میں مشہور مبتصر فنونِ جنگ "گیوبرٹ" ( Guibert ) کے نزدیک انگریز تزویراتِ جنگ میں بڑے بھسیڈی ہیں۔ وہ حملہ کرنے کی کوئی خاص صلاحیت بھی نہیں رکھتے مگر ان کے جذبے کی شدت کبھی کم نہیں ہوتی۔

انگریزوں کے متعلق عموماً کہا جاتا ہے کہ وہ ایک ہی لڑائی جیتتے ہیں — آخری لڑائی اور واقعی واٹرلو سے لے کر آج تک یہ حقیقت مسلّم چلی آتی ہے۔

## سپاہی کم مفکر زیادہ

ملایا میں برطانیہ کی شکست کے اسباب و علل پر تبصرہ کرتے ہوئے آسٹریلیا کے لفٹیننٹ جنرل گارڈن بینٹ ایک مقام پر اپنی رائے یوں ظاہر کرتے ہیں:۔

"۔۔۔۔۔ افسروں کی ہاں کی ہاں ملانے والے جی حضوری لوگ کبھی اچھے فوجی لیڈر نہیں بن سکتے۔ فوجی قیادت کے لئے وہی شخص موزوں ہے جو آزادانہ سوچ بچار کی اہلیت رکھتا ہو۔ اپنے مسائل خود حل کر سکتا ہو، اپنا راستہ خود بنا سکتا ہو اور یہ جان لینے کے بعد کہ وہی راستہ درست ہے اس پر چل سکتا ہو۔ جنرل بینٹ کی رائے میں وہی شخص اچھا افسر ہو سکتا ہے جو سینئر افسر کے سامنے اپنی رائے بے خوفی سے پیش کر سکتا ہو۔ اور نظم و ضبط کی حدود میں رہتے ہوئے اپنی رائے منوانے کی سعی کر سکتا ہو۔ مگر بدقسمتی سے برطانوی فوج میں زیادہ تر "جی حضوری" قسم کے لوگوں کو ترقی ملتی رہی ہے۔ ماتحت چھوٹے افسروں کو عموماً یہ کہا جاتا ہے۔ تم یہاں اس لئے ہو کہ تمہیں جو کچھ بتایا جائے اس پر عمل کرتے چلے جاؤ۔ تم یہاں دلیل بازی کے لئے نہیں ہو — نتیجہ یہ کہ بھیڑ اور بکری میں تمیز مشکل ہو گئی۔۔۔۔ بلکہ بھیڑیں اکثر زیادہ بلندی پر نظر آتی رہیں۔

۔۔۔۔ برطانیہ کے سٹاف کالج سپاہی سے زیادہ مفکر پیدا کرتے ہیں چنانچہ

برٹش آرمی کے اونچے حلقوں میں قابل ترین سٹاف افسروں کی تعداد تو ہم بہت زیادہ دیکھتے ہیں۔ مگر آگے بڑھ کر لڑنے والے ( Aggressive Fighter ) بہت کم ہیں۔ جنگ کے لئے موزوں ترین لیڈر وہ ہے جو خود لڑ سکتا ہو۔ انسانی نفسیات پر نظر رکھتا ہو اور اپنے سپاہیوں کی قوتِ برداشت اور صلاحیت کار کو سمجھتا ہو۔۔۔۔ ملایا میں ایسے لیڈروں کی کمی تھی"

ان عمومی تاثرات کے بعد جنرل بنیٹ ملایا کے برطانوی کمانڈر لفٹیننٹ جنرل پرسیول کے متعلق لکھتے ہیں :۔

۔۔۔۔ وہ کیمبرلے سٹاف کالج کی بہترین پیداوار تھے۔ وہ جنگ کے سائنسی اصولوں۔ سٹاف کے کام۔ ہتھیاروں۔ منصوبہ بندی وغیرہ کے بڑے ماہر تھے جالات کے جائزے اور فوج کی تنظیم و ترتیب میں بھی ان کا علم تنقید سے بالا تھا۔ مگر ان کی کوئی تدبیر کہیں کامیاب نہ ہو سکی۔ جاپانی جب بھی ہمارا پہلو کاٹ کر نکل جاتے تو پھر ہمارے سپاہی جم نہ سکتے۔ بعض اوقات جنرل پرسیول جوابی حملے کو مناسب بھی سمجھتے تھے لیکن کسی حملے کو عملی صورت نہ دے سکے کیونکہ یونٹ کمانداروں میں "جارحانہ اقدامیت" کی روح مفقود تھی۔

پھر لفٹیننٹ جنرل سر ایل۔ ایم۔ ہیتھ ( L.M. Heath ) جو ملایا میں تیسری انڈین کور کے کماندار تھے جنرل پرسیول کی بہ نسبت زیادہ زوردار آدمی تھے۔ ہیتھ ملایا میں پسپائی کے قائل تھے اور جنرل پرسیول کو ہمیشہ ہموار کر لیتے تھے"

**اعتراف** ۱۳ دسمبر ۱۹۴۱ء کو جنرل گارڈن بنیٹ نے آسٹریلوی حکومت کو ملایا کی صورتِ حال پر ایک خط کے دوران میں تحریر کیا :۔

"ایک بات ہم محسوس کر چکے ہیں کہ جنگل میں راستہ تلاش کرنے کے معاملے میں جاپانی بہت ماہر ہیں۔ ان کا بڑا حربہ یہ ہے کہ ان کے دستے جنگل ہی جنگل میں ہوتے ہوئے ہمارے عقب میں آنکلتے ہیں۔۔۔۔ بعض اوقات ان کے محض دو تین آدمی ہی بڑا کام کر جاتے ہیں۔"

جنرل سمتھ نے بھی جن کا تذکرہ ابھی اوپر آچکا ہے۔ جاپانیوں کو خراج تحسین ادا کیا ہے ان کے نزدیک جاپانیوں کا انداز جنگ ایک نمونے اور مثال کی حیثیت رکھتا تھا۔ ملایا کی مہم کے ضمن میں جنرل سمتھ بیان کرتے ہیں کہ "انہوں نے اپنی حربی سکیم پر بڑی مہارت کے ساتھ عمل کیا تھا۔ اور جاپانی سپاہی جس دلیری و بے خوفی سے لڑے ہیں اس کی مثال حرب و ضرب کی تاریخ میں نہیں ملتی"۔

**رومیل اور چرچل** ...... بن غازی کی دوبارہ فتح پر اپنے تاثرات ظاہر کرتے ہوئے مسٹر چرچل نے فیلڈ مارشل کو صحرائی لڑائی کا "استاد" تسلیم کیا ہے۔ ان کے الفاظ میں رومیل نے اتحادی کمانداروں کو مات دیکر اریٹریا کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا اور تین سو میل کی پسپائی نے اتحادیوں کی امیدوں اور ان کے ساتھ سازوسامان کے بے اندازہ ذخیروں کو بھی تباہ کر دیا تھا۔

اپنی ایک اور تقریر میں مسٹر چرچل نے رومیل کی نسبت کہا تھا...... "ہمارے خلاف ایک نہایت زیرک دشمن لڑ رہا ہے۔ رومیل اس جنگ کے عظیم ترین جرنیلوں میں سے ہے۔ اب اسے کمک بھی پہنچ چکی ہے۔

**مایوس کن مشن** برما کی ابتدائی مہم کے دوران میں جنرل (بعد میں فیلڈ مارشل) الیگزینڈر کی مہم کو مسٹر چرچل نے "مایوس کن مشن" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ مسٹر چرچل کی رائے میں — "اتنے مایوس کن مشن" پر کبھی کوئی جرنیل نہیں بھیجا گیا تھا مگر الیگزینڈر خوش اور مطمئن تھا"۔

الیگزینڈر کی شخصیت کے بارے میں مسٹر چرچل لکھتے ہیں — "پہلی جنگ عظیم میں گارڈ ڈویژن کے ایک رجمنٹل افسر کی حیثیت سے الیگزینڈر نے یہ شہرت حاصل کر لی تھی کہ اس کے سپاہی موت کے منہ میں بھی ندناتے ہوئے چلے جاتے تھے وہ سراپا اعتماد تھا"۔

**فرانس کی شکست** ...... فرانس دھڑا بندی کا شکار تھا۔ عوام کو قائدین حکومت اور فوجی لیڈروں پر اعتماد نہ تھا۔ فوج کے بعض

یونٹ کھلم کھلا کمیونسٹ تھے۔ نظم وضبط کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی تھیں۔

**ہٹلر۔ قمار باز** اپنے چیف آف سٹاف جنرل ھالڈر کی رائے میں ہٹلر ایک بہت بڑا قمار باز تھا جو بے دریغ داؤ پر داؤ لگاتا چلا جا رہا تھا۔

ھالڈر کے نزدیک ـــــ ہٹلر ایک اچھا سیاسی لیڈر ضرور تھا مگر اچھا فوجی لیڈر ہرگز نہ تھا۔ اس نے فوج کی کمانِ اعلیٰ میں تفریق پیدا کر رکھی تھی۔ بڑے لیڈروں میں جو اعتماد ہونا چاہیئے وہ اس میں نہیں تھا اور تحمل و برداشت کا جذبہ تو سرے سے ناپید تھا۔ غیر متوقع مشکلات یا ناکامیوں میں سخت پریشان ہو جاتا اور پھر مقامی کمانڈروں کے علم و مشورہ کے بغیر تابڑ توڑ احکام صادر کرنے لگتا ـــ اپنے سیاسی مسائل میں تو جلد جلد فیصلے کر لیتا تھا لیکن فوجی معاملات میں سپہ سالاروں کے فیصلوں پر مہر تصدیق ثبت کرنے میں بڑا وقت لیتا تھا۔ میدانِ جنگ میں جرمن سپاہیوں کو بسا اوقات اس تاخیر کا خمیازہ بھگتنا پڑتا۔

**فضول ٹینک** ۳ فروری ۱۹۴۱ء کو روس کے معاملے پر ہٹلر اور ہائی کمان کی گفتگو ہو رہی تھی۔ جرنیلوں نے جب اسے بتایا کہ روس کے پاس دس ہزار ٹینک ہیں تو ہٹلر نے پہلے تو یہ بات ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ پھر کہا ـــ ۱۹۲۰ء سے لے کر اس وقت تک اگر انہوں نے دس ہزار ٹینک جمع بھی کر لئے ہیں تو ایسے فضول، بے ہودہ ٹینکوں سے گھبرانے کی کیا بات ہے۔

**ذمہ داری** جنگ کے آغاز میں مسٹر ہور بلیشیا برطانیہ کے وزیرِ جنگ تھے۔ ان کے ملٹری سکرٹری میجر (بعد میں میجر جنرل) گوبن گینڈ مسٹر ہور بلیشیا کی نسبت ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ کبھی اخبار میں سپاہیوں کی کسی معمولی سی تکلیف کا بھی تذکرہ آجاتا تو وزیرِ جنگ بے قرار ہو جاتے اور جب تک اس تکلیف کا ازالہ نہ کر لیتے چین سے نہ بیٹھتے تھے۔

**ویول بنام چرچل** جاپانیوں نے جب ملایا پر حملہ کیا تو ملایا جنرل ویول کی کمان میں شامل تھا۔ جنرل ویول نے ملایا اور سنگاپور کے دفاع کے بارے میں

وزیر اعظم مسٹر چرچل کو جو مراسلات بھیجے تھے ان میں سے ذیل کی دو اقتباسات بطور خاص مطالعہ کے لائق ہیں۔

"۔۔۔۔۔ اب تک جزیرے کے تمام دفاعی استحکامات کا مقصد سمندری حملے کا دفاع تھا یا خشکی کی طرف سے جوہور یا اس سے بھی پرے شمال میں زمینی حملے کو روکنے کے بعض انتظامات کئے گئے تھے۔ مگر ایسا کوئی انتظام نہیں کیا گیا یا اس معاملہ پر بہت کم توجہ دی گئی ہے کہ دشمن جوہور کی کھاڑی عبور نہ کر سکے۔"

(ویول - ۱۶ جنوری ۱۹۴۲ء)

"۔۔۔۔۔ میں نے پرسیول (لفٹننٹ جنرل) کو تاکید کر دی ہے کہ وہ جوہور میں جم کر لڑے مگر میں آپ کو خبردار کر دینا چاہتا ہوں کہ جوہور کے سقوط کے بعد جزیرے (سنگاپور) کو دیر تک بچایا نہیں جا سکتا۔ مجھے ایسی تصویر پیش کرتے ہوئے بڑا قلق ہو رہا ہے لیکن میں آپ کو کسی خوش فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا۔"

(ویول - ۱۹ جنوری ۱۹۴۲ء)

**جنگ کے مقتضیات** اس زمانہ میں فنونِ جنگ اس قدر متنوّع اور پیچ در پیچ ہو چکے ہیں کہ اب جنگ کو ایک سپاہی سے زیادہ سائنسدان کی نظر سے دیکھنا پڑتا ہے۔۔۔۔ جنگ میں کامیابی کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا لازمی ہے۔

**۱۔ مقصد** جنگ کا کوئی مقصد ہونا چاہیئے۔ کوئی ایسا بلند مقصد جو انسانوں کو بڑی سے بڑی قربانی کے واسطے اُبھار سکے۔ مثلاً آزادی وانصاف کی حمایت کا مقصد۔ جان ومال کی حفاظت کا جذبہ۔ بعض لوگ اپنے مذہبی اصول و عقیدہ کی خاطر بھی سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ یاد رکھئے جنگ کا مقصد واضح اور صاف ہونا چاہیئے۔ نیز یہ کہ اگر خود اپنے ملک میں آزادی - امن - اور انصاف ناپید ہیں تو یہ مقدس قدریں بھی لوگوں کو قربانی پر آمادہ نہیں کر سکیں گی۔

**۲۔ مستقر** - عملی جنگ کی مقدم ترین ضرورت ایک محفوظ مستقر (Base) ہے۔

اس منظر کا خیال نہ صرف دفاع یا حملہ کی سکیم ہی میں رکھنا پڑے گا بلکہ اپنے ملک کی خارجہ پالیسی طے کرتے وقت بھی اس کا خیال مقدم ترین ہونا چاہیئے۔

**۳۔عسکری قوت** فوج۔ہتھیار۔گولہ بارود۔سازوسامان۔ زمینی ہتھیاروں میں سے توپ خانہ سب سے طاقتور ہتھیار رہے اور ابھی مدت تک ٹینک کے ساتھ ساتھ ایک فیصلہ کُن عنصر کی حیثیت رکھے گا۔

فوج کے بارے میں اس جنگ تک عام نظریہ یہی تھا کہ فتح اسی فوج کو نصیب ہوتی ہے جو تعداد میں دشمن فوج سے زیادہ ہو۔نپولین اعظم کی فاتحانہ یلغاروں نے بھی اس خیال کو بڑی تقویت پہنچائی تھی۔ وہ اگرچہ یہ کہا کرتا تھا کہ "فوج میں محض آدمیوں کی نہیں بلکہ بہادر آدمیوں کی ضرورت ہے" لیکن پھر اُسی کا ایک اور قول ہے کہ ——
"خوش قسمتی ہمیشہ بڑی بٹالین کے ساتھ رہتی ہے"

بہرحال جنگ میں آتشیں اسلحہ کے فروغ و استعمال نے یہ سارا تصور ہی بدل دیا ہے۔اب اصل چیز سپاہی کی عددی قوت نہیں بلکہ مشینی قوت کی برتری ہے ایک مشین گن سو کیا ہزاروں انسانوں کو بھسم کر سکتا ہے۔چنانچہ اسی جنگ میں جب تک جرمن ہتھیار بہتر تھے۔جرمنوں نے نسبتاً تھوڑی فوج کے ساتھ بڑے بڑے لشکروں کے چھکے چھڑا دئے مگر جونہی اتحادیوں کو اسلحہ و سامان میں برتری حاصل ہوئی جنگ کا پانسہ ان کے حق میں پلٹ گیا۔

**۴۔اقتصادی استحکام** مشینی اور فوجی قوت کے ساتھ ساتھ اقتصادی استحکام بھی لازمی ہے کہ اس کے بغیر کوئی جنگ دیر تک نہیں لڑی جا سکتی۔

**۵۔شہری دفاع** نئی جنگ میں ہوائی قوت کو زبردست اہمیت حاصل ہو گئی ہے اسی نسبت سے "شہری دفاع" بھی جدید جنگ کی بنیادی ضرورتوں میں روز بروز اہم حیثیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔جدید جنگ میں

شہری دفاع کے اقدامات اتنے ہی ضروری ہیں جس قدر کہ خود ہوائی جہاز۔ بمبار یا طیارہ انداز توپیں۔

**۶۔ لیڈرشپ** جنگ کی صورت میں عوام الناس میں جوش وخروش۔ نظم وضبط۔ اعتماد واتحاد اور جذبہ وولولہ کا ہونا ضروری ہے۔ یہ فضا صحیح قسم کی لیڈرشپ یا قیادت ہی پیدا کر سکتی ہے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عوام الناس ہر حکم پر کٹ مرنے کو تیار رہتے ہیں وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ آغازِ جنگ میں اگر جذبات کا عالم ایسا ہو بھی تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ بعد میں یہ جذبہ سرد نہیں پڑ جائے گا؟ لہذا لوگوں میں کسی مقصد میں والہانہ خلوص اور جذبہ پیدا کرنے کے لئے خود لیڈرشپ کا بالغ نظر اور مخلص ہونا لازمی ہے۔ لوگوں میں یہ عادت ڈالنی چاہیئے کہ وہ مسائل پر منفی کے بجائے مثبت زاویہ نگاہ سے غور کریں۔

اس سلسلہ میں یہ نکتہ دوبارہ ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ آزادی ہی سے خود اعتمادی اور حب الوطنی کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں۔ آزادی دفاع کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے لیکن آزادی کی قدر وقیمت جاننے کے لئے خود اپنے ملک میں سچی اندرواقعی آزادی کا ہونا ضروری ہے۔

**حملہ یا دفاع** جنگ میں کامیابی کے لئے حملے ( Offensive ) یا دفاع" ( Defensive ) میں سے کونسی ترکیب زیادہ کارگر ہے؟ اس مسئلہ پر استادانِ جنگ" میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ سوال مدت سے ایک طویل بحث کا موضوع چلا آتا ہے اور ماہرینِ فنونِ جنگ کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے۔

حملے کے حق میں مندرجہ ذیل باتیں کہی جاتی ہیں:۔

(۱) جنگ کا منشا دشمن فوج کو تباہ کر کے دشمن ملک پر قبضہ کرنا ہے۔ یہ مقصد حملہ کرنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

۲۔ فوج کی تربیت کا بنیادی مقصد ہی دھاوا اور حملہ کرنا ہے۔
۳۔ فوجی حیثیت سے حملے کے بغیر کوئی جنگ جیتی نہیں جا سکتی۔
۴۔ حملے سے دشمن پر برتری قائم رہتی ہے اور اپنی فوج کے حوصلے پر اس کا خوش گوار اثر پڑتا ہے۔

حملے کے خلاف اور دفاعی اندازِ جنگ کے حق میں ذیل کی باتیں کہی جاتی ہیں:۔
۱۔ حملہ فوج کو جلد تھکا دیتا ہے
۲۔ ناکام حملہ ملک اور قوم کو بہت مہنگا پڑتا ہے۔ (نپولین اور ہٹلر کے حملے اس عظیم ناکامی کی عبرتناک مثال ہیں۔)
۳۔ کم سے کم نقصان کے ساتھ جنگ جیتنے کا واحد طریقہ "دفاع" ہے۔
۴۔ تاریخ شاہد ہے کہ زیادہ نقصان اُس فوج کو اُٹھانا پڑا جس نے حملہ کیا۔ اسکے برعکس وہ فوج فائدے میں رہی جس نے دشمن کے حملے کا انتظار کیا اور جب دشمن کے حملے کا زور ٹوٹ گیا تو خود جوابی حملہ شروع کر دیا۔

یہ بحث بڑی طویل اور دلچسپ ہے۔ بہرحال دوسری جنگ عظیم نے اپنا "فیصلہ" مجموعی طور پر "حملے" کے حق میں صادر کیا ہے۔ دراصل فوج میں رفتار و حرکت کی ترقی نے حرب و ضرب کا سارا انداز بدل دیا ہے۔ اب "حملے" کی افادیت میں اعتماد بڑھتا جا رہا ہے۔ اگر تعداد پوری اور آتشیں اسلحہ کافی ہو تو حملہ حیرت انگیز نتائج پیدا کرتا ہے۔ پہلی جنگِ عظیم (۱۸-۱۹۱۴ء) میں اکثر جرنیل اگر "دفاع" کو "حملے" پر ترجیح دیتے تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ دشمن کی صف توڑ کر آگے نکل جانے کے بعد حملے کے زور اور اس کی شدت کو قائم رکھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ مگر اب خود فوج کی تیز رفتاری اور فضائی سرگرمیوں نے یہ دشواری بڑی حد تک ختم کر دی ہے۔

جرمنی اگرچہ اپنی فتوحات کو سنبھال نہ سکا (جس کے بہت سے وجوہات ہیں) تاہم میدانِ جنگ میں اس کی حیرت انگیز کامیابی "حملے" ہی کی وجہ سے تھی (فرانس میں جنرل گوڈیرین اور افریقہ میں رومیل کی کامیابی اس کی روشن مثالیں ہیں) البتہ حملے میں

اس بنیادی عنصر کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ حملہ آور فوج تعداد میں دشمن فوج سے تین گنا زیادہ ہو۔ اسلحہ کی قوت کا تناسب بھی یہی ہو۔

**قومی رویّہ** قوم کے اجتماعی مزاج رویّے اور خصائل کا بھی جنگ سے گہرا تعلق ہے۔ "گیوبرٹ" (Guibert) جسے نپولین ایسا فاتحِ اعظم "استاد" مانتا تھا اور فنونِ جنگ پر جس کی کتاب کو وہ میدانِ جنگ میں بھی اپنے ساتھ رکھتا تھا، کہتا ہے :۔

"ہر ملک کو اپنے لوگوں کے عادات و خصائل اور طور طریقوں کے مطابق جنگ لڑنی چاہیئے اور اُسی کے مطابق تدابیر (Tactics) اختیار کرنی چاہئیں اگر بعض لوگ حملے کے لئے خاص رغبت یا جذبہ رکھتے ہیں اور "دفاع" میں افسردہ یا مدھم پڑجاتے ہیں تو اُن لوگوں کے لئے "حملہ" ہی بہترین طریقِ جنگ ہے۔"

(یہ بات آج بھی درست ہے۔ میری ذاتی رائے میں من حیث القوم ہماری قوم کا مزاج "حملے" کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ لیکن اس جہت میں اپنے قومی کردار کو خوب اچھی طرح سے جاننے اور پرکھنے کے لئے ہمیں اپنے آپ کو تاریخ کی روشنی میں دیکھنا ہوگا (مرتب)

**عسکری تنظیم** دنیا میں وہی قومیں عزت اور آبرو کے ساتھ زندہ رہ سکتی ہیں جو حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ بدلتی اور چلتی ... ہیں۔ فوج میں یہ خصوصیت صلاحیت سب سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ جو فوج "وقت" سے پیچھے رہ جاتی ہے وہ ضرورت کے وقت اپنے ملک کے لئے سخت خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا عسکری تنظیم کے لئے یہ بیحد ضروری ہے کہ اس کے لیڈر وقتاً فوقتاً اس بات کا گہری نظر سے جائزہ لیتے رہیں کہ آیا ان کی فوج وقت کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے یا نہیں۔ اس مقصد کے لئے دوسری ہم عصر اقوام کی رفتار ترقّی پر برابر نظر رکھنی ہوگی۔

**چند اُصول** کارڈویل (Cardwell) جو برطانیہ کی عسکری روایات کا مشہور ترین شیرازہ بند گذرا ہے۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے

۱۸۶۸ء میں لکھتا ہے :-

"زمانۂ امن میں کسی ملک کی فوج کی حالت یہ ہونی چاہیئے :-

۱- جنگ چھڑ جائے تو وہ فوراً لڑ سکنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

۲- مختصر مگر مستعد و کارفرما ہو۔

۳- اتنی اعلیٰ پایہ کی ہو کہ اس کی بنیاد پر جنگی ضرورت کے لئے ایک وسیع ہنگامی فوج مرتب کی جا سکے۔

۴- سامان نہ اتنا کم ہو کہ لڑنا مشکل ہو اور نہ اتنا زیادہ کہ سڑنا شروع ہو جائے۔

عملی تربیت کے سلسلے میں اس جنگ میں ذیل کے تجربات زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوئے ہیں :-

۱- ایک ڈویژن زیادہ سے زیادہ نو بٹالین پر مشتمل ہو۔

۲- انفنٹری ڈویژن - سب کے سب "موٹر بردار" ہوں۔

۳- انفنٹری بٹالین میں سپاہیوں کی تعداد کم کی جائے اعداد ان کے بجائے آتشیں اسلحہ بالخصوص توپ خانہ کی قوت کو بڑھایا جائے۔

۴- بھاری مشین گن اب قطعاً فضول ہو کر رہ گئی ہے۔

**عہدوں میں ترقی** فوج میں ترقی اور بالخصوص اعلےٰ منصب یا کمان پر افسروں کی ترقی و تقرری کا مسئلہ فوج کے عام نظم و نسق۔ مستعدی، کاربرداری اور حوصلے (مورال) سے بہت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس معاملہ میں جو فوج انصاف۔ ایمانداری اور قابلیت کے معیار پر سختی سے کاربند نہیں رہے گی۔ اس کی بنیادیں یقیناً کھوکھلی ہو جائیں گی۔

اعلیٰ کمان کے لئے مناسب عمر کے تعین کے بارے میں مختلف قوموں کا معیار و طرزِ عمل مختلف رہا ہے۔ مثلاً جرمنی میں اس جنگ سے قبل تک سپہ سالاری کے لئے پچاس برس کی عمر بھی کم سمجھی جاتی تھی۔ خود برطانیہ کی عسکری روایات میں بھی سپہ سالاری کے سن و سال کی بزرگی کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ ویول ایسے غیر معمولی

صلاحیت کے سپاہی کو ۴۵ برس کی عمر میں جاکر کہیں برطانیہ کی جنوبی کمان تفویض کی گئی تھی۔

بہرحال یہ کوئی لگا بندھا اصول نہیں کہ سپہ سالار اس کو بنایا جائے جس کے سر کے بال اور مونچھیں برف کی طرح سفید ہو چکی ہوں یا جس کے چہرے کے نیچے ایک کے بجائے دو ٹھوڑیاں جھول رہی ہوں۔ یہ معیار وقت اور حالات کے مطابق ہی قائم کیا جا سکتا ہے امریکی خانہ جنگی میں "کور کمانڈروں" کی اوسط عمر تیس برس سے زیادہ نہ تھی۔ پاکستان اور انڈونیشیا کے نئے آزاد ملکوں کی قومی فوجوں کو اپنے سپہ سالاروں کے سر اور مونچھوں کی سفیدی کا انتظار کرنا ناممکن تھا۔ اور اب تو خیر جنگ اس قدر تیز ہو چکی ہے کہ بوڑھے جرنیلوں کے لئے اس کی ذمہ داری کا بوجھ سنبھالنا ہی مشکل ہے۔ خود ویول نے اس سلسلے میں جو دو ٹوک فیصلہ دیا ہے وہ یہ ہے کہ جدید جنگ میں ایک "اچھا جوان سال سپہ سالار"— ایک —" اچھے بوڑھے سپہ سالار" کی نسبت بہتر ثابت ہو گا۔

مشہور برطانوی مبصر جنگ کیپٹن لڈل ہارٹ اپنی کتاب "برطانیہ کا دفاع" — (The Defence of Britain) میں اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے:—

"کچھ ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ چالیس سال کی عمر تک افسر کو بٹالین کی کمان مل جائے۔ ۴۴ برس تک وہ پورا کرنل بن جائے۔ ۴۸ تک میجر جنرل اور پھر جرنیل۔ ۶۷ برس کی عمر سے اوپر کوئی سپہ سالار فوج میں نہیں رہنا چاہیئے۔"

ستر ستر برس عمر کے سپہ سالار رکھنے میں ان کے نزدیک قباحت یہ ہے کہ دوسری صف کے پختہ کار افسروں کو لمبا اوقات جائز ترقی کرنے یا اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ حالانکہ اکثر صورتوں میں پیشرو اور جانشین میں محض ایک "سال" ہی کا فرق ہوتا ہے۔ کیپٹن لڈل ہارٹ کی رائے میں سینیئر افسروں کو اندھا دھند توسیع پر توسیع دیتے چلے جانے کا اثر ماتحت افسروں کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ فیلڈ مارشل ہیگ نے پہلی جنگ عظیم کے تجربات کی روشنی میں کمانداروں کی عمر

کے متعلق یہ فتویٰ دیا تھا کہ ۳۵ برس سے اُوپر کے سپاہی کو بٹالین کی کمان دی ہی نہ جائے۔ اس معیار کے مطابق ۔ برگیڈ ۔ ڈویژن ۔ کور اور آرمی ۔ کمانداروں کی عمر کو بھی اسی حساب سے نیچے لانا پڑے گا۔

**قیادت** عسکری قیادت یا لیڈرشپ ایک بڑا وسیع موضوع ہے جس کے مختلف گوشوں پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اُسے پوری طرح سمیٹنے کے لئے بھی ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔

فیلڈ مارشل منٹگمری اس جنگ کے کامیاب ترین جرنیل یا لیڈر مانے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک فوجی لیڈر میں ذیل کی خصوصیات کا ہونا ضروری ہے :-

۱۔ اپنے مواد ( Stuff ) سے خوب واقف ہو۔

۲۔ اس کے سپاہی اسے جانتے ہوں۔ شہرت سے بھی اور صورت سے بھی۔

۳۔ سپاہی کو اتنا ہی کام دے جتنا کہ وہ کر سکتا ہو۔

۴۔ ماتحت کمان داروں کو ایک فریضہ سپرد کر دینے کے بعد انہیں ناجائز طور پر پریشان نہ کرے۔

۵۔ انسانی فطرت پر گہری نظر رکھتا ہو۔

۶۔ غیر ضروری تفصیلات سے بالا تر رہے۔

۷۔ موزوں ماتحتوں کے انتخاب کی اہلیت رکھتا ہو۔ اور ان پر بھروسہ کرے۔

۸۔ صاف اور غیر مبہم فیصلے کر سکتا ہو۔

۹۔ اس کی شخصیت اعتماد انگیز ہو۔

۱۰۔ تنگ دل نہ ہو۔

عسکری لیڈر کے انتخاب میں کیپٹن لڈل ہارٹ نے ذیل کی دو بنیادی باتوں پر خاص زور دیا ہے :-

۱۔ فنونِ جنگ میں مہارت رکھتا ہو۔

۲۔ نئے تجربات میں سے گزرنے اور اپنے آپ کو اُن میں ڈھالنے کی صلاحیت

رکھتا ہو۔

**فوج کیسے بنائی جائے؟** جنگ کی ضرورت کے لئے زمانۂ امن میں فوج کی ترتیب و تنظیم کے سلسلہ میں جرمن جنرل مانٹی فل (Manteuffel) نے جو ۱۹۵۲ء میں اتحادیوں کی قید سے رہا ہوئے ہیں اور دوسری جنگ عظیم کے نامور جرمن سپہ سالاروں میں سے ہیں۔ مندرجہ ذیل طریق کار تجویز کیا ہے۔

فوج دراصل دو حصوں پر مشتمل ہونی چاہیئے۔ بعض ڈویژنوں کو چن کر الگ کر لیا جائے۔ اس حصے میں بہترین جوان رکھے جائیں۔ بہترین ہتھیار دئے جائیں۔ بہترین تربیت دی جائے اور ان پر بے دریغ روپیہ صرف کیا جائے۔ جنگ کی صورت میں فوج کا یہ حصہ ایک وسیع فوج کی بنیاد بن جائے گا۔ ایک مضبوط اور قابلِ اعتماد بنیاد۔ دوسرے حصے پر بے شک اتنی زیادہ توجہ نہ دی جائے۔

**اسکیم بدلنی پڑی** فرانس پر جرمن حملے کا اصل منصوبہ اس منصوبے سے بہت مختلف تھا جس کے تحت فرانس پر حملہ ہوا۔ ہٹلر کو یہ منصوبہ دراصل عین وقت پر بدلنا پڑا۔ قصہ یہ ہوا کہ حملے سے چند روز قبل ایک جرمن میجر حملے کی سکیم کی ایک نقل لے کر ہوائی جہاز سے "بون" (Bonn) آرہا تھا کہ موسم کی خرابی کی وجہ سے اس کا ہوائی جہاز بلجیم میں جا اُترا۔ ہٹلر کے فوجی مشیروں نے اس پر جنگ کی پوری سکیم ہی بدل ڈالی اور چند دنوں میں نئی سکیم پر جس طرح عمل درآمد ہوا۔ اس پر تمام دُنیا دنگ رہ گئی۔

**فوج اور سیاست** سپاہی کو ملکی سیاسیات میں حصہ لینا چاہیئے یا نہیں؟ یہ ایک بڑا اہم مبحث ہے۔ اکثر جلیل القدر فوجی لیڈر اس بات کے حامی ہیں کہ سپاہی کو ملکی سیاسیات سے الگ تھلگ رہنا چاہیئے۔ فیلڈ مارشل منٹگمری نے اپنی کتاب "فتح سے آگے" (Forward from Victory) میں اس مسئلہ پر یوں رائے ظاہر کی ہے:-

"...... سپاہی ـ سیاست دان کے تابع ہوتا ہے۔ لہذا سیاسی اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا مگر جب یہ دباؤ اُس کے واضح مقصد سے متصادم ہو جائے تو وہ پوری قوت سے اس کا مقابلہ کرے۔ اگر سپاہی سیاست دان سے صاف صاف کہدے کہ دیکھو جس طرح تم مجھ سے جنگ لڑوانا چاہتے ہو میں جنگ ہار جاؤں گا۔ تو بہت کم سیاستدان ہونگے جو پھر بھی سپاہی کو مجبور کریں گے۔

فوجی لیڈر سیاسی لیڈر بننے کی کوشش کرتے رہے ہیں مگر سپاہی کی تمام تربیت۔ اس کا سارا تجربہ سیاسی لیڈرشپ کے لئے ناموزون ہے ـــ کرامویل ( Cromwell ) ایسا عظیم فوجی لیڈر جب سیاست میں جا الجھا تو ناکام ہوا۔ نپولین کا حشر بھی کچھ مختلف نہیں۔ جب تک خالص فوجی نصب العین مقدم رہا نپولین کامیاب و فائز المرام رہا۔ جونہی سیاسی خواہشات و تاثرات کے تحت اس نے سارے یورپ کو زیر و زبر کرنا چاہا، ایسے ایسے اقدامات کر گزرا جو اس کی بساط ہی سے باہر تھے۔

دراصل سیاست دان اور سپاہی کی خصوصیات ہی ایک دوسرے سے مختلف بلکہ متضاد ہیں۔ پوری تاریخ میں صرف چند ہی لوگ گزرے ہیں جن میں یہ دونوں خصوصیات بیک وقت جمع ہو سکی ہیں۔

## مورال یا حوصلہ

فیلڈ مارشل منٹگمری کی رائے میں جنگ میں کامیابی کا سب سے بڑا واحد عنصر فوج کا "مورال" یا حوصلہ ہے۔ یہ حوصلہ ڈسپلن۔ خود اعتمادی ـــ اور اپنے لیڈر کی ذات میں اعتماد سے پیدا ہوتا ہے اگر فوج دل چھوڑ چکی ہو تو کوئی کمانڈر دیر تک جنگ کی صفِ اوّل میں قائم نہیں رہ سکتا۔ فوج کا حوصلہ بلند رکھنے کے لئے اگرچہ فیلڈ مارشل موصوف کوئی بندھے ٹکے اصول وضع نہیں کر سکے تاہم ان کے نزدیک اگر فوجی کمانڈر مندرجہ ذیل نکات کو خاص طور پر سامنے رکھیں تو خاطر خواہ نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے:۔

(۱) لیڈرشپ (۲) ڈسپلن (۳) بھائی چارہ (۴) خود اعتمادی (۵)

نصب العین (۶) رجمنٹل روایات (۷) ذاتی اطمینان (۸) خوش انتظامی۔

**اسلحہ سازی** دوسری جنگ عظیم میں مختلف ملکوں کی ٹینک اور طیارہ سازی کی سالانہ رفتار، صلاحیت کار کا اندازہ ذیل کے نقشے سے ظاہر ہے:—

| ملک | طیارے | ٹینک |
|---|---|---|
| امریکہ | ۹۶۳۷۰ | ۲۹۵۰۰ |
| برطانیہ | ۳۳۳۹۸ | ۲۲۸۱۹ |
| روس | ۳۰۰۰۰ | ۳۰۰۰۰ |
| جرمنی | ۳۹۸۰۷ | ۱۹۰۰۲ |

**عددی قوت** ۱۹۴۳ء میں روس کے پاس (۳۰۹) ڈویژن فوج تھی اور تین کروڑ روسی مرد اور تین لاکھ عورتیں مساعی جنگ کی خدمت میں مصروف تھیں۔

امریکہ ایک کروڑ دس لاکھ آدمی میدان میں اُتار سکا۔ امریکہ کی باقاعدہ فوج ۹۷ ڈویژنوں پر مشتمل تھی۔ برٹش کامن ویلتھ کل ۶۸ ڈویژن صف آرا کر سکی۔

(کرنل نکساچی)

**نئے ہتھیار** یورپ میں اپنی مدافعت کے آخری دور میں جرمنوں نے جو بعض نئے ہلاکت آفریں ہتھیار استعمال کئے تھے۔ ان میں سے "اُڑن بم" سب سے خطرناک اور مؤثر ثابت ہوا۔

"ایٹم بم" کی ایجاد پر بھی جرمنی میں کام ہو رہا تھا مگر اس دوڑ میں امریکہ بازی لے گیا۔

**پہلا تجربہ** اس جنگ میں ہندوستانی سپاہیوں کو دشمن طیاروں کی بمباری کا پہلا تجربہ جولائی ۱۹۴۰ء میں برطانوی سومالی لینڈ میں ہوا۔ ہندوستانیوں کے لئے یہ بالکل نیا تجربہ تھا۔ چنانچہ شروع شروع میں وہ بڑے ہراساں ہوئے لیکن رفتہ

رفتہ انہیں پتہ چل گیا کہ طیاروں کی محض گھن گرج سے آدمی مر نہیں جاتا اور بموں سے خندقوں اور پناہ گاہوں میں امان مل سکتی ہے۔

بعد میں تو یہ عالم ہو گیا تھا جیسے کہ "ہر چند کہ ہے مگر نہیں ہے"

## لندن کی تباہی

لندن شہر میں جرمن ہوابازوں نے ۵۷۶۸۵۰۱ امکان تباہ و برباد کئے تھے۔

## یورپ پر حملہ

یورپ پر اتحادی حملے کا نام "اوورلارڈ" (Overlord) تھا۔ اس کا بنیادی منصوبہ لفٹیننٹ جنرل سر ایف۔ ای مورگن نے تیار کیا تھا۔ مگر بعد میں جو منصوبہ سپہ سالارِ اعلیٰ جنرل آئزن ہاور نے منظور کیا۔ اس میں جنرل منٹگمری کے ترمیمات کا عنصر غالب تھا۔

حملے کے ابتدائی دور میں منٹگمری تمام اتحادی بری فوج کے سپہ سالار تھے۔ بعد میں امریکی آرمی گروپ کمان کی کمان سے نکال لیا گیا جس کے کمانڈر جنرل عمر بریڈلے تھے۔

لفٹیننٹ جنرل بیڈل سمتھ — آئزن ہاور کے چیف آف سٹاف تھے۔

## جنگی بجٹ

۱۹۴۱ء میں برطانیہ کا جنگی بجٹ چار ارب پونڈ تھا۔ اس میں سے نصف سے زائد رقم نئے ٹیکس لگا کر مہیا کی گئی تھی۔ برطانوی لوگوں نے یہ ٹیکس بڑی خندہ پیشانی سے قبول کئے — ٹیکسوں کے علاوہ لوگوں نے از خود پچاس کروڑ پونڈ جنگی تمسکات میں دئے۔

## جنرل ہیتھ

مشہور چوتھے انڈین ڈویژن کے پہلے کماندار کی حیثیت سے جنرل ہیتھ کا نام ایک خاص جذباتی اہمیت رکھتا ہے۔ جنرل ہیتھ پہلی جنگ عظیم میں بھی شامل تھے۔ شط العمارہ کی لڑائی میں سخت زخمی ہوئے۔ جنگ کے بعد سٹاف کالج کے لئے منظور ہوئے مگر ترقیِ منصب کے اس زینے کو انہوں نے خود ٹھکرایا اور سٹاف کالج میں جانے کے بجائے "سیستان لیوی" میں چلے گئے۔ کچھ مدت تک فلسطین میں رہے۔ پھر انڈین آرمی اسکول آف ایجوکیشن

کے کمانڈار مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۹ء میں اا/ا سکھ رجمنٹ کی کمان ملی اور تین برس تک شمال مغربی سرحدی صوبہ میں خدمت انجام دیتے رہے یہاں سے پورے کرنل ہو کر آپ "سینیئر آفیسرز سکول" میں استاد ہو کر چلے گئے۔ ۱۹۳۹ء میں آپ دانا بریگیڈ کی کمان کر رہے تھے اور یہیں سے چوتھے انڈین ڈویژن کی کمان کے لئے مصر پہنچے۔

بعد میں ملایا میں "کور کمانڈر" مقرر ہوئے اور آخر کار اپنے سپہ سالار اعلیٰ جنرل پرسیول سمیت قید ہو گئے۔ جنرل ہیتھ ایک مضبوط شخصیت تھے۔ ملایا میں لڑنے والے آسٹریلوی سپاہیوں کے کمانڈر جنرل گارڈن بینٹ نے ان کی نسبت بیان کیا ہے کہ ہیتھ کی شخصیت اپنے سپہ سالار اعلیٰ پرسیول کی شخصیت پر غالب تھی۔

جنرل ہیتھ سی۔ بی، سی۔ آئی۔ ای، ڈی۔ ایس۔ او اور ایم۔ سی کے خطابات و امتیازات رکھتے تھے۔

**کامیاب ترین ہتھیار**: اس جنگ کا کامیاب ترین اور فیصلہ کن ہتھیار ٹینک ہے۔ جرمن سپہ سالاروں میں سے رومیل۔ گوڈرین مانٹی فل اور وان تھاما۔ اور۔۔۔ اتحادی سپہ سالاروں میں سے منٹگمری اور (امریکی) پیٹان نے اسے بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا۔

ٹینک پہلی جنگِ عظیم میں ایجاد ہو گیا تھا۔ اس ایجاد کی ضرورت مشین گن کی بوچھاڑ سے بچاؤ کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ ایجاد کا سہرا برطانیہ کے میجر جنرل سر ارنسٹ سونٹن (Ernest Swinton) کے سر ہے۔ اس مدت میں ٹینک نے کئی نام بدلے۔ شروع شروع میں اسے "خشکی کا جہاز" "Land Ship" کہتے تھے۔ "پھڑیاں" (Moth) اور آخر کار "ٹینک"۔ یہ بات دلچسپی سے سُنی جائے گی کہ برطانیہ میں سب سے پہلے ٹینک برطانوی نیوی (بحریہ) کی طرف سے بنوائے گئے تھے۔ اس زمانہ میں مسٹر چرچل برطانیہ کے وزیر بحریہ تھے۔

**جرمن اختلافات**

جرمن سپہ سالاروں اور ہٹلر کے درمیان تو جنگ کے رنگ ڈھنگ پر اختلافات تھے ہی جرمن بری اور فضائی فوج کے تعلقات بھی چنداں خوشگوار نہ تھے۔ اس سلسلہ میں جنرل ھالڈر نے اپنی کتاب "ہٹلر۔ جنگی لیڈر" ( Hitler as War Lord ) میں ذیل کا جو واقعہ نقل کیا ہے بڑا معنی خیز ہے:۔

"...... ۱۹۴۲ء میں ہٹلر نے فضائیہ کے زمینی عملہ میں ایک لاکھ جوانوں کو فوج میں تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ اس پر جرمن فضائیہ کے کمانڈر انچیف مارشل گوئرنگ نے ہٹلر سے کہا کہ اگر تم مجھے حکم دیتے ہو تو میں ہر کہ تو دوں گا لیکن ذاتی طور پر میرے لئے یہ تصور ناقابل برداشت ہے کہ میں اپنے قوم پرست سوشلسٹ لڑکوں کو ان جرنیلوں کے سپرد کر دوں جو انہیں پھر "گرجا" میں جھونک دینگے۔"

## محاذِ جنگ کا ایک گیت

ذیل میں مشہور شاعر ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کی ایک نظم کا ترجمہ درج ہے۔ اٹلی کے محاذ پر یہ نظم انگریز سپاہیوں میں بیحد مقبول تھی اور مورچوں میں اکثر گائی جاتی تھی۔

آدمی کی منزل اس کا اپنا گاؤں ہے
اپنی آگ اور بیوی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا
غروبِ آفتاب کے وقت وہ اپنے دروازے کی دہلیز پر بیٹھا
اپنے بچوں اور ہمسائے کے بچوں کو دیکھا کرے
مٹی میں باہم کھیلتے ہوئے

اس کے پاس کہانیوں کا ایک ذخیرہ ہے
جنہیں وہ دوہراتا ہے

گرم و سرد لمحات میں
ان گمنام لوگوں کی کہانیاں جو اجنبی سرزمینوں میں لڑتے رہے
ایک دوسرے سے ناواقف — اجنبی!

یہ نہ تمہاری سرزمین تھی نہ ہماری
بلکہ ایک گاؤں تھا
کہانیوں سے لبریز
یہاں سے جانے والوں کو بھی اپنے ساتھ کہانیاں لے جانے دو۔
مشترک مقصد کے لئے مشترک معرکوں کی کہانیاں
جن معرکوں کے نتائج کی اہمیت
اگر ہمیں مرنے سے پہلے معلوم نہ ہو سکے
تب بھی یہ اہمیت کم نہیں ہو سکتی

**پہلی فوج**

برطانیہ کی سب سے پہلی فوج جو دس ڈویژن پر مشتمل تھی اور فرانس کے ساحل پر اُتاری گئی تھی اسکے کمانڈر انچیف جنرل لارڈ گورٹ تھے جو بعد میں مالٹا کے گورنر ہوئے۔ جنرل سر جان ڈل اور جنرل سر ایلن بروک جو بعد میں علی الترتیب برطانیہ کے چیف آف امپیریل جنرل سٹاف مقرر ہوئے اس فوج کے کور کمانڈر تھے الیگزینڈر اور منٹگمری جو بعد میں فیلڈ مارشل کے منصب تک پہنچے اور اس جنگ میں برطانیہ کے نامور ترین جرنیل ثابت ہوئے اُس وقت میجر جنرل تھے اور ایلن بروک کے ماتحت ڈویژن کمان کر رہے تھے۔

اس فوج میں سابق برٹش انڈین آرمی کے بعض اجزا بھی شامل تھے۔ پاکستانی فوج کے میجر جنرل محمد اکبر خاں، جو اب وظیفہ یاب ہو چکے ہیں، اُس وقت میجر تھے اور اس فوج میں شامل تھے۔

یہ وہی فوج ہے جسے فرانس کی شکست پر برٹش نیوی کو ڈنکرک کے مقام سے گویا موت کے مُنہ سے نکال کر برطانیہ کے ساحل پر لانا پڑا تھا۔

**جاوا میں**

۱۹۴۵ میں جب جاوا کے باشندوں نے ڈچوں کے خلاف جنگِ آزادی شروع کی تو جاوی فوجوں کے کمانڈر انچیف جنرل سودرمان تھے اور ڈچ فوجوں کے سپہ سالار کا نام جنرل سپور تھا۔

**ورنہ میں آیا......**

صحرا میں بڑے زور کی لڑائی جاری تھی۔ رومیل کی فوج سرنیکا کو دو حصوں میں کاٹنے کی دھن میں تین سو میل چوڑے لق و دق صحرا کے سینے میں سے گزر رہی تھی کہ ایک تند طوفانِ باد نے آلیا۔ طوفان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ سانس لینا دشوار تھا۔ گاڑیاں راستہ کھو گئیں۔ اس افراتفری کے بعد جب مطلع صاف ہوا تو جرمنوں نے دیکھا کہ ان کے اوپر اوپر ایک طیارہ پرواز کر رہا ہے یہ رومیل کا طیارہ تھا۔

رومیل جہاں کسی دستے کو ٹھہرا ہوا پاتا فوراً اوپر سے ایک رقعہ پھینکتا جس پر یہ حروف لکھے ہوتے "اگر تم فوراً ہی آگے نہیں بڑھو گے تو میں ابھی نیچے آتا ہوں۔ رومیل"

**ہر کہ آمد......**

فرانس کے نامور مارشل فوش نے ایک زمانہ میں فرانس کی ہر فوجی کتاب میں یہ جملہ لکھوا دیا تھا۔

"جنگ کا فیصلہ صرف حملہ کرنے سے ہوتا ہے"

فوش کے بعد جب مارشل پیٹاں برسرِ اقتدار ہوتے تو انہوں نے اس جملہ کو کتابوں میں سے نکلوا کر مندرجہ ذیل فقرہ لکھوا دیا۔

"دفاع ہی سب سے بڑی قوت ہے"

**پولینڈ پر حملہ**

پولینڈ پر جرمن حملے کو جنگ کے بہترین منصوبوں میں سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت جرمن کمانڈر انچیف فیلڈ مارشل براؤشش تھا۔ حملہ آور فوج دو مختلف گروپوں میں تقسیم تھی۔ سپہ سالار رن سٹیڈ اور وان بک تھے۔ ذیلی کمانڈروں میں رچینو۔ وان کلسٹ اور گوڈرین ممتاز جرنیل تھے۔

**ویول۔ گریزپائی**

جون ۱۹۴۰ء میں جب اٹلی نے اعلانِ جنگ کیا تو پورے مشرقِ وسطیٰ میں جنرلِ ویول کی کمان میں صرف ...۸۵ برطانوی سپاہی

تھے دوسری طرف ان کے حریف اطالوی مارشل گریزیانی کے ماتحت تین لاکھ فوج تھی ویول کے ذیلی کمان دار جنرل پلاٹ ( Platt ) اوکانر O'Coner تھے۔ جنرل اوکانر طبروق میں قید ہوئے۔

**روس پر جرمن حملہ** جرمن نے روس پر ایک بیان کے مطابق ۱۲۰ ڈویژن اور ایک دوسرے بیان کے مطابق ۱۰۰ ڈویژن فوج کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ جرمن فوج فیلڈ مارشل رن سٹیڈ، فیلڈ مارشل وان بک اور فیلڈ مارشل وان لیب کی سرکردگی میں تین گروپوں میں تقسیم تین مختلف سمتوں کی طرف بڑھ رہی تھی اوّلین مراحل میں وان بک کو سب سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ وہ نو دن میں ۱۸۰ میل آگے بڑھ گیا جو تاریخِ جنگ میں ایک بیحد غیر معمولی واقعہ ہے۔

روس کے پاس ۱۵۸ ڈویژن فوج اور چھ ہزار طیارے تھے۔ کامیاب ترین روسی سپہ سالار مارشل زوکوف تھا۔ ماسکو خطرہ میں پڑا تو سٹالن نے زوکوف ہی کو طلب کیا تھا۔

**رومیل برطانوی گاڑی میں** افریقہ کے محاذ میں ایک رات رومیل نے اپنے ایک کمانڈر جنرل کریول کو اپنے ہیڈ کوارٹر میں طلب کیا۔ کریول صحرا میں ہیڈکوارٹر کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ اچانک سامنے سے ایک برطانوی گاڑی نمودار ہوئی۔ کریول نے اس گاڑی کو فوراً محاصرے میں لے لیا مگر اب جو دیکھتا ہے تو اس میں انگریز سپاہیوں کے بجائے خود رومیل بیٹھا تھا۔ ڈاڑھی بڑھی ہوئی اور ریگ آلود۔

**ہٹلر کا جواب** العالمین سے منٹگمری کی شہرہ آفاق یلغار شروع تھی۔ رومیل نے ہٹلر کو مزید فوری کمک کے واسطے لکھا۔ ہٹلر نے ذیل کا جواب دیا۔

"ان حالات میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہر رائفل اور ہر آدمی کو جنگ میں جھونک دیا جائے۔ آپ کا دشمن بھی اپنی برتری کے باوجود اپنے وسائل کی آخری حد کو پہنچ چکا ہوگا۔ تاریخ میں یہ پہلا واقعہ نہ ہوگا کہ محکم قوّت ارادی نے نو دمیں بڑی فوج پر فتح حاصل کر لی۔ آپ اپنے سپاہیوں کو

موت یا فتح کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں دکھا سکتے۔

رومیل نے اس حکم پر عمل تو کر دیا مگر بعد میں اپنی یادداشتوں میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ سپہ سالار کو سیاستدانوں کے ایسے ناممکن العمل احکام کو میدانِ جنگ میں نظر انداز کر دینا چاہیئے۔

**دیکھ بھال**

ایک بجے رات کا عمل تھا۔ ونگیٹ مہم کے سپاہی برما کے جنگلی مورچوں میں سوئے پڑے تھے کہ کسی خچر کے ہنہنانے کی آواز بلند ہوئی۔ یہ آواز سن کر مہم کا کمانڈر بریگیڈیر ونگیٹ متعلقہ کمپنی کمانڈر میجر اینڈرسن کے مورچہ میں پہنچا اور پوچھا۔

ونگیٹ۔ یہ خچر کیوں ہنہنا رہا ہے؟

اینڈرسن۔ معلوم نہیں جناب!

ونگیٹ۔ نہیں معلوم تو جاؤ۔ معلوم کرو!

(ماورا دچند دن)

**قید کو ترجیح**

رومیل کے چیف آف اسٹاف جنرل ویسٹ پال کے بیان کے مطابق رومیل نے اس بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ اگر سپاہی کے لئے بے مقصد موت مرنے یا دشمن کی قید میں چلے جانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو اسے قید کو ترجیح دینی چاہیئے۔ رومیل اس سلسلے میں کئی مرتبہ ہٹلر کے احکام کو بھی نظر انداز کر جاتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا۔ "جرمنی کو جنگ کے بعد بھی آدمیوں کی ضرورت ہو گی"۔

(مغرب میں جرمن فوج)

**پانی نہ پیا شراب پی لی**

سسلی کی مہم کے بیان میں امریکی جرنیل پٹن (Pattan) نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ گیلا کے مقام پر پانی کی قلت اور بعض دوسری مشکلات کے باعث "ہم لوگ دو روز پانی کے بجائے شمپین ہی پیتے رہے اور جب اپنا ذخیرہ ختم ہو گیا تو ایک مقامی مے فروش کو جو قید تھا جیل خانہ سے نکلوانا پڑا"۔

## فوج کا پادری

جرمنی میں لڑائی ہو رہی تھی۔ مسلسل بارشوں نے امریکی فوج کی پیشقدمی کو روک رکھا تھا۔ امریکی سپہ سالار (جنرل پیٹن) نے اپنی "تیسری فوج" کے پادری کو بلا کر کہا کہ پادری صاحب خدا سے دعا مانگئے کہ موسم اچھا ہو جائے تاکہ حملہ آگے بڑھ سکے۔ اِس موسم میں تو جرمنوں کے علاوہ دلدلوں سے بھی لڑنا پڑتا ہے۔

پادری نے جواب دیا کہ انسانوں کے قتل کے لئے خدا سے "اچھے" موسم کی دعا مانگنا مذہبی نکتہ نگاہ سے کوئی مناسب بات معلوم نہیں ہوتی مگر جنرل پیٹن کب ماننے والا تھا۔ جھلا کر بولا۔ آپ مجھے دینیات کا سبق نہ دیں۔ آپ تیسری فوج کے پادری ہیں۔ میں دعا چاہتا ہوں۔ چنانچہ دعا چھپ کر تقسیم ہوئی جس میں ایک جملہ یہ بھی تھا۔"

"اے خدا ہمیں لڑائی کے لئے اچھا موسم عطا فرما۔"

## جیراڈ سے مذاق

امریکی جرنیل مارک کلارک اٹلی میں پانچویں فوج کی کمان پر فائز تھے کہ ایک مرتبہ فرانسیسی جنرل جیراڈ محاذ کا معائنہ کرنے کو وہاں پہنچے۔ معائنے کے بعد جنرل جیراڈ نے مارک کلارک پر اعتراض کیا کہ آپ اپنے ہیڈ کوارٹر کو لڑائی کی رزمگاہ سے بہت دور رکھتے ہیں۔ میں پہلی جنگِ عالمگیر میں جب بٹالین کی کمان کرتا تھا تب بھی اور اس جنگ میں جب ایک فوج کی کمان کرتا تھا جب بھی اپنے ہیڈ کوارٹر کو ہمیشہ میدانِ کارزار کے قریب رکھتا تھا۔

جنرل مارک کلارک نے اس پر ازراہ مذاق کہا۔ بجا ارشاد فرمایا — جبھی دونوں مرتبہ دشمن نے آپ کو قید کر لیا۔

## ہم مرنے کے لئے نہیں آئے

اِسی محاذ کا واقعہ ہے دو روسی جرنیل۔ جنرل مارک کلارک کے مہمان تھے۔ محاذ کا معائنہ کرانے کے لئے کلارک نے اپنا ایک افسران کے ساتھ کر دیا جو دن بھر روسی جرنیلوں کو محاذ کے خطرناک ترین علاقوں میں گھماتا پھرا۔ رات کو جب ہیڈ کوارٹر میں روسی جرنیل کھانے کے میز پر بیٹھے تو انہوں نے کہا — ہم اٹلی میں مرنے کے لئے نہیں آئے۔ مرنا ہو تو سویٹ روس میں ہم کسی بھی دن مر سکتے ہیں۔

**بیٹے کی شاباش** روم کی فتح مارک کلارک کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس موقع پر اسے دنیا بھر سے مبارک باد کے پیغامات موصول ہوئے۔ کلارک کا بیٹا ان دنوں امریکہ کی ملٹری اکیڈیمی میں کیڈٹ تھا۔ اس نے اپنے خط میں لکھا:۔

ڈیر ڈیڈی۔ جون کا مہینہ یہاں بڑا خوشگوار ہے۔ اس مرتبہ میں نے امتحان میں بڑے اچھے نمبر لئے ہیں۔ مجھے کیڈٹ سارجنٹ بنا دیا گیا ہے۔ کل رات میں نیویارک کی ایک حسین لڑکی کے ساتھ رقص کرتا رہا۔ وقت خوب گزرا۔ ہاں اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ آپ بھی اچھے جا رہے ہیں۔

**"خراج تحسین"** اٹلی کے ساحل پر حملہ آور فوجیں اُتارنے کی ایک مشق کے بعد امریکی جنرل ٹرسکوٹ نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ اس بدانتظامی کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کارروائی کا اصل مقصد خودکشی کرنا ہے اگر مقصد یہی ہے تو اس سے بہتر انتظام نہیں ہو سکتا۔

**ایک اختلاف** سارنو کے ساحل پر جب اتحادی فوجیں اُتر رہی تھیں تو انگریزوں اور امریکیوں کے درمیان اس سوال پر اختلاف پیدا ہو گیا کہ آیا نرسوں کو بھی ساتھ ہی لے جانا چاہیئے یا نہیں۔ انگریز اس کے خلاف تھے امریکی حامی۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ وہ ہسپتال کے جہازوں کے ساتھ ہی آئینگی۔

**ٹینک یا پٹھان** کیمبل پور کے نواح میں ساتویں انڈین کی ایک پلٹن جنگی مشق کر رہی تھی۔ اس پلٹن میں بعض ایسے نوعمر گورکھا سپاہی بھی شامل تھے جنہوں نے اس سے پہلے ٹینک نہیں دیکھا تھا۔ بٹالین کمانڈر معائنہ پر آیا تو اس نے ایک نوجوان گورکھے کو دیکھا کہ رائفل تانے مورچہ باندھے بیٹھا ہے کرنل نے پوچھا۔

"تمہارا کیا کام ہے"

"ٹینک آئے گا تو میں اسے ماروں گا"

"ٹینک کیسا ہوتا ہے"

"پٹھانوں کی طرح ہوتا ہے"

**ایک جرمن خاندان** جرمنی میں فوجی خدمت کے رواج و روایات کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جنوبی جرمنی کے ایک مشہور شولنبرگ خاندان میں بیک وقت تین فیلڈ مارشل اور ۲۵ جرنیل موجود تھے۔ ۲۰ رجولائی ۱۹۴۴ء کی سازش میں اس خاندان کے دو جرنیلوں کو پھانسی کی سزا ملی۔ چودہ جرنیل میدانِ کارزار میں کھیت رہے اور سات نے خودکشی کر لی۔

**برجستہ جواب** جنگ کے آخری زمانہ میں مغربی محاذ پر فیلڈ مارشل رن سٹیڈ جرمن فوج کی کمان کر رہے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب جرمنی کی حالت سخت نازک ہو چکی تھی۔ ایک پسپائی کے بعد جرمن ہائی کمان کے فیلڈ مارشل کیٹل نے ٹیلی فون پر رن سٹیڈ سے پوچھا:۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے"

"جنگ ختم کر دینی چاہیئے" رن سٹیڈ نے فوراً جواب دیا۔

**امریکی گیت** امریکی سپاہی مدت تک جرمنوں کا مشہور گیت "للی مارلین" ہی گاتے رہے۔ چنانچہ جس وقت امریکی سپاہی یہی گیت گاتے ہوئے فلورنس میں داخل ہوئے تو لوگ حیران تھے کہ یہ امریکی آرہے ہیں یا جرمن۔ بعد میں بڑی چہ میگوئیاں بھی ہوتی رہیں۔ اس پر پانچویں فوج کے شاعر خاص اروِن برمن نے امریکی سپاہیوں کے لئے ایک گیت لکھا جس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

## گیت

ایک مہینہ ہوا امریکہ میں میری اس سے ملاقات ہوئی اس نے مجھ سے کہا فلاں گرینڈ I افسر کو میرا سلام محبت پہنچا دینا وہ جب لوٹ کر وطن آئے گا تو میں اس کی دولہن بنوں گا۔

میں نے پوچھا وہ کہاں ہے۔

وہ بولی -

وہ نہ پہلی میں ہے نہ دوسری میں -
تیسری میں ہے نہ چوتھی میں
وہ پانچویں فوج میں ہے - میری رُوح اور میرا دل - وہ کسی اجنبی ساحل پر مگن ہے - لباسِ غسل پہنے ہوئے سورج کی سنہری کرنوں میں غسل کر رہا ہے - اور کسی اطالوی حسینہ سے اطالوی زبان سیکھ رہا ہے -

**ایثار**

امریکہ کے سب سے بڑے سپاہی جنرل مارشل کے دو بیٹے امریکی فوج میں شامل تھے - ان میں سے ایک لفٹیننٹ ایلن اٹلی میں ہلاک ہوا -

**طوائف کا خط**

جنرل مارک کلارک نے اپنی یادداشتوں میں ایک خط نقل کیا ہے جو ٹیونس کی ایک نائیکہ نے جنرل کلارک کو لکھا تھا - اس عورت نے ٹیونس میں نوجوان لڑکیوں کا ایک قحبہ خانہ قائم کر رکھا تھا -

پیارے جنرل - آپ بڑے ممتاز اور باوقار جرنیل ہیں - میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ فوجوں کے ساتھ ساتھ چلنے والے قحبہ خانوں کا ٹھیکہ مجھے عطا کیا جائے - میرا چال چلن ہمیشہ نہایت اعلیٰ رہا ہے - میں کبھی قید نہیں ہوئی اور افسروں سے میرا سلوک سچائی اور صفائی کا رہا ہے -

**بینڈ والے بھی لڑے**

اٹلی میں سلرنو کی لڑائیوں میں کچھ ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ ایک ٹیکری کی حفاظت کرتے ہوئے فوجی بینڈ باجہ کے عملہ کو بھی لڑنا پڑا - ان لوگوں نے بین باجے اور ڈھول نقارے چھوڑ کر ہتھیار سنبھال لئے اور خوب دادِ شجاعت دی -

**آخری جنگ**

جنرل پیٹن امریکی سپہ سالاروں میں اپنی جارحانہ سپرٹ اور دلیرانہ اقدامات کے باعث بہت ممتاز سپہ سالار مانا جاتا ہے - اپنی موت سے کچھ پہلے ایک خط میں انہوں نے لکھا تھا " اس خط کے ساتھ یہ جنگ ختم ہوتی ہے اور مجھے اندیشہ ہے شاید یہ میری زندگی کی آخری جنگ ہو گی "

**فرانسیسی افسر** فرانس میں فرانسیسی فوج کے چند افسر جب قیدی بنا کر رومیل کے سامنے لائے گئے تو انہوں نے فیلڈ مارشل سے پہلی درخواست یہ کی کہ ہر افسر کو ایک ایک اردلی رکھنے کی اجازت دی جائے اور اس سے بھی پہلے ایک حکم تو یہ دیا جائے کہ جہاز پر ان کا جو سامان پڑا ہے کوئی جا کر ذرا وہ سامان تو اتار لائے۔

**مکان ذرا صاف رکھنا** مارچ ۴۳ء میں رومیل کو ایک مرتبہ ایک ایسی عمارت میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا جس میں کچھ دیر پہلے انگریز رہتے تھے۔ مکان خالی کرتے وقت انگریز فوجی وہاں یہ جملہ لکھ گئے۔

مکان ذرا صاف ستھرا رکھنا۔ ہم واپس آ رہے ہیں۔

**عہدہ نہیں سپاہی** رومیل نے جب طبروق فتح کیا تو ہٹلر نے اسے فیلڈ مارشل بنا دیا۔ مگر رومیل جنگ میں اس قدر منہمک تھا کہ کئی دن تک اسے اپنی وردی کا نشان بدلنے کا خیال ہی نہ آیا۔ اس اثنا میں اٹلی سے فیلڈ مارشل کسل رنگ ملنے آ گیا تو اس نے اپنے فیلڈ مارشل کے نشانات اتار کر رومیل کی وردی پر لگائے۔ اس پر رومیل نے کسل رنگ سے کہا — کاش اس کے بدلے مجھے ایک اور ڈویژن دے دیا جاتا۔

**رومیل مایوسی میں** العالمین سے منٹگمری کی یلغار شروع ہو چکی تھی۔ جرمن افریقہ کور تباہی کے منہ میں کھڑی تھی۔ شکست و مایوسی کے اس عالم میں رومیل اپنی بیوی کے نام ایک خط میں لکھتا ہے :-

"حالات تشویشناک ہیں۔ میں چنداں پُرامید نہیں ہوں۔ میرے کندھے پر جو بوجھ ہے اس کے خیال سے راتوں کی نیند حرام ہو چکی ہے۔ یہ خیال کھائے جاتا ہے کہ اگر حالات ابتر ہو گئے تو کیا ہو گا؟"

پھر ایک دوسرے خط میں لکھا — جن مشکل ترین حالات سے ہم گزر رہے ہیں کوئی دوسرا آدمی اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ مر جانے والے خوش قسمت ہیں کہ ان کے واسطے اب کوئی مشکل باقی نہیں رہی مگر شاید حالات پھر ٹھیک ہو جائیں اور شاید ہم پھر بھی مل سکیں۔

—— آج کا دن فیصلہ کن ہے۔ خدا کرے کہ خوش قسمتی میرا ساتھ دے۔

اس زمانہ میں رومیل کے اے۔ ڈی۔ سی۔ برنڈنٹ نے رومیل کی بیوی کو ایک خط لکھا —————— آپ جانتی ہیں کہ فیلڈ مارشل کی دیکھ بھال کرنا کس قدر مشکل کام ہے۔ وہ اپنے حصے کے راشن کے علاوہ اپنے لئے کوئی چیز قبول ہی نہیں کرتے۔

**برگیڈیر کلفٹن** افریقہ میں الحافہ کی لڑائی میں نیوزی لینڈ کے کچھ سپاہی قید کر لئے گئے تھے ان میں ایک برگیڈیر کلفٹن بھی تھے۔ اتفاق کی بات کہ یہ لوگ اطالویوں کے ہاتھوں قید ہوئے تھے۔ —— برگیڈیر کلفٹن کو جب فیلڈ مارشل رومیل کے سامنے لایا گیا تو برگیڈیر موصوف نے جرمن سپہ سالار سے کہا کہ نیوزی لینڈروں کو اس بات پر سخت ندامت ہے کہ وہ اطالویوں کے ہاتھ قید ہوئے۔ رومیل نے اس پر نیوزی لینڈروں کو جرمن قیدی کیمپ میں بھیج دیا مگر بعد میں اطالوی ہائی کمان کے احتجاج پر جرمن ہائی کمان کو یہ قیدی اطالیہ کے حوالے کرنے پڑے۔ لیکن جس روز اطالوی نگران ان قیدیوں کا چارج لے رہے تھے برگیڈیر کلفٹن اُسی روز فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اس ضمن میں سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ برگیڈیر کلفٹن ساری جنگ میں نو مرتبہ قید ہوئے اور ہر مرتبہ بھاگ نکلتے رہے۔

**غلطیہائے مضامین** ۱۹۴۲ء میں رومیل طبروق سے پسپا ہو رہا تھا۔ حالات نازک تھے۔ پٹرول کا توڑا تھا۔ اس نے ہیڈ کوارٹر (غالباً اٹلی میں) سے ہوائی جہاز کے ذریعہ پٹرول بھیجنے کی درخواست کی اور صاف صاف لکھ بھیجا کہ اُسکو پٹرول اور صرف پٹرول درکار ہے لیکن جب ہوائی جہاز پہنچے تو ان میں پٹرول کے بجائے مزید گیارہ سو سپاہی چلے آ رہے تھے۔

اسی پر بس نہیں۔ سمندری راستے سے جو جہاز اٹلی سے رسد لے کر بن غازی کی بندرگاہ پر پہنچا وہ باقی سارا سامان تو اتار گیا لیکن ایک سو ٹن پٹرول کا ذخیرہ اپنے ساتھ ہی اٹلی واپس لے گیا۔

**چائے کے بدلے میں کرنل** جنوری ۱۹۴۳ء میں ایک انگریز لفٹیننٹ کرنل ڈیوڈ سٹرلنگ بھاگ کر ایک مقامی شخص کے ہاں پناہ گزین ہو گیا۔ بعد میں اس شخص نے چائے کی تھوڑی سی پتی کے بدلے میں کرنل سٹرلنگ کو جرمنوں کے حوالے کر دیا۔ (رومیل کے مراسلات)

**پانچویں فوج** اتحادیوں کی پانچویں فوج افریقہ اور اٹلی میں لڑتی تھی۔ اس کے سپہ سالارِ اعلیٰ امریکی جنرل مارک کلارک تھے۔ یہ فوج اُس بڑی فوج کا ایک حصہ تھی جس کی اعلیٰ کمان فیلڈ مارشل الیگزینڈر کے ہاتھ میں تھی۔

کلارک کی فوج میں اگرچہ غالب اکثریت امریکیوں کی تھی مگر وہ برطانوی "کور ین" بھی اس میں شامل تھیں۔ کچھ مدت تک مشہور چوتھا انڈین ڈویژن بھی اس فوج کے تحت رہا۔ جنرل جوین کی سرکردگی میں آزاد فرانس کی ایک جمعیت بھی اس کے ساتھ تھی نیوزیلینڈ اور پولینڈ کا ایک ایک ڈویژن ان کے علاوہ تھا۔ میجر جنرل گرنتھر اس فوج کا چیف آف سٹاف تھا۔

سلرنو۔ کیسینو اور روم کو اسی فوج نے فتح کیا تھا۔ اٹلی کی جنگ میں اس فوج کے تقریباً بتیس ہزار سپاہی میدان میں کھیت رہے۔

**فوجی اخبار** پانچویں فوج کی طرف سے ایک اپنا اخبار جاری تھا جس کا نام "سٹار اور سٹرائپ" ( Star and Stripes ) تھا۔ یہ اخبار اپنی آزادیِ تحریر کیلئے خاص شہرت رکھتا تھا۔ میدانِ جنگ میں لڑنے والے سپاہیوں کے حقوق و مراعات کا وہ اتنا سرگرم حامی تھا اور اس موضوع پر وہ کچھ ایسے پرجوش مقالے لکھتا رہا کہ ایک مرتبہ چالیس امریکی سپاہی میدانِ جنگ سے اجازت لئے بغیر ہی سیر و تفریح کے لئے نیپلز چلے گئے تھے۔

**سپہ سالار کا وعدہ** جنرل کلارک میدانِ جنگ کے اگلے مورچوں کا معائنہ کر رہے تھے نیپلز سے بہت آگے انہوں نے ایک امریکی سپاہی کو دیکھا جس نے بہت بڑے سائز کے بوٹ پہن رکھے تھے۔ جنرل کے پوچھنے پر اس نے

بتایا کہ اس کے پاؤں کا ناپ بہت چھوٹا ہے۔ پُرانے بوٹ پھٹ جانے پر اس کے ناپ کا بوٹ فوجی اسٹور میں ملتا ہی نہیں۔ جنرل نے وعدہ کیا کہ وہ اس کے ناپ کے بوٹ بھجوا دینگے۔

چند ہی روز کے بعد ایک افسر ناپ کے بوٹ لئے ہوئے سپاہی کو ڈھونڈھتا ہوا اُس مورچے میں آنکلا۔ سپاہی نے بوٹ لے کر چپکے سے پہن لئے۔ اس پر افسر نے تعجب سے کہا کہ تم عجیب آدمی ہو۔ جنرل نے تم پر اتنی مہربانی کی ہے مگر تم نے شکرے کا ایک لفظ تک نہیں کہا۔

سپاہی بولا — شکریہ کیسا؟ جنرل نے وعدہ کیا تھا، پورا کر دیا۔ وعدہ پُورا نہ کرتے تو البتہ تعجّب کی بات ہوتی۔

**وان سنگر** جرمن جرنیل وان سنگر آکسفورڈ یونیورسٹی کا تعلیمیافتہ تھا۔ چنانچہ اٹلی اور یورپ کے اکثر محاذوں پر جہاں جہاں جرمن فوجوں کو ہتھیار رکھنے پڑے، ہتھیار اندازی کی ابتدائی گفتگو کرنے پر عموماً وان سنگر ہی مقرّر ہوتے تھے۔

**رُوسی فوج** ممتاز مبصر جنگ گورلٹنز کے بیان کے مطابق روس میں جرمن فوج کو ۳۶۰ مختلف رُوسی ڈویژنوں کے خلاف لڑنا پڑا۔ ۱۹۴۳ء میں جب روس نے اپنا بھرپور جوابی حملہ شروع کیا تو پانچ "آرمی گروپ" مختلف محاذوں پر پھیلے ہوئے تھے۔

**صاف گوئی کی سزا** کرنل کاونٹ رٹن برگ جرمنی کے ایک بڑے اُونچے خاندان کا رُکن تھا اور اپنی صاف گوئی، وضع داری اور وجاہت کے لئے جرمن فوج میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ جنگ کے آخری مرحلوں میں کرنل رٹن برگ ہٹلر کے خاص سٹاف پر کام کرتے تھے اور کسی کانفرنس میں انہوں نے ہٹلر سے صاف صاف کہدیا کہ جرمنی جنگ ہار چکا ہے۔ ہٹلر نے یہ سچّی بات سُن کر کاونٹ کو گولی سے اُڑا دیا۔

**جرمن قابض فوج** مفتوحہ ملکوں میں جا کر فاتح ملکوں کی قابض فوجیں عموماً اخلاقی لغزشوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ جرمن فوج اگرچہ اس ضمن میں بحیثیت مجموعی ایک بہتر فوج سمجھی جاتی ہے مگر اس کے باوجود ایک نہایت ذمہ دار مبصر (والٹر گورلیٹسر) کے بیان کے مطابق فرانس میں جرمن سپاہیوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ آخری مرحلوں میں جرمنوں کی پسپائی شروع ہوئی تو "شراب اور لڑکیوں کو لادنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔"

**ہٹلر کا تبصرہ** جنگ کے آغاز میں ہٹلر نے ایک تقریر میں کہا تھا ـــــ یہ خیال غلط ہے کہ ہم انگریزوں سے سستے چھوٹ جائیں گے۔ یہ حیات و موت کی کشمکش ہو گی اور غالباً بڑی طویل کشمکش ہو گی۔ اب یہ راستی یا ناراستی کا سوال نہیں آٹھ کروڑ انسانوں کی زندگی یا موت کا سوال ہے۔

**۱۹۱۴ء کے مقابلے میں** دوسری جنگ عظیم چھڑنے پر فرانس کے پاس اُتنی ہی فوج موجود تھی جتنی ۱۹۱۴ء میں تھی۔ البتہ برطانیہ کی بری فوج ۱۹۱۴ء سے کم تھی۔ مگر برطانیہ کی نیوی ۱۹۱۴ء کے مقابلے میں کہیں بڑی اور طاقتور تھی۔ روس نے اس مدت میں اپنی حربی قوت حیرت انگیز حد تک بڑھائی تھی۔

**برٹش روایات** برٹش آرمی میں ۱۸۹۹ء کی بوئر جنگ سے پہلے تک براہ راست افسری کمیشن کا رواج ہی نہ تھا۔ افسر بننے کے لئے نوجوانوں کو رینک میں سے ہو کر اوپر آنا پڑتا تھا۔

بوئر جنگ میں پہلی مرتبہ آکسفورڈ اور کیمبرج کے موزوں تعلیم یافتہ نوجوانوں کو براہ راست افسر لیا گیا۔ مگر رسالے، توپ خانے اور انفنٹری میں آنیوالے افسروں کو اس بات کا ثبوت مہیا کرنا پڑتا تھا کہ وہ کم از کم ۵۰۰ پونڈ سالانہ نجی آمدنی کے وسائل بھی رکھتے ہیں۔ تا کہ وہ برٹش فوجی افسر کے بلند معیارِ زندگی کو برقرار رکھ سکیں۔

بوئر جنگ سے قبل افسری کمیشن یا فوج کے اعلیٰ مناصب بڑے بڑے خانوادوں ہی کے لئے مخصوص سمجھے جاتے تھے۔

### آسٹریلیا اور برطانیہ

آسٹریلیا حالانکہ دل وجان سے برطانیہ کے ساتھ تھا۔ دوستی و جاں نثاری کا عالم یہ تھا کہ آسٹریلیا نے جرمنی کے خلاف علیحدہ اعلانِ جنگ کرنے کی ضرورت بھی نہ سمجھی تھی۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ آسٹریلیا اور برطانیہ کے درمیان کوئی اختلاف تھا ہی نہیں۔ شروع شروع میں تو خیر ایسا بڑا کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اگر تھا بھی تو بہت دھیما تھا۔ مگر جب جاپان لڑائی کو بحرالکاہل میں کھینچ لایا اور آسٹریلیا کو اپنی فکر دامن گیر ہوئی تو یہ اختلافات بھی ذرا شدّت کے ساتھ سر اُٹھانے لگے۔ مسٹر چرچل نے اپنے ملفوظاتِ جنگ میں آسٹریلوی وزیرِ اعظم مسٹر کرٹن کے ساتھ اپنی خط و کتابت کے جو طول طویل اقتباسات نقل کئے ہیں وہ ان اختلافات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

### کرٹن بنام چرچل

اس سلسلہ میں مسٹر کرٹن کے ایک خط میں سے ذیل کا اقتباس دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

"...... کریٹ اور یونان کے تذکرہ سے میرا مقصد آپ کی مذمت کرنا نہ تھا۔ نہ میں کسی اور شخص پر تبصرہ کر رہا تھا۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فضائی مدد توقع کے مطابق نہ تھی۔ میں نے یہ بات بڑی صفائی کے ساتھ آسٹریلیا کے لوگوں کو بتا دی ہے کیونکہ میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ وہ صحیح صورتِ حال سے واقف ہوں بہ نسبت اس کے کہ خوش فہمی میں مبتلا رہیں اور جب اصل حالات سامنے آئیں تو حیران کے حیران رہ جائیں۔

"...... برطانیہ کے لوگ جو عظیم الشان جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہمارے دل میں اس کی بڑی عزت ہے لیکن ہم اپنے طرزِ عمل کے لئے کوئی معذرت پیش نہیں کرنا چاہتے۔ کامن ویلتھ کے مختلف حصے جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ مختلف علاقوں میں واقع ہیں۔ ان کے وسائل اور مسائل مختلف ہیں۔

### کامیاب پروپیگنڈا

انگریزوں کے خلاف تعصب و غلط فہمی پھیلانے میں جرمن پروپیگنڈا کو خاصی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ فرانس کی ابتدائی

مہم میں جرمن اکثر یہ فقرہ دہرایا کرتے تھے "ایسا نظر آتا ہے کہ برطانیہ —— آخری فرانسیسی سپاہی تک لڑنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

پروپیگنڈے کا یہ اسلوب اتحادیوں کے درمیان بڑی غلط فہمیوں کا موجب ہوا۔ چنانچہ بعد میں نارمنڈی کی مہم کے دوران میں امریکی اخبارات منٹگمری کے رویہ پر کڑی نکتہ چینی کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ امریکہ میں انگریزوں سے یہ سوال عام طور پر پوچھا جاتا تھا۔

—— کیا یہ ضروری ہے کہ آپ کی تمام جنگ ہندوستانی یا دوسری نوآبادیوں کے سپاہی ہی لڑیں ؟"

اس پر برطانوی سفیر لارڈ ہیلی فیکس کو امریکہ میں برطانیہ کی پوزیشن واضح کرنے کے لیے کافی محنت کرنی پڑی۔ لارڈ ہیلی فیکس کو مختلف محاذوں پر انگریز فوج کے اعداد و شمار دکھا کر امریکی رائے عامہ کو مطمئن کرنا پڑا۔ یہ لارڈ ہیلی فیکس وہی بزرگوار ہیں جو لارڈ ارون کے نام سے ہندوستان کے وائسرائے بھی رہ چکے ہیں۔

**برابر کی چوٹ** جنگ کے دوران میں جرمن سراغرساں کافی تعداد میں خود برطانیہ کے اندر بھی موجود تھے جو وائرلیس کے ذریعہ سے برطانیہ کے کوائف سے جرمن حکومت کو خفیہ طور پر مطلع کرتے رہتے تھے۔ مگر برطانوی لوگوں کی احتیاط اور حب الوطنی کی داد دینی پڑتی ہے کہ برطانیہ میں پڑی ہوئی لاتعداد فوجوں کی نقل و حرکت کے متعلق جرمن ایجنٹوں کو کبھی کوئی کام کی "خبر" نہ مل سکی۔

**انگریز سپاہی** انگریز سپاہی کی جنرل ویسٹ پال نے بڑی تعریف کی ہے ایک موقع پر لکھتے ہیں :۔

"..... میں نے بہت کم انگریز سپاہی دیکھے ہیں جو قید ہوتے وقت افسردہ یا اداس ہوں۔ مسلسل شکستوں کے زمانہ میں بھی وہ اپنی آخری فتح کے متعلق پرامید نظر آتے تھے۔ دھاوے میں انگریز سپاہی نہایت سخت اور دفاع میں بڑا مستقل مزاج ہوتا ہے۔ انگریزی فوج کا ساتواں آرمرڈ ڈویژن بہترین تھا۔"

برطانوی نوآبادیوں کی فوج جس میں ہندوستانی فوج بھی شامل تھی۔ جنرل ملیٹ مال کے نزدیک "انگریز سپاہی سے کمتر درجے" کی تھی۔ اور امریکہ کا تو خیر ان کے بقول "یہ پہلا تجربہ" تھا۔

## زوال فرانس

فرانس کی شکست اس جنگ کی تاریخ کا ایک اور عجیب و غریب واقعہ ہے۔ خود ہٹلر کے جرنیلوں کو اس کی توقع نہ تھی۔ کم از کم اس بات کی توقع نہ تھی کہ فرانس اس آسانی سے گھٹنے ٹیک دے گا۔ اعداد و شمار اگر کوئی چیز ہیں تو وہ بھی اس رائے کی تصدیق کرتے ہیں۔

آغاز جنگ پر فرانس کے پاس ۱۱۰ باقاعدہ ڈویژن موجود تھے۔ ان کے علاوہ پچاس لاکھ تربیت یافتہ آدمی بیستر تھے جن کے لئے صرف اسلحہ و سامان کی ضرورت تھی۔ برطانیہ کے ۱۳ ڈویژن امداد کو پہنچ گئے تھے۔ مزید برآں بلجیم کے ۲۳ ڈویژن بھی جرمنی ہی کے خلاف صف آرا تھے۔ اس کے برعکس جرمنی اس وقت صرف ۶۸ ڈویژن میدان میں لا سکا تھا۔

ہٹلر کے تقریباً سبھی نامی سپہ سالار، جن میں رن سٹیڈ بھی شامل ہے۔ تسخیر فرانس کے بارے میں چنداں پُرامید نہ تھے اور اتنی جلدی کا تو کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ البتہ نئے جرنیل جن میں گوڈرین اور مین سٹن کا نام خصوصیت سے لینا پڑتا ہے۔ اس مہم میں سرگرم و پُرامید تھے اور اس تسخیر کا سہرا دراصل انہیں دونوں کے سر ہے۔ جرمنی کے سینئر جرنیل تو اسقدر مایوس و بیزار تھے کہ ان میں سے براوشش اور ھالڈر خود ہٹلر کا تختہ الٹ دینے کی ایک سازش تک کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے رہے یہ سازش ہوم کمان کے کمانڈر انچیف جنرل فرمم ( Fromm ) کے عدم تعاون کی وجہ سے بروئے کار نہ آسکی۔ لوگوں کو جرنیلوں سے زیادہ ہٹلر پر اعتماد تھا۔

فرانس کے اسباب شکست کے سلسلہ میں اس وقت تک جو چھان بین ہوئی ہے اس میں عموماً مندرجہ ذیل وجوہات دہرائی جاتی ہیں:-

(۱) فوج کا ایک حصہ اشتراکیت کی گرفت میں تھا۔

(۲) "فوجی ڈویژن" ہتھیاروں سے پُورے طور پر مسلح نہ تھے اور جو ہتھیار تھے بھی وہ جدید ترین تقاضوں کو پُورا نہ کرتے تھے (فیلڈ مارشل وان کلسٹ)

(۳) فرانس کے عوام فضائی تاخت و تاراج سے گھبرا کر دل چھوڑ گئے تھے۔

(۴) سپاہیوں میں استقامت کے ساتھ جارحانہ جنگ لڑنے کی سپرٹ کا فقدان تھا۔

(۵) "میگنٹ لائن" اور دوسری دفاعی قلعہ بندیوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد۔

(۶) عام شہریوں کی بدنظمی اور بوکھلاہٹ۔

(۷) فرانسیسی ٹینکوں کا بھاری بھرکم پن۔

## چوُل کفراز.....

فرانس کی شکست کے اسباب گنواتے ہوئے جنرل ویسٹ پال نے اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ فرانسیسی فوج میں جارحانہ جنگ لڑنے کا جذبہ ہی مفقود تھا خود ان کے کمانڈر انچیف جنرل گیملن کا یہ قول تھا کہ :-

"حملہ کرنے کے معنی جنگ ہارنے کے ہیں"

## گھوڑے یا انسان

ڈنکرک کے انخلا کے موقع پر ایک لاکھ کے قریب فرانسیسی سپاہی بھی انگریزوں کے ساتھ برطانیہ جانے کے آرزومند تھے چنانچہ یہ ایک لاکھ سپاہی اپنی گھوڑا گاڑیوں کے سمیت ساحل پر آن پڑے۔ اُدھر جہازوں میں انسانوں کے لئے بھی جگہ نہیں تھی ادھر فرانسیسی اس بات پر مصر کہ اگر وہ جائیں گے تو گھوڑے اور محض گھوڑے ہی نہیں گاڑیاں بھی ضرور ساتھ جائیں گی۔ الغرض

اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

## سایہ اور روشنی

۲ رجون ۱۹۴۰ء کی شام تھی۔ میجر جنرل (بعد میں فیلڈ مارشل) الیگزینڈر ڈنکرک کے ساحل پر کھڑے حالات کا معائنہ کر رہے تھے۔ ان کے سر پر جرمن بمبار گونج رہے تھے اور آس پاس جرمن توپوں کے گولے پھٹ رہے تھے ــــ پر سالار نے جب اطمینان کر لیا کہ فرانس کے ساحل پر اب ایک بھی برطانوی سپاہی باقی نہیں رہ گیا تو فرانس پر ایک حسرت بھری نظر ڈال کر جنرل الیگزینڈر بھی اس جہاز میں بیٹھ گئے جو انہیں ساحل انگلستان پر لے جانے کے واسطے منتظر تھا۔

تین سال ... بعد :-

۱۲ مئی ۱۹۴۳ء کی ایک روشن دوپہر تھی - جنرل الیگزینڈر - جواب مڈل ایسٹ میں برطانوی فوج کے سپہ سالار اعلیٰ تھے - ٹیونس کے ساحل پر کھڑے صورتِ حالات کا معائنہ کر رہے تھے - مگر یہ دیکھنے کے لئے کہ افریقہ کے ساحل پر کوئی جرمن سپاہی تو باقی نہیں رہ گیا ہے ؟ آج سپہ سالار الیگزینڈر کا چہرا تاریخ کی ایک عظیم فتح کی خوشی سے دمک رہا تھا -

غم و الم کی مسلسل معاونت کے بغیر
حیات جشنِ مسرت منا نہیں سکتی

**ڈنکرک اور حملہ**

تاریخ جنگ کے طالب علم یہ سوال اکثر حیرت سے پوچھتے ہیں کہ ڈنکرک کے فوراً بعد ہٹلر نے برطانیہ پر حملہ کیوں نہیں کیا -

یہ بات واقعی عجیب و غریب ہے - ڈنکرک میں ٹھیک اُس وقت جبکہ جرمن فوج کا ایک دستہ برطانوی فوج کے عقب میں پہنچ چکا تھا اور برطانوی فوج کا کچھ حصہ ابھی ہالینڈ کے نشیبوں میں پڑا تھا - ہٹلر نے پیش قدمی روک دی - اس کے بعد بھی حملہ کے لئے بڑی سازگار فضا تھی - ڈنکرک کی لُٹی پٹی فوج انگلستان کی حفاظت سے قاصر تھی - سازوسامان کے ذخائر فرانس ہی میں رہ گئے تھے - انگلستان کے اپنے ذخیرے تقریباً خالی تھے - جنگ کے بعد جنگ پر جو لٹریچر اب تک سامنے آیا ہے - اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ ہٹلر کے جرنیل برطانیہ پر فوری حملہ کرنے کے حامی تھے اور یہ بھی کہ ہٹلر اس مشورے پر قطعاً کوئی گرمجوشی ظاہر نہیں کرتا تھا بلکہ اس کے برعکس روس پر حملے کی تیاری کر رہا تھا ؟

اس عجیب و غریب سوال کا ایک ہی جواب دیا جاتا ہے - وہ یہ کہ ہٹلر کو دراصل اس بات کا پورا یقین تھا کہ برطانیہ سے طویل و سخت لڑائی کے بعد جرمنی جس وقت تھک کر چُور ہو جائے گا تو رُوس اس پر حملہ کر دے گا - اور رُوس کو بہر حال وہ اپنا دشمن نمبر ایک سمجھتا تھا - پھر فرانس کی شکست پر اسے یہ توقع سی پیدا ہو چلی تھی کہ برطانیہ جو اس وقت میدان میں اکیلا رہ گیا تھا صلح کرنے پر مجبور ہو جائے گا - چنانچہ سقوطِ فرانس کے بعد ہٹلر نے برطانیہ کے نام ایک نہایت میٹھی اور دھیمی اپیل بھی نشر کی تھی جو ہٹلر کے دوست مسولینی کو سخت

ناگوار گزری کیونکہ اُس وقت مسولینی خود لنگر لنگوٹ کس کے میدان میں اترنے کی ٹھان رہا تھا۔

**جرمن قیادت**

اس جنگ میں جرمن عسکری قیادت (لیڈرشپ) کے خلاف اور حق میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا لب لباب یہ ہے:۔

(۱) سنیئر جرنیل — جنرل سٹاف (General Staff) کی روائتی تربیت کے بہترین پیداوار تھے۔ مگر وہ نوعمر جرنیلوں کی حوصلہ افزائی میں بخل سے کام لیتے تھے۔

(۲) وہ کام کرنے اور کام لینے کی بے پناہ صلاحیت رکھتے تھے۔ لیکن سیاسی بصیرت سے انہیں عاری رکھا گیا تھا۔

(۳) جدید و قدیم دبستانِ حرب وضرب کے حامیوں کے درمیان اسلوب جنگ کے بارے میں زبردست اختلاف موجود تھا (مثلاً رومیل اور گوڈرین۔ جدید دبستان کے جرنیل تھے اور رن سٹیڈ اور وان کالج وغیرہ قدیم دبستان کے)

(۴) میدانِ جنگ میں نسبتاً نوعمر اور نئے جرنیلوں کی کامیابیوں نے باہمی بغض و عداوت اور حسد و رقابت کے جذبات کو فروغ دیا۔

(۵) فیلڈ مارشلوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ جو کسی سکیم یا منصوبے پر عموماً بہت کم متفق ہوتے تھے۔ اور اپنی ہائی کمان پر ان فیلڈ مارشلوں کو کوئی اعتماد نہ تھا

(۶) اسلوبِ جنگ میں ہٹلر کی مداخلت کو بھی جرمن فیلڈ مارشل دل سے بُرا سمجھتے تھے وہ اکثر حقارت سے کہا کرتے تھے کہ "لو یہ کارپورل اب ہمیں سبق دینے چلا ہے"۔ جرمنی کی شکست میں یہ حالات و عوامل بڑی حد تک کارفرما تھے۔

**جرمن فوج**

جنگ چھڑنے سے کچھ مدت قبل میجر گن گنڈ (Guingand) جنہوں نے بعد میں منٹگمری کے چیف آف اسٹاف کی حیثیت سے بڑا نام پیدا کیا اور "مہم کامران" (Operation Victory) کے نام سے ایک نہایت دلچسپ کتاب بھی لکھی ہے، جرمنی بھیجے گئے تھے۔ آپ جرمن فوج

کی ایک جھلک دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"...... جرمنوں نے بڑے تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا اور فوجی تربیت و سازوسامان کا ایک ایک شعبہ ہمیں دکھایا۔ افسروں اور سپاہیوں کے تعلقات کا ہم پر گہرا اثر پڑا۔ فوج کی عام "ٹرن آؤٹ" ( Turn Out ) اور معیار سے معلوم ہوتا تھا کہ جرمن فوج کے نظم و ضبط چوکسی اور مستعدی کی قدیم اعلیٰ روایات جُوں کی تُوں برقرار تھیں۔

..... ایک دن افسروں کے ایک میس ( Mess ) میں دوپہر کا کھانا تھا میس ایک نہایت شاندار عمارت میں تھا جس کی دیواروں پر نامور سپہ سالاروں کی بڑی بڑی تصویریں آویزاں تھیں۔ یہ تصویریں جرمن خاندانوں کی طرف سے تحفۃً میس کی نذر کی گئی تھیں۔ کھانے کے بعد کمان افسر نے نہایت اچھی تقریر کی۔ البتہ تقریر میں فرانس کے خلاف نفرت کا جذبہ ضرور جھلک رہا تھا...... ایک افسر نے تو یہاں تک کہہ دیا "بہتر ہو اگر اگلی مرتبہ ہم دونوں مل کر فرانس کی خبر لے ڈالیں"

..... جرمنی سے میں خاصہ پریشان واپس آیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اگر جرمن فوج کی تیاری کا یہ عالم ہے تو ہم واقعی پیچھے رہ گئے ہیں"

فیلڈ مارشل رومیل اور کسیل رنگ کے چیف آف اسٹاف جنرل

انلاف جان

ویسٹ پال ( Westphal ) کے اندازے کے مطابق یکم ستمبر ۱۹۳۹ء سے لیکر یکم جنوری ۱۹۴۵ء تک اٹھارہ لاکھ دس ہزار جرمن اس جنگ میں ہلاک ہوئے۔ پندرہ لاکھ لاپتہ تھے۔ جن میں سے بیشتر روس کی قید میں تھے انہیں کے بیان کے مطابق جرمن فوج ( ۸۵ ) ڈویژنوں کے ساتھ جنگ میں شامل ہوئی تھی۔ فرانس کے پاس اس وقت ۱۱۰ ڈویژن تھے اور پولینڈ کے پاس چالیس۔ جرمنی نے یہ ڈویژن پانچ سالوں میں تیار کئے تھے۔

جنرل موصوف نے بلجیم کی فوج کی بڑی تعریف کی ہے۔ اپنی کتاب "مغرب میں جرمن فوج" میں وہ لکھتے ہیں کہ جوں جوں شکست قریب آتی تھی۔ بلجیم کے سپاہی اور زیادہ شدت سے لڑتے تھے۔ دراصل ان پر نوجوان شاہ لیوپولڈ کی ذاتی شجاعت

کا گہرا اثر تھا۔ یاد رہے کہ شاہ بلجیم اپنی فوج کے ساتھ قید ہو گئے تھے۔

**بڑا ہوائی حملہ** ۱۹۴۴ء میں جب اتحادیوں نے جرمنی پر زمینی و فضائی حملے شروع کیے تو ایک فضائی یلغار میں ۲۱۰۰ چھوٹے بڑے طیاروں نے حصہ لیا۔ یہ فضائیہ کے بڑے حملوں میں سے ایک تھا۔

**جرمن فیلڈ مارشل** جرمن فوج میں کل اٹھارہ فیلڈ مارشل تھے۔ ان میں سے نو (۹) کو ہٹلر نے یکے بعد دیگرے موقوف کیا (رچینو۔ بوک اور موڈل) میدانِ جنگ میں کام آئے۔ تین (وٹزلبن۔ وان کلج اور رومیل) ۲۰ جولائی ۱۹۴۴ء کی سازش کے بعد موت کے گھاٹ اترے۔ ایک (پالوس) قید ہوا۔

**جرمن سپہ سالار** جنرل ویسٹ پال کے نزدیک جرمن جنرل سٹاف کے افسروں میں سے جنرل رن سٹڈ جو بعد میں فیلڈ مارشل ہوا۔ تدبیراتِ جنگ میں بڑا ہوشیار تھا۔ دور رس۔ نئی نئی تجویزوں اور منصوبوں سے بھرپور۔

رن سٹیڈ (فیلڈ مارشل) مسلّمہ شہرت و قابلیت کا سپہ سالار تھا۔ عالی ظرف۔ بلند حوصلہ۔ غیر ضروری تفصیلات میں کبھی مداخلت نہیں کرتا تھا۔ جرمن فوج میں بے انتہا عزت رکھتا تھا۔ قدیم دبستانِ حرب کا ایک شاندار مجسمہ۔

**جرنیلوں کا حشر** ۱۹۴۴ء کی جرمن آرمی لسٹ پر ۱۲۴۲ جرنیل تھے۔ جنگ کے بعد ان میں سے پانچسو واپس نہیں آئے۔ ہلاک یا لاپتہ ہو گئے۔ بیس مختلف سیاسی الزامات میں ہٹلر کی فوجی عدالتوں نے موت کے گھاٹ اتار دیئے۔

**جرمن جرنیل اور فوج** مشہور مبصر جنگ کیپٹن لڈل ہارٹ کی رائے میں اتحادیوں کا خیال تھا کہ جرمن جرنیل ہٹلر کے خلاف بغاوت کر دینگے مگر اتحادیوں کی یہ توقع پوری نہ ہوئی کیونکہ جنگ کی ابتدائی کامیابیوں نے ہٹلر کی دھاک باندھ دی اور جرنیل پس منظر میں چلے گئے اور جب ہٹلر کا ستارہ گردش میں آیا تو جرمن جرنیل خود بے دست و پا تھے۔ علاوہ ازیں جرمن جرنیلوں کو سپاہی کی حیثیت سے اپنے احساسِ فرض۔ جذبۂ حُبِّ وطن فوجی روایات اور پاسِ عہدِ وفاداری نے

بھی بغاوت سے مانع رکھا۔ مثال کے طور پر فیلڈ مارشل رن سٹیڈ لڑائی کا حامی نہ تھا اور نازیت سے بھی شدید نفرت رکھتا تھا۔ مگر وضعدار بوڑھا فیلڈ مارشل اپنی روایات کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھا سکا۔ تاہم جرمن سپہ سالار ہٹلر کے جارحانہ عزائم کی مذمت و مخالفت میں قطعاً خاموش بھی نہیں رہے۔ ابتدا میں جنرل بروشش (L archistsch) نے ہٹلر سے صاف صاف کہدیا کہ جرمنی جنگ کے لئے تیار نہیں۔ اس کے چیف آف سٹاف بیک (Beck) نے بھی ہٹلر کے عزائم کی شدید مخالفت کی۔ فیوہرر نے دونوں کو موقوف کر دیا۔

جرمن فوج اور ہٹلر کے تعلقات کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے معاہدہ ورسیلز سے لیکر نازی اقتدار تک جرمن عسکری قوت کی دوبارہ تعمیر اور اس دور کی قابل ذکر فوجی شخصیتوں پر ایک سرسری نظر ڈالنی ضروری ہے۔

## جرمن فوج کا باپ

جنرل وان سیکٹ (V on Seeckt) کو جدید جرمن فوج کا "باپ" کہا جاتا ہے۔ سیکٹ پہلی جنگ عظیم کے نامور جرمن سپہ سالاروں میں سے تھا۔ تدبیر و منصوبہ میں بالخصوص سیکٹ نے بڑا نام پیدا کیا۔ ۱۹۱۵ء میں جرمن فیلڈ مارشل میکنسن (Mackensen) نے رُوس کو جو حیرت انگیز اور فیصلہ کُن شکست دی تھی۔ اس حملے کا منصوبہ سیکٹ ہی نے بنایا تھا۔ بلکہ اس جنگ میں سیکٹ اور میکنسن کے "جوڑے" کو وہ شہرت حاصل ہوئی کہ جرمنی میں عموماً کہا جاتا تھا —— "جہاں میکنسن ہے وہاں سیکٹ ہے اور جہاں سیکٹ ہے وہاں فتح ہے"۔

بدقسمتی سے جنرل ھینڈ برگ اور لنڈن ڈروف کی حریفانہ سازشوں نے بعد میں ان دونوں کو زیادہ اُبھرنے نہ دیا۔ تاہم زمانۂ امن کی جرمن فوج کا پہلا کمانڈر انچیف سیکٹ ہی بنایا گیا اور اس نے چند سالوں میں معاہدۂ ورسیلز کی پابندیوں کے اندر اندر ایک لاکھ جرمن فوج جدید اصولوں کے مطابق منظم کر دی۔ چار ہزار افسر اور ۹۶۰۰۰ سپاہی۔ سیکٹ نے فوج کو عملی سیاسیات میں حصہ لینے سے قطعاً الگ تھلگ رکھا۔

سیکٹ کے بعد جنرل ھیی ( Heye ) اور جنرل ہیمرسٹین علی الترتیب کمانڈر انچیف ہوئے۔ مگر یہ دونوں غیر معمولی آدمی نہ تھے۔ البتہ وہ سیکٹ کے راستہ پر ضرور چلتے رہے۔ ان میں سے ہیمرسٹین ہٹلر اور نازیت کا سخت مخالف تھا۔ سیاست کے درپردہ تاروں پر بھی نظر اور ہاتھ رکھتا تھا مگر حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ہٹلر اسی کے زمانہ میں برسر اقتدار آیا۔

**بلومبرگ** ہٹلر نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالتے ہی ہیمرسٹین کو الگ کیا اور جنرل بلومبرگ کو جو ہتھیار بندی توڑنے والی کانفرنس میں جرمنی کی نمائندگی کر چکا تھا وزیر جنگ بنا دیا۔ بلومبرگ بڑا تندرست مضبوط کاٹھی کا دیدار و جرنیل تھا۔ مگر کم عمری کی وجہ سے جرمن فوج کے سینئر جرنیل اس تقرری سے ناخوش تھے (یاد رہے کہ بلومبرگ اس وقت پچاس برس کا تھا مگر جرمنی میں یہ عمر ہائی کمان کے منصب کے لئے پختہ نہیں سمجھی جاتی) بلومبرگ کی تقرری میں سنیئر جرنیلوں نے اپنی حق تلفی کو بری طرح محسوس کیا اور ان میں سے اکثر دل ہی دل میں اس وجہ سے ہٹلر کو ناپسند کرنے لگے۔ بسا اوقات وہ ایک دوسرے سے کہتے :-

"لیجئے اب ہائی کمان کی تقرریاں بھی کارپورل نے اپنے ہاتھ میں لے لیں۔"

جنرل سلیشر ( Schleicher ) اور بریڈو ( bredow ) ہٹلر کے واشگاف مخالفوں میں سے تھے چنانچہ ۱۹۳۴ء میں اُس نے ان دونوں کو قتل کروا دیا۔ بعد میں ایک سابق طوائف ٹائپسٹ لڑکی سے شادی کرنے کی پاداش میں ہٹلر نے اپنے منظورِ نظر بلومبرگ کو بھی اس منصب سے الگ کر دیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ شادی کی تقریب میں خود ہٹلر بھی موجود تھا۔

**وان فرٹش** ہیمرسٹن کے بعد وان فرٹش ( . ) کو جو اچھی شہرت کا ایک لائق جرنیل تھا کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ فرٹش ٹینک اور فضائی جنگ کی اہمیت کو خوب سمجھتا تھا۔ اس نے جرمن فوج کی تنظیم و ترقی میں قابل قدر حصہ لیا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نے بہت سے سرگرم نازیوں کو جو

فوج کی صفوں میں شامل ہو چکے تھے اور بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ فوج سے نکال باہر کیا۔

۱۹۳۵ء میں ہٹلر نے اعلان کر دیا کہ وہ معاہدہ ورسیلز کا پابند نہیں۔ ساتھ ہی اس نے دنیا پر یہ ظاہر کیا کہ جرمنی کے پاس ۳۶ ڈویژن فوج موجود ہے۔ یہ سب کچھ جرنیلوں کے مشورے کے بغیر ہوا۔ جرنیل حیران تھے کہ یہ ۳۶ ڈویژن فوج کہاں ہے اور یہ لائی کہاں سے جائے گی مگر ہٹلر کی خواہش تھی کہ اس کے جرنیل اس کے "جھوٹ" کا ساتھ دیں۔ اسی موقع پر جرمنی میں جبری بھرتی نافذ کی گئی ——— فرٹش نے مخالفت کی تو بداخلاقی کے ایک گھناؤنے جرم میں ماخوذ کر کے ہٹلر نے اُسے بھی موقوف کر دیا اور جرمن فوج کی "سپریم کمان" خود اپنے ہاتھ میں سنبھال لی۔

**بروشش**

فرٹش کی جگہ بروشش کو لایا گیا۔ بروشش نامور اور ممتاز جرنیل تھا۔ اور جرمن فوج کے تمام حلقوں میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا وہ نازیت کا حامی بھی نہ تھا چنانچہ اس کے کمانڈر انچیف بنائے جانے پر جرمن فوج میں گونہ حیرت کا اظہار ہوا۔ خود بروشش کی نسبت عام خیال بھی یہی تھا کہ اس نے یہ منصب محض فوج کے مفاد میں قبول کیا تھا۔ وہ ایک بے غرض و بے لوث جرنیل تھا۔

بروشش اصل میں توپ خانے کا افسر تھا مگر ترقی پسند رجحانات رکھتا تھا۔ اور جدید جنگ میں ٹینک کی صلاحیت و موزونیت کا دوسرے پرانے جرنیلوں کی بہ نسبت زیادہ قائل تھا۔ ہٹلر کے ایما و منشا کے مطابق بروشش جرمن فوج کی توسیع تو کر رہا تھا مگر اس کے جارحانہ عزائم کو ناپسند کرتا تھا۔ چنانچہ جلد ہی فیوہرر اور کمانڈر انچیف کے درمیان شدید اختلاف رونما ہو گیا۔ اس پر بروشش نے سینئر جرنیلوں کی ایک کانفرنس بلائی جس میں اس کے چیف آف اسٹاف جنرل وان بیک ( BECK ) نے ایک میمورنڈم پڑھ کر سنایا۔ اس میں ہٹلر سے صاف صاف کہا گیا تھا کہ فوج جنگ کے لئے قطعاً تیار نہیں لہذا وہ جنگ کا خطرہ مول نہ لے ——— ہٹلر نے بیک کو موقوف کر دیا اور اس کی جگہ ہالڈر ( Halder ) کو چیف آف سٹاف مقرر کر دیا۔

ستمبر ۱۹۳۸ء میں جب ہٹلر نے زیکوسلاویکیہ کو ہڑپ کرنے کی ٹھانی تو برو شش اور ھالڈر دونوں نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے ایک نہ سُنی۔ اس کے بعد ہٹلر کی ابتدائی سیاسی کامیابیوں نے ایک دُنیا کو حیران کر دیا۔ ہٹلر کے جرنیل دیکھ رہے تھے کہ اس کی ایک ایک دھمکی کارگر اور پیش گوئی درست ہو رہی ہے۔ وہ جس طرف رُخ کرتا ہے فرانس اور برطانیہ راستہ چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔

بہرحال ستمبر ۱۹۳۹ء میں جب عالمگیر جنگ چھڑ گئی تو ان تمام اختلافات کے باوجود جرمن جرنیل سچے محب الوطن سپاہیوں کی طرح جنگ کے شعلوں میں کود گئے۔ شاید ان کا فرض بھی یہی تھا۔ وہ سپاہی تھے۔ سیاستدان نہیں تھے۔

## جنرل گوڈرین

اس جنگ کے نسبتاً کم عمر جرمن جرنیلوں میں سے رومیل اور گوڈرین (Guderian) مجموعی حیثیت سے کامیاب ترین سپہ سالار سمجھے جاتے ہیں (رومیل کے متعلق آگے چل کر ایک مستقل مضمون آپکی نظر سے گزرے گا)

جنگ کی ابتدا میں ہٹلر کو یورپ میں جو حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی تھی اس میں گوڈرین کا سب سے زیادہ حصہ تھا۔ گوڈرین نے چند مہینوں میں یورپ کا نقشہ تقریباً بدل کر رکھ دیا اور اگر ہٹلر ان فتوحات کو پائدار بنا سکتا تو کچھ عجب نہ تھا کہ یورپ کی تاریخ ہی بدل جاتی۔

رومیل کی طرح گوڈرین بھی ٹینک کی لڑائی کا بڑا اُستاد تھا۔ اسے ٹینک کی جارحانہ صلاحیت میں بڑا اعتماد تھا۔ وہ جرمنی کا پہلا جنرل ہے جس نے جرمن فوج کی بکتر بند قوت کو ایک نئے انداز سے مرتب کیا اور پھر جنگ میں اسے کامیابی کے ساتھ آزمایا۔ گوڈرین جرمن "پنزر فورس" (Panzer Force) کے بانیوں میں سے ایک تھا۔ غالباً ممتاز ترین۔ فرانس کی تباہی میں گوڈرین کے دستے سب سے آگے تھے۔

بلغاریہ کی فوج کا ایک افسر جو جنگ سے قبل جرمن فوج کے ساتھ کام کر چکا ہے گوڈرین کی نسبت لکھتا ہے:۔

"آرمرڈ فورس میں وہ بے پناہ اعتماد رکھتا تھا اور یہی اعتماد اپنے ماتحتوں میں پیدا

کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے بسا اوقات وہ اپنی گرہ سے پیسے خرچ کر کے کتابیں اور لٹریچر منگواتا اور ماتحتوں میں تقسیم کرتا" (لڈل ہارٹ) جرمن جرنیل گیر (Geyr) جو گوڈرین کے مخالفوں میں سے تھا۔ لکھتا ہے:۔

"جرمن 'پنزر فورس' کی ساٹھ فیصدی تخلیق و تشکیل گوڈرین ہی کی مرہون منت تھی۔ وہ ایک بہادر اور جرأت مند جرنیل تھا۔ اس کا دل ہمیشہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ رہتا تھا اور اس کے سپاہی اس میں صرف اعتماد ہی نہیں بلکہ اسے دل و جان سے عزیز بھی رکھتے تھے۔ جواں مردوں کی طرح پُرجوش۔ اندھا دھند۔ تیز اور بیباک....."

ہٹلر کے سامنے صاف گوئی و بیباکی کے معاملے میں بھی وہ خاص شہرت رکھتا تھا ایک مرتبہ اس نے ہٹلر کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی ہائی کمان کے سٹاف میں ایسے لوگوں کو رکھے جو میدانِ جنگ کا تازہ ترین تجربہ رکھتے ہوں۔ ایک اور موقع پر اس نے ہٹلر سے کہا۔

—— "معلوم ہوتا ہے آپ کو میدانِ جنگ کی رپورٹیں اُس صورت میں نہیں ملتیں جس میں یہ بھیجی جاتی ہیں۔"

آخری دور میں گوڈرین ہٹلر کی "کمانِ اعلیٰ" (فیلڈ مارشل کیٹل اور جوڈل) کا چیف آف سٹاف تھا۔ مارچ ۱۹۴۵ء میں اُس نے ہٹلر کو جنگ موقوف کرنے کا مشورہ دیا۔ ہٹلر نے جنگ جاری رکھی اور اُسے موقوف کر دیا۔

## فیلڈ مارشل رن سٹیڈ

رن سٹیڈ (Rundstead) جرمنی کے پُرانے سپہ سالاروں میں ممتاز ترین جرنیل تھا اور پوری جرمن فوج میں بے انتہا عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ ہائی کمان کی بڑی کانفرنسوں میں جرمن سپہ سالار جب کبھی جمع ہوتے تو ان کی نمائندگی اکثر رن سٹیڈ ہی کرتا تھا۔ خود ہٹلر بھی اس کی عزت کرتا تھا۔ کم از کم اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ رن سٹیڈ کے ساتھ وہ کبھی درشت کلامی کے ساتھ پیش آیا ہو۔

جرنیل گوڈرین کی رائے ہے..... "فیلڈ مارشل رن سٹیڈ ہمارے بہترین ماہرینِ جنگ میں سے تھا جنگی چالوں میں اس کا دماغ بہت تیز تھا۔ وہ ہٹلر کے منہ پر

صاف صاف باتیں کہہ دیتا تھا اور ہٹلر اس کی عزت کرتا تھا۔ اس کے ماتحت کام کرنے سے آدمی کو خوشی ہوتی تھی۔

کیپٹن لڈل ہارٹ کے الفاظ میں ...... "رن سٹیڈ قدیم جرمن روایات کا ایک شاندار مجسمہ تھا۔ وہ جرمن فوج کی محبوب ترین شخصیت تھا۔ خود زیرک و دور رس تھا۔ لہذا فوج میں اناڑیوں اور خام کاروں کا سخت مخالف تھا۔ فوج کی محبت اس کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی۔ فوج اس کی زندگی تھی۔"

آغازِ جنگ کے وقت رن سٹیڈ ساٹھ برس کی عمر سے خاصہ اوپر ہو چکا تھا۔ پہلے وہ روسی محاذ پر رہا۔ پھر کچھ مدت تک کنارہ کش رہا۔ جنگ کے آخری دور میں جب اتحادیوں نے یورپ پر چڑھائی کی تو ہٹلر نے مایوسی کی حالت میں اس محاذ کی اعلیٰ کمان کے لئے ستر برس کے اسی بوڑھے فیلڈ مارشل کو طلب کیا۔ اتفاق دیکھئے کہ پہلی جنگِ عظیم میں فیلڈ مارشل ہنڈن برگ کو بھی اسی عمر میں ایک "سپریم کمانڈ" سے عہدہ برا ہونا پڑا تھا۔

**ممتاز جرنیل**

دوسرے نامور جرمن سپہ سالاروں میں سے کسل رنگ ۔ وان کلج (Von Kluge)، اور مین سٹین (Manstein) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے کسل رنگ نے اٹلی میں گھری ہوئی جرمن فوج کو جس ہوشیاری سے اٹھارہ مہینے تک لڑایا اور قائم رکھا وہ تاریخ حرب و ضرب کا ایک یادگار کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

فیلڈ مارشل گنتھر وان کلج اُن خوش قسمت جرنیلوں میں سے ایک تھا جن کے ساتھ ہٹلر نے ۱۹۳۹ء میں جنگ کا آغاز کیا۔ وہ فرانس۔ پولینڈ اور روس تینوں محاذوں پر لڑتا رہا اور ۱۹۴۴ء تک اس کا ستارہ عروج پر رہا۔ مگر ۱۹۴۴ء میں جب اتحادی فوجیں۔ یورپ کے ساحلوں پر اُمڈ آئیں اور کلج اس ریلے کو سنبھال نہ سکا تو ہٹلر نے اُسے برطرف کر دیا۔ کلج جیسا وضعدار و نامور جرنیل یہ بدنامی برداشت نہ کر سکا اور زہر کھا کر اس نے اپنا خاتمہ کر لیا۔

مین سٹن۔ بعض مبصرین کے نزدیک جرمنی کا لائق ترین جرنیل تھا۔ خود رن سٹیڈ اس کی حربی سوجھ بوجھ" کا بڑا مداح تھا۔ اور اکثر کہا کرتا تھا کہ "مین سٹن جدید و قدیم کا سنگم ہے"

فرانس پر حملے کا جرمن منصوبہ اُسی نے سوچا اور بنایا تھا۔ سوم ( Some ) کا مشہور فیصلہ کُن معرکہ اُسی نے سر کیا تھا اور اُدھر روسی محاذ پر یہی جرنیل تھا جو روسی ٹڈی دل کو چیرتا پھاڑتا ہوا چار دن کے اندر دو سو میل آگے بڑھ گیا تھا۔ اور اگر ہٹلر اس وقت اُسے ماسکو کی طرف بڑھنے کی اجازت دے دیتا تو بعض مبصرین جنگ کے نزدیک وہ ماسکو بھی فتح کر لیتا۔ مگر ہٹلر نے اسے وہیں روک دیا۔ پھر تاریکی و مایوسی کے دور میں یہ مین سٹن ہی تھا جس نے سبستاپول ( Sevastapol ) کے مقام پر روسیوں کو ایک کاری اور بھرپور شکست دی۔ روس میں یہ جرمنوں کی آخری کامیابی تھی۔ ۱۹۴۴ء میں ہٹلر نے اس سے کمان لیکر فیلڈ مارشل موڈل کے حوالہ کر دی۔

محاذِ جنگ کے سپہ سالاروں اور کمانِ اعلیٰ کے سٹاف افسروں میں سے ھالڈر ( Halder ) زیٹ زیلر ( Zeitzler ) مانٹی فل ( Maneuffel ) مان تھاما۔ موڈل۔ لیب وغیرہ بھی قابلِ ذکر جرنیل تھے۔ ان میں سے ھالڈر کافی مدت تک ہٹلر کا چیف آف سٹاف رہا۔ روس پر حملے کی اسکیم جو ایک بے عیب سکیم مانی جاتی ہے اس نے بنائی تھی۔ جب تک براؤشش با اختیار رہا یہ سکیم ٹھیک چلتی رہی۔ بعد میں ہٹلر کی دخل اندازیوں نے سارا معاملہ چوپٹ کر دیا۔

"زیٹ زیلر" بھی کچھ مدت تک ہائی کمان کا چیف آف سٹاف رہا۔ یہ دماغ اور زبان دونوں لحاظ سے تیز آدمی تھا۔ جولائی ۱۹۴۴ء میں روسی محاذ کے بارے میں اختلافِ رائے پر ہٹلر سے دُو بدُو گرم کلامی کر بیٹھا اور موقوف ہوا۔ سبکدوشی کے بعد اس غریب کو وردی پہننے کے حق سے بھی محروم کر دیا گیا۔

کیٹل ( Keitel ) اور جوڈل ( Jodel ) دونوں ایک زمانہ کے ممتاز اور ذہین سپاہی تھے۔ مگر اس جنگ میں "سپاہیانہ شہرت" سے زیادہ "بدنامی" ان کے حصے میں آئی۔ اس لڑائی میں یہ دونوں جرمن بری فوج کی "ہائی کمان" تھے۔ مگر عملاً ان بیچاروں کی حیثیت ہٹلر کے "میر منشی" سے زیادہ نہ تھی۔ کوئی بھی صورت ہو بہر حال کیٹل اور جوڈل کے "فیلڈ مارشل جوڑے" نے اس جنگ میں کافی شہرت حاصل کی ہے۔

**جرمن بکتر بند فوج** جرمن بکتر بند فوج کا باقاعدہ آغاز جنرل گوڈرین اور جنرل وان تھاما نے کیا۔ ۱۹۳۴ء میں پہلی ٹینک بٹالین کھڑی کی گئی۔ فرانس پر حملے کے وقت جرمنی کے پاس ڈھائی ہزار ٹینک تھے۔ فرانس کے پاس اگرچہ ٹینک تعداد میں زیادہ تھے مگر بھاری اور کم رفتار تھے اور ٹینک کی لڑائی میں تیز رفتاری ایک فیصلہ کن عنصر ہے۔

**آئزن ہاور کی رائے** جنرل آئزن ہاور کی رائے میں فیلڈ مارشل رن سٹیڈ جرمن سپہ سالاروں میں سب سے زیادہ زیرک تھا۔ مگر ہٹلر کی بیجا مداخلت کی وجہ سے فاش غلطیاں کرتا رہا۔

فرانسیسی جنرل ڈی گال کی نسبت وہ لکھتے ہیں...... "ذاتی طور پر میں جنرل ڈی گال کو پسند کرتا تھا کہ اس میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ البتہ ایک نقص ضرور تھا کہ حد سے زیادہ زود رنج اور حساس تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر بیجا ضد سے کام لیتا۔"

اور جنرل جیراڈ کے متعلق..... "وہ ایک خالص سپاہی تھا۔ دیانتدار۔ صاف باطن۔ سیاسی جوڑ توڑ سے اسے قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی۔ چنانچہ اپنے ملک میں اسے کبھی کوئی اہم عہدہ نہ مل سکا۔"

**موقوفی و خودکشی** جنگ کے دوران میں جرمنی کے جن نامور و بلند پایہ سپہ سالاروں کو ہٹلر نے موقوف کیا یا جو ذلت و رسوائی کے خوف سے خودکشی پر مجبور ہوئے۔ ان میں سے ذیل کے لوگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

فیلڈ مارشل وان کلج اور فیلڈ مارشل رومیل خودکشی پر مجبور ہوئے۔

فیلڈ مارشل وان کلسٹ۔ فیلڈ مارشل موڈل۔ فیلڈ مارشل بوک۔ فیلڈ مارشل لسٹ ہٹلر سے اختلاف رائے رکھنے یا میدانِ جنگ میں ناکام رہنے کے باعث برطرف کئے گئے۔ سب سے زیادہ روسی محاذ کے جرنیل موقوف ہوئے۔

**ہاں مگر نہیں** رومیل کے بارے میں فیلڈ مارشل رن سٹیڈ جو مسلم طور پر جرمنی کا سب سے بڑا جرنیل مانا گیا ہے بلکہ بعض نقاد اسے ہنڈن برگ سے بھی اونچا

سمجھتے ہیں، لکھتا ہے۔

"..... رومیل ایک بہادر شخص تھا۔ چھوٹے چھوٹے معرکوں کے لئے بیحد موزوں و زیرک کمانڈر۔ لیکن اُونچی کمان کے لئے کافی تجربہ نہیں رکھتا تھا۔"

رَن سٹیڈ نے منٹگمری اور امریکی جرنیل پیٹاں کی تعریف کی ہے۔ اس کی رائے ہیں..... منٹگمری قاعدے اور ڈھنگ سے لڑتا تھا...... وہ تنہا جرنیل ہے جسے ایک بھی شکست نہیں ہوئی..... اور..... پیٹاں کی تیز رفتاری حیرت انگیز تھی۔

**رومیل اور منٹگمری** فیلڈ مارشل منٹگمری کے دل میں اپنے حریف فیلڈ مارشل رومیل کے لئے بڑی عزت تھی۔ چنانچہ افریقہ کے صحراؤں میں منٹگمری کو جہاں کہیں رومیل کی کوئی تصویر مل جاتی وہ اسے اُٹھا کر اپنے میز پر لگا لیتے تھے۔

**لڈل ہارٹ کی رائے** کیپٹن لڈل ہارٹ برطانیہ کے ممتاز ترین عسکری مبصر ہیں۔ ان کے نزدیک :۔

"....... ۱۹۱۴ء کی جنگ کے مقابلے میں اس جنگ میں جرمن فوج قواعدِ اسلوب جنگ کی پیروی اور مہارت میں بہتر ثابت ہوئی۔ بلجیم کی مہم میں جرمن فوج کا ضبط و تحمل قابلِ تعریف تھا۔"

"....... ۱۹۴۱ء کے بعد کافی مُدت تک تقریباً تمام جرمن سپہ سالار رومیل کی شہرت کے سامنے ماند ہو گئے۔ رومیل کی ترقی حیرت انگیز تھی۔ وہ تنہا آدمی ہے جو اس جنگ میں لفٹیننٹ کرنل کے عہدہ سے ترقی کر کے فیلڈ مارشل کی بلندی تک جا پہنچا۔ (آئزن ھاور بھی جنگ چھڑنے سے قبل لفٹیننٹ کرنل ہی تھے۔ مرتب)

رومیل کی نسبت لڈل ہارٹ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں ــــــ "رومیل میں بڑا عیب یہ تھا کہ وہ انتظامی معاملات پر خاطر خواہ توجہ اور اپنے ماتحتوں کو زیادہ اختیارات نہیں دیتا تھا۔ جس سے بعض اوقات ماتحتوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ نہ صرف یہ کہ وہ ہر کام کو خود ہی سر انجام دینا چاہتا تھا بلکہ ہر کام کو ہر جگہ خود کرنا چاہتا تھا۔ ابھی یہاں

ہے۔ ابھی وہاں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ہیڈ کوارٹر کے لوگوں سے تال میل ہی قائم نہ رہتا۔ مثلاً وہ کسی اہم معاملے میں اسکے فیصلے کے منتظر ہیں مگر رومیل محاذِ جنگ میں دوڑا پھر رہا ہے۔ ...... اس "نقص" میں البتہ ایک "خوبی" کی بات بھی تھی۔ وہ یہ کہ رومیل محاذِ جنگ کے تقریباً ہر نقطے پر عموماً ٹھیک اُس وقت موجود ہوتا جب اس کی وہاں سخت ضرورت ہوتی تھی۔ اس سے ماتحت افسروں اور سپاہیوں کے حوصلے بڑھ جاتے تھے۔ ........ اس کے سپاہی اس کی پرستش کرتے تھے۔ اطالوی کمانڈر بھی ـــــ جنہیں لِڈل ہارٹ "سیفٹی فسٹ کمانڈر" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ رومیل کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔

...... جنگی چالوں کے ضمن میں رومیل دلیرانہ و بیباکانہ دھاووں اور تزویری حربوں کی ترتیب میں کمال رکھتا تھا۔

**دشمن کو افسوس**

افریقی محاذ سے رومیل کی واپسی پر افریقہ جرمن کور تو خیر اُس کے فداکاروں کی فوج تھی۔ اتحادی فوجوں میں بھی قلق کے جذبات پائے جاتے تھے۔ اس کے نہ ہونے سے میدانِ جنگ میں ایک عظیم خلا محسوس ہوتا تھا۔ رومیل دراصل اس جنگ کی ایک افسانوی شخصیت بن چکا تھا۔ اتحادیوں میں رومیل کی "عزت" کا بڑا باعث یہ تھا کہ جنگی قیدیوں سے اس کا سلوک شریفانہ ہوتا تھا۔

**بارود سے نفرت**

جرمن سپہ سالار جنرل وان تھاما جو افریقہ میں گرفتار ہوا۔ اطالویوں کی نسبت کہتا ہے:۔

...... ہٹلر کا خیال تھا کہ اطالوی فوج تھوڑی سی جرمن امداد کے ساتھ افریقہ کے محاذ پر جمی رہے گی۔ اُس نے دراصل اطالویوں سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ مگر میں انہیں اس سے پہلے سپین میں لڑتے دیکھ چکا تھا۔ ہٹلر کی رائے کا دارومدار اس بات چیت پر تھا جو ڈنر کے میزوں پر ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ہٹلر نے اس بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا:

میں نے اطالویوں کو محض میس ( Mess ) کی دعوتوں ہی میں نہیں دیکھا۔ میدانِ جنگ میں بھی دیکھا ہے۔ میری رائے میں ایک برطانوی سپاہی بارہ اطالویوں پر تنہا بھاری ہے۔ اطالوی بہت اچھے مزدور تو ہیں مگر اچھے سپاہی ہرگز نہیں۔ انہیں بارُود سے نفرت ہے۔

**فیلڈ مارشل منٹگمری**

جرمن جنرل وان تھاما کی رائے میں "منٹگمری اس جنگ کا تنہا فیلڈ مارشل ہے جس نے ہر معرکہ سر کیا ہے۔" جرمنوں کے متعلق منٹگمری کی معلومات پر بھی وان تھاما کو بڑی حیرت ہوئی۔ اپنے قید ہونے کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے "منٹگمری نے مجھے رات کے کھانے پر گفتگو کے لئے بلایا مگر مجھ سے کچھ پوچھنے کے بجائے اس نے خود ہی جرمن فوجوں کی ساری ترتیب بتا دی۔ منٹگمری ہماری قوت و کمزوری کے متعلق اتنا ہی آگاہ تھا جتنا کہ میں۔"

**ہٹلر اور نپولین**

روسی محاذ کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے کیپٹن لڈل ہارٹ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ روس پر ہٹلر کا حملہ بھی نپولین کے حملے کی دوسری رُوداد ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ہٹلر ماسکو تک نہ پہنچ سکا۔ تاہم وہ فیصلہ کُن فتح کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔ اس کی فوجیں نپولین کی فوجوں کے مقابلے میں زیادہ مدت تک رُوس میں جمی رہیں۔ اور جرمنوں نے نسبتاً روس کا زیادہ علاقہ فتح کر یا مگر روس میں ہٹلر کا جادُو اس لئے کامیاب نہ ہو سکا کہ جرمن ہائی کمان حملے کی سمت پر متفق نہ تھی۔

فیلڈ مارشل رَن سٹیڈ روس پر حملہ کرنے کا سخت مخالف تھا۔ مگر ہٹلر کو اندیشہ تھا کہ اگر جرمنی نے حملہ نہ کیا تو رُوس ضرور حملہ کر دے گا۔ ہٹلر کو ایک خوش فہمی یہ بھی تھی کہ رُوس میں سیاسی انقلاب برپا ہو جائے گا۔

فیلڈ مارشل وان کلسٹ کی رائے میں شدید جاڑے نے بھی رُوس کی بڑی مدد کی۔ ثبوت کے طور پر فیلڈ مارشل موصوف لکھتے ہیں:۔

"جاڑے سے قبل سُرخ فوج نے کہیں بھی جم کر فیصلہ کُن انداز میں لڑنے کی

کوشش نہیں کی۔ وہ علاقے پر علاقہ خالی کرتی چلی گئی۔"

## ایڈمرل مزے میں

جرمن بری فوج کے سپہ سالار ہٹلر کے ہاتھوں سخت نالاں رہے۔ البتہ جرمن بحریہ کے ایڈمرل مزے میں رہے۔ بات یہ تھی کہ ہٹلر بحریہ کی نسبت کچھ نہیں جانتا تھا۔ مگر فوج کے متعلق اس کا دعوی تھا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

جرمن چیف آف سٹاف ہالڈر نے ہٹلر کی برہمئی مزاج کا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ روسی جنگ کے دوران میں ایک مرتبہ ہالڈر نے ہٹلر کو بتایا کہ ہماری اطلاعات کے مطابق روسی فیکٹریاں ایک مہینے میں چھ اور سات سو کے درمیان ٹینک تیار کرتی ہیں۔ اس پر ہٹلر خفا ہو گیا۔ زور سے میز پر گھونسا مار کر بولا۔

"یہ ناممکن ہے"——— جس چیز کو وہ نہیں ماننا چاہتا تھا، اسے کبھی نہیں مانتا تھا۔

## ایڈمرل کے آنسو

۴ رمئی ۱۹۴۵ء کو اتحادی فوجیں بانک میں داخل ہوئیں، تو جرمن سپہ سالار بلومنٹرٹ ( Blumentritt ) کی طرف سے متارکہ جنگ کی سلسلہ جنبانی ہوئی۔ دوسرے دن اس محاذ کے سپہ سالار اعلیٰ فیلڈ مارشل بش ( Bush ) کو خود اتحادی ہیڈ کوارٹر میں آنا تھا مگر وہ نہ آ سکا البتہ بش نے اپنی جگہ اپنے دو نمائندے جن میں ایک ایڈمرل فریڈبرگ ( ) تھے۔ اتحادی ہیڈ کوارٹر میں بھیج دئے۔

ایڈمرل فریڈبرگ اور منٹگمری کے درمیان اس سلسلے میں طویل مذاکرات ہوتے رہے جرمن کمانڈر انگریزوں اور امریکیوں سے تو صلح کرنے پر تیار تھے لیکن روس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ تھے ادھر اتحادیوں کو یہ شرط منظور نہ تھی۔ یہ جرمنی سے غیر مشروط ہتھیار رکھوانا چاہتے تھے۔ منٹگمری نے آخر میں قدرے کرخت ہو کر کہا۔ "ایڈمرل — ہتھیار غیر مشروط ہی رکھوائے جائیں گے۔ ورنہ ہمیں جنگ جاری رکھنے میں خوشی ہوگی"——— اس کے بعد منٹگمری جرمن امیر البحر کو اپنے نقشہائے جنگ کے کمرے میں لے گیا اور اسے جرمن فوجوں کی ابتری و بدحالی کا نقشہ دکھایا۔ یہ نقشہ دیکھ کر جرمن امیر البحر کو ضبط کا یارا نہ رہا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور روتے روتے

صلحنامہ کی عارضی دستاویز پر جو اس کے آنسوؤں سے تر بتر تھی۔ دستخط ثبت کر دیئے۔ دو روز بعد فیلڈ مارشل جوڈل نے جرمنی کی طرف سے اس معاہدے کی آخری تصدیق کر دی۔

**بلیس جرمن ہوں** ہالینڈ کے محاذ پر جرمنوں کی حالت نازک ہو گئی تھی۔ ہالینڈ کے لوگ قحط عام سے مر رہے تھے۔ جرمن کمان اعلیٰ نے جنرل سیس ( ) کو "ایک محاذی سمجھوتہ" پر گفتگو کرنے کے لئے آئزن ہاور کے چیف آف سٹاف جنرل بیڈل سمتھ کے پاس بھیجا۔

طول طویل بحث و تمحیص کے بعد جب معلوم ہوا کہ جرمن غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں ہیں تو جنرل سمتھ نے سختی سے کہا۔

"جنرل مارشل! اچھی طرح سے سن لو۔ مزید تاخیر کے لئے جنرل آئزن ہاور تمہیں ذاتی طور پر ذمہ دار سمجھیں گے اور اس کی سزا تمہیں معلوم ہے کیا ہے —— دیوار اور گولیوں کی بوچھاڑ!"

"میں اس سے نہیں ڈرتا" سیس نے تنک کر جواب دیا "میں جرمن ہوں"

**بات پوری کر دی** ہٹلر عموماً کہا کرتا تھا۔ جب تک میں زندہ ہوں جنگ جاری رہیگی ۱۹۴۵ء سے پہلے ہی جرمنی میں جنگ سے تکان اور بیزاری کے عام آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ بڑے بڑے نازی لیڈر ٹوٹ چکے تھے۔ گوئرنگ علیحدہ ہو چکا تھا۔ ہملر بذاتِ خود سویڈن کی حکومت کے توسط سے صلح کی کوشش کر رہا تھا۔ وفادار ساتھیوں میں سے صرف ڈاکٹر گوبلز ہٹلر کا ساتھ دے رہا تھا۔

برلن کی لڑائی کی کمان ہٹلر خود کر رہا تھا۔ اس نے عہد کر رکھا تھا کہ وہ زندہ گرفتار نہیں ہوگا اور اس نے یہ عہد پورا کر دکھایا۔ برلن کے گلی کوچوں میں خون ریز لڑائی ہوتی رہی۔ ایک ایک مقام کئی کئی مرتبہ ہارا اور چھینا گیا۔ لیکن جب بازی ہرتی دیکھی تو ہٹلر نے اپنی محبوبہ ایوا براؤن سمیت چانسری کی عظیم الشان عمارت میں خودکشی کر لی۔ اور زندہ تو زندہ اس کی لاش تک اتحادیوں کے ہاتھ نہ آسکی۔

ڈاکٹر گوبلز نے بھی اپنے پورے کنبے سمیت خودکشی کر لی۔

**عجیب اتفاق** فرانس۔ جرمن محاذ پر جرمن فوجوں کے سپہ سالار فیلڈ مارشل وان کلسٹ

( Kliest ) اپنے ہیڈکوارٹر میں بیٹھے تھے کہ جرمن ہائی کمان سے ایک ضروری پیغام ملا۔ لکھا تھا:-

"آپ کے محاذ پر فرانسیسی کمانِ اعلیٰ نے آج سے جنرل جیراڈ (Giraud) کو کمانڈر اعلیٰ مقرر کیا ہے۔"

وان کلسٹ ابھی یہ پیغام پڑھ ہی رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک فرانسیسی جرنیل داخل ہوا۔

"میں جنرل جیراڈ ہوں" نووارد نے کہا۔

جنرل جیراڈ ایک آرمرڈ کار میں بیٹھے اپنی فوج کے کسی دستے کی تلاش میں غلطی سے جرمن کمانڈر انچیف کے ہیڈکوارٹر میں آنکلے تھے۔

## اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہوگئے

## مارشل کا "کورٹ مارشل"

۱۹۴۲ء میں روسی محاذ پر فیلڈ مارشل کلیج ( Kluge ) نے ایک رقبہ میں ہٹلر کی اجازت کے بغیر اپنی فوج کو قدرے پیچھے ہٹا لیا۔ اس پر ہٹلر نے کلیج کو بڑی سخت تنبیہ کرتے ہوئے لکھا کہ اگر پھر ایسی حرکت کی گئی تو مارشل کا "کورٹ مارشل" کر دیا جائے گا۔

ہٹلر دراصل اس وقت اس محاذ پر ایک ایک گز بلکہ ایک ایک انچ زمین پر جم کر لڑنا چاہتا تھا اور اس کی منظوری کے بغیر جرنیلوں کا تھوڑا سا پسپا ہو جانا بھی ہٹلر کی خفگی و برہمی کا باعث ہوتا تھا۔

جرمن بٹالین کمانڈر ان دنوں اکثر کہا کرتے تھے۔ "ہم تو ایک سنتری کو بھی کھڑکی سے ہٹا کر دروازے پر کھڑا کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔"

## سورگے جاسوس

رچرڈ سورگے غالباً اس جنگ کا سب سے بڑا جاسوس گزرا ہے اس کے کارنامے حیرت انگیز تھے۔ وہ ان معدودے چند جاسوسوں میں شمار ہوتا ہے جو تاریخ کا رُخ بدلتے رہے ہیں۔

سورگے پیدائش کے لحاظ سے جرمن تھا۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ میں وہ جرمن فوج میں شامل

تھا۔ ۱۹۲۴ء میں کمیونسٹ بن کر ماسکو جا پہنچا اور پھر سرخ فوج کے خفیہ سراغ رسانی کے محکمہ میں شامل ہو گیا۔ ۱۹۳۰ء میں اسے اپنا جال بچھانے کے لئے مشرقی ممالک میں بھیجا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں جب جرمنی میں نازی پارٹی برسر اقتدار آئی تو اس پارٹی کے ایک سرگرم ممبر کے روپ میں وہ جاپان پہنچ گیا اور ٹوکیو کے جرمن سفارت خانہ میں رسوخ پیدا کر لیا۔ وہ اپنے مقصد میں اتنا کامیاب ہوا کہ ۱۹۳۹ء میں جب جنگ چھڑی تو اسے ٹوکیو کے جرمن سفارت خانے کا افسر اطلاعات مقرر کر دیا گیا۔ سفارت خانے میں اس کا عمل دخل اتنا بڑھ گیا کہ ہر صبح کا ناشتہ وہ جرمن سفیر کے ساتھ کھاتا تھا۔ جہاں انتہائی رازدارانہ مسائل پر بڑی آزادی سے تبادلہ خیال ہوتا تھا اور سورگے یہ سب اطلاعات برابر ماسکو پہنچا رہا تھا۔

سورگے کا مشیر ایک ایسا شخص تھا جو جاپانی وزیر اعظم پرنس کونوے (Konoye) کا مشیر رہ چکا تھا۔

بعد میں جرمنوں اور جاپانیوں کو اصل حقیقت معلوم ہوئی تو سورگے گرفتار کر لیا گیا اور ۱۹۴۴ء میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

## نورمبرگ کا مقدمہ

جرمنی کی شکست کے بعد "جنگی جرائم" کے سلسلہ میں اتحادیوں نے نورمبرگ میں جرمن "جنگی ملزموں" پر مقدمات چلائے تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس ضمن میں جرمن فوج کے ڈیڑھ لاکھ سے زائد افراد اتحادی عدالتوں کے سامنے پیش ہوئے جن میں فیلڈ مارشل سے لیکر لانس کارپورل تک کے عہدہ دار شامل تھے ان میں سے بیس صف اول کے مجرم سمجھے گئے۔ اکسٹھ صف دوم کے اور ۳۲۵ صف سوئم کے۔

## پٹرول اونٹوں پر

روسی محاذ پر ایک مرتبہ جرمن فوج میں پٹرول کا اس قدر توڑا ہو گیا کہ جرمن ٹینک کئی ہفتوں تک پٹرول کے بغیر کھڑے رہے بعد میں پٹرول بچانے کے لئے کچھ مدت تک پٹرول اونٹوں پر لاد کر محاذ جنگ تک پہنچایا جاتا رہا۔

## یہ بھی وہ بھی

ایک جونیئر افسر نے جو افریقہ اور اٹلی کے محاذوں میں شامل رہے تھے اور اپنے فرائض کے سلسلے میں جن کا واسطہ جرمن اور اطالوی قیدیوں سے اکثر رہا۔ راقم سے بیان کیا۔ کہ جرمنوں اور اطالویوں کے کردار میں نمایاں فرق تھا۔ جرمن قیدی وقار و اطمینان۔ خاموشی و سنجیدگی کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے۔ وہ اداس ضرور نظر آتے۔ مگر خوف و ہراس کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں نہ ہوتے تھے۔ وہ نہ سگرٹ مانگتے تھے نہ کھانا۔ دانہ۔ اگر کسی نے کچھ دیدیا تو شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا ورنہ مزے سے بیٹھے ہیں۔ سگرٹ حالانکہ عام پیتے تھے لیکن اگر سگرٹ انہیں پیش کئے جاتے تو اظہار تشکر کے بعد قبول نہ کرتے۔

اس کے برعکس اطالویوں کی حالت سخت ابتر تھی۔ خوف و ہراس ان کی ایک ایک رگ سے فوارے کی طرح اُبلتا ہوا نظر آتا تھا۔ لرزتے اور کانپتے۔ روتے اور چلاتے۔ اور جب انہیں سلامتی جاں کے متعلق یقین ہوجاتا تو پھر کھانے دانے سے زیادہ سگرٹوں کے لئے گڑگڑانے لگتے۔ اور جب ازراہِ ترحم انہیں سگریٹ مہیا کئے جاتے تو ڈوسے کی اُمّت آپس میں وہ چھینا جھپٹی اور دھینگا مشتی کرتی کہ

ناطقہ سر بہ گریبان کہ اسے کیا کہئے

یہی وجہ تھی کہ ہندوستانی سپاہیوں میں جرمنوں کے لئے بےحد عزت تھی

## آخری خط

ہٹلر کے خلاف ۲۰ جولائی ۱۹۴۴ء کی سازش کے بعد جب فیلڈ مارشل کلج روسی محاذ کی کمان سے الگ کیا گیا تو کلج نے فیلڈ مارشل موڈل کو کمان سونپ کر ذلت و رسوائی کے اندیشے سے خودکشی کرلی۔ مگر مرنے سے پہلے جنگ آزمودہ فیلڈ مارشل ذیل کا خط ہٹلر کے نام چھوڑ گیا تھا

"جب یہ خط آپ کو ملے گا میں اس دُنیا میں زندہ موجود نہیں ہوں گا۔ میں یہ بدنامی برداشت نہیں کر سکتا کہ روسی محاذ پر میری غلطیوں کی چھاپ لگائی جائے۔ نہ میں اپنی صفائی و مدافعت ہی پیش کر سکتا ہوں۔ لہٰذا میں نے وہیں جانے کا فیصلہ کیا ہے جہاں مجھ سے پہلے میرے کئی رفیقانِ کار جا چکے ہیں۔ ...... میں نے موت سے

کبھی خوف نہیں کھایا۔ اور اب تو میرے لئے زندگی کے کوئی معنی ہی نہیں رہ گئے ...... روسی محاذ پر سے میرے تبصرات مایوسی کے مظہر نہ تھے بلکہ حالات و واقعات پر مبنی تھے۔ میں نہیں جانتا کہ فیلڈ مارشل موڈل۔ جو ایک آزمودہ کار جرنیل ہیں ان حالات پر قابو پا سکیں گے یا نہیں۔ بہرحال میری آرزو ہے کہ وہ معاملات کو درست کر سکیں لیکن اگر وہ ایسا نہ کر سکیں اور آپ کے "نئے ہتھیار" بھی ناکام رہیں تو میرے فیوہرر جنگ کو جلد سے جلد ختم کئے جانے کا فیصلہ نہایت ضروری ہے۔ جرمنی کے فرزند ناقابلِ بیان مصائب برداشت کر چکے ہیں۔"

یہاں اس بات کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہو کہ کلج کے بعد فیلڈ مارشل موڈل کو بھی یہی راستہ اختیار کرنا پڑا تھا ——— خودکشی!

**جولائی کی سازش** بعض مقتدر جرمن جرنیل اپنی ہارتی ہوئی جنگ سے اُکتا چکے تھے وہ اب جنگ کو ختم کرنے کے حق میں تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جرمن خون کو بے سود بہایا جائے۔ لیکن جب تک ہٹلر زندہ تھا جنگ "مر" نہیں سکتی تھی۔ چنانچہ ان سے بعض نے ہٹلر ہی کو ختم کرنے کی سازش کی۔ ۲۰ جولائی ۱۹۴۴ء کو ہٹلر پر بم پھینکا گیا لیکن وہ سلامت بچ گیا۔

بیان کیا گیا ہے کہ اس سازش میں فیلڈ مارشل کلج اور فیلڈ مارشل رومیل بھی شامل تھے۔ جنرل سپڈل ( Speidel ) جنرل سٹیف ( Stieff ) اور جنرل سٹوپنگل ( Stupingel ، سازش کے سرگرم علمبرداروں میں سے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگرچہ وضع دار و قدامت پرست فیلڈ مارشل رن سٹیڈ ( Rundstead ) کو بھی سازش کا علم تھا مگر اس نے کوئی سرگرم حصہ نہیں لیا۔

**روسی کمانڈر انچیف** خارکوف کے مشہور محاذ پر روسی فوجوں کے کمانڈر انچیف مارشل ٹموشنکو ( Tinoshanko ) تھے۔

**سُرخ فوج** جرمن فیلڈ مارشل کلسٹ کی رائے میں روس کے سپاہی بڑے اچھے لڑیت تھے۔ تجربے نے انہیں اور بھی عمدہ سپاہی بنا دیا تھا۔ وہ

بڑی شدت سے لڑتے تھے۔ ان کی قوتِ برداشت حیرت انگیز تھی۔ وہ اُن بہت سی چیزوں کے بغیر بھی، جو دوسری فوجوں میں لازمی سمجھی جاتی ہیں، گزر کر لیتے تھے ........ ابتدائی شکستوں کے بعد روسی جنرل سٹاف نے بھی کافی اصلاح کر لی تھی۔

...... رُوس کا ۳۴ مارک ٹینک دُنیا بھر میں بہترین ٹینک تھا۔

ایک اَور جرمن جرنیل منٹی فل ( Manteuffel ) لکھتا ہے...

.... لمبا اوقات میں نے روسی ٹینکوں میں لڑکیوں کو وائرلیس پر کام کرتے ہوئے دیکھا دلیر مضبوط اور پُرجوش لڑکیاں۔

...... بکتربند رُوسی فوج ٹینکوں اور ٹرکوں پر مشتمل تھی۔ موٹریں، موٹر سائیکلیں یا دوسری فوج کی ہلکی گاڑیاں اُن کے ہاں نہیں تھیں۔ البتہ بعد میں امریکی ساخت کی جیپ موٹریں نظر آنے لگی تھیں۔ جو عموماً بٹالین کمانڈروں کے زیرِ استعمال رہتی تھیں۔

قدامت پرست بوڑھا جرمن سپہ سالار فیلڈ مارشل رن سٹیڈ کہتا ہے ....

... رُوس کے بھاری ٹینک ساخت اور اعتماد دونوں لحاظ سے حیرت انگیز تھے۔ البتہ سُرخ فوج کے پاس توپ خانہ کم تھا۔ ہوائی قوت بھی کچھ یونہی سی تھی۔

لڑوسی جرنیلوں کے متعلق رن سٹیڈ لکھتا ہے ...... ۱۹۴۱ء میں تو اُن کے پاس ایک بھی اعلےٰ پایہ کا جرنیل نہیں تھا جو کچھ تھا جنرل بُڈنی ( Budenny ) ہی تھا۔ (رن سٹیڈ کا مدِّمقابل ۔ مرتب) مگر اس کی نسبت بھی عموماً کہا جاتا تھا کہ ۔

اس شخص کی مونچھیں جتنی بڑی ہیں دماغ اُتنا ہی چھوٹا ہے۔

مارشل زدکوف ( Zbexov ) اور مارشل کونیو ( Koni ) دو اَور اعلیٰ پایہ کے سپہ سالار تھے۔ اتفاق دیکھئے کہ مارشل زدکوف نے ۲۳-۱۹۲۱ء میں اپنی فوجی تربیت جرمنی میں حاصل کی تھی۔

روس اور فرانس ۔ کیپٹن لڈل ہارٹ کی رائے میں اس جنگ کی رُوسی فوج زار

کی فوج سے کہیں زیادہ مضبوط و منظم تھی۔ اس کا عزم۔ اس کا حوصلہ۔ اس کا ضبط اور چلن معیاری تھا۔ جہاں جہاں مقابلہ ہوا سخت ترین مقابلہ ہوا جہاں سُرخ فوج نے پسپا ہونے سے انکار کیا۔ اسے کوئی پسپا نہ کر سکا۔۔۔ جرمن سپاہی عموماً کہا کرتے تھے۔

"روس میں لڑائی ہو رہی ہے اور فرانس میں فائر بریگیڈ کی مشق"

**ٹینک اور گھوڑے** رُوسی فوج کی ایک خوب بات یہ تھی کہ ان کے ہاں رسل و رسائل کا مسئلہ بڑا سیدھا تھا۔ سُرخ فوج کی پیش قدمی کا انداز ایسا تھا کہ مغربیوں کی سمجھ ہی میں نہیں آسکتا۔ سب سے آگے ٹینک۔ پھر رسالہ کے گھڑ سوار۔ ہر سوار کے پاس ایک تھیلہ جس میں ڈبل روٹی۔ بسکٹ۔ پانی۔ سب کچھ موجود۔ تازہ سبزیاں بھی جو راستے کے دیہاتوں ہی میں سے جمع کر لی جاتی تھیں۔ ——— اور گھوڑے؟ وہ چلتے چلتے، دیہاتی مکانوں کی نیچی نیچی چھتوں پر اُگا ہوا گھاس چرتے جاتے تھے۔ بس ۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور اس طرح مسلسل تین تین ہفتے سُرخ فوج پیش قدمی میں مصروف رہتی۔ آپ ان کے رسد کا خط کاٹ کر ان کی پیش قدمی کو روک بھی نہیں سکتے تھے۔ رسد کی کوئی لائن ہو تو کاٹی بھی جائے؟

ہیں دامن ہی نہیں رکھتا کہ اُلجھے خار دامن سے

**عورتوں کی پلٹن** ۔ ۔ ۔ ۔ روسی محاذ پر لٹوسک کے مقام پر روسی خواتین کی ایک پلٹن نے عملی جنگ میں حصہ لے کر بڑا نام پیدا کیا۔ جون ۱۹۴۱ء کے دن تھے۔ جرمن حملہ پورے عروج پر تھا۔ اس پلٹن کی شیر دل عورتیں "آخری گولی اور آخری سپاہی" تک لڑتی رہیں۔ خود کام آئیں مگر جرمن حملے کو ایک ہفتے تک روکے رکھا۔

**جنگی مظاہرہ** جنرل آئزن ہاور ماسکو میں مارشل سٹالن کے ساتھ لینن کی قبر پر کھڑے روسی عوام کا ایک مظاہرہ دیکھ رہے تھے تقریباً پچاس ہزار روسیوں کا ایک جلوس متواتر پانچ گھنٹے تک ان کے سامنے سے گزرتا رہا۔

مظاہرے کا سب سے قابلِ ذکر پہلو ایک جنگی رقص تھا جس کے ساتھ ایک ہزار قسم کے مختلف ساز بج رہے تھے۔

مظاہرے کے دوران میں مارشل سٹالن نے جنرل آئزن ہاور سے کہا:-

"اس قسم کے مظاہرے عسکری رُوح کو اُبھارتے ہیں۔ آپ کے ملک کو بھی اس طرف زیادہ توجہ دینی چاہیئے ——— جرمنوں کو تو اب ہم ایسا کبھی نہ کرنے دینگے۔"

**مادرِ سوویت کیلئے**

اگست ۱۹۴۵ء میں آئزن ہاور ماسکو گئے تو آپ جہاں جہاں بھی گئے رُوس کے ساتھ رُوسی عوام کی بے پناہ وابستگی کے جذبہ سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کے بقول "روسی لوگ مشقت کو مشقت ہی نہیں سمجھتے وہ کہتے تھے "یہ تو ہم مادرِ سوویت کے لئے کر رہے ہیں"

ایک جنگی اسلحہ ساز فیکٹری کی روزانہ اوسط حاضری ۹۵ فیصدی تھی حالانکہ کارکنوں اور مزدوروں میں عورتوں اور بچوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

(کروسیڈ ان یورپ)

**خوش فہمی**

ہٹلر کا خیال تھا رُوس زیادہ سے زیادہ آٹھ دس ہفتوں میں ختم ہو جائے گا۔ پروپاگنڈا کے وزیر ڈاکٹر گوبلز قوم کو یقین دلا رہے تھے کہ جرمن سپاہی کرسمس کی تقریب گھروں میں آکر منائیں گے۔

خوش فہمی کی انتہا یہ تھی کہ روسی محاذ کے کمانداروں نے جب گرم وردیوں کا مطالبہ کیا تو ہٹلر نے اس مطالبے پر کوئی غور نہ کیا۔ اسے یقین تھا کہ لڑائی سردیوں سے پہلے ہی ختم ہو جائے گی۔ بلکہ اس نے بعض ڈویژنوں کے توڑے جانے کا فیصلہ بھی صادر کر دیا تھا۔

**چھ لاکھ قیدی**

ماسکو کی طویل و خون ریز لڑائی میں جرمنوں کو سب سے عظیم کامیابی "ویاسما" ( Vyasma ) اور برینسک ( Bryansk ) میں ہوئی۔ صرف انہیں دو معرکوں میں چھ لاکھ روسی قید ہوئے۔ جنرل گوڈرین کے ٹینک ماسکو سے صرف چالیس میل دور رہ گئے۔ ماسکو میں بھڑکتے ہوئے شعلے سامنے نظر آ رہے تھے

مگر پھر یہیں سے جرمنوں کی پسپائی شروع ہوتی ہے۔ روسی اس بے جگری سے لڑے کہ جرمنوں کے دانت کھٹے کر دئیے۔ اتنے میں روس کا وہی مشہور و معروف جاڑا شروع ہو گیا۔ جس نے تاریخ کے ایک سابق فاتح اعظم نپولین کے ارمانوں کو خاک و خون میں ملا دیا تھا۔ برفباری نے وہ زور باندھا کہ جرمن سپاہیوں کا سارا وقت برف کاٹ کر راستہ بنانے میں کٹ جاتا۔ گھوڑے اور دوسرے جانور ساز و سامان لے کر چلتے تو کمر کمر تک برف میں دھنس جاتے۔ پارہ حرارت عموماً درجہ انجماد سے ۲۸ خانے نیچے رہتا۔ یہ جرمنوں ہی کا دل گردہ تھا کہ وہ ان سنگین حالات میں بھی مدت تک وہاں جمے رہے۔ مگر ہٹلر کو یہ سودا بہت مہنگا پڑا۔ جون ۱۹۴۱ء سے فروری ۱۹۴۳ء تک دس لاکھ جرمن سپاہی کسی نہ کسی طرح اس مہم کی نذر ہوئے۔ آخری عام پسپائی کے وقت یہ حالت ہو گئی تھی کہ اٹھارہ اٹھارہ ہزار کے ڈویژن میں مشکل سے چار یا پانچ ہزار سپاہی رہ گئے تھے۔

## سٹالن گراڈ کی قیمت

سٹالن گراڈ کے دفاع میں روسیوں کی شہرہ آفاق قربانی ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکی ہے لیکن جرمنوں کو بھی سٹالن گراڈ کے جنون کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی تھی۔

روسیوں نے اپنے چھ ہفتے کے مسلسل جوابی حملے میں ۱۲۷۶۰۰ جرمن قید کئے اور ایک اندازے کے مطابق اس معرکے میں پونے دو لاکھ جرمن سپاہی ہلاک یا زخمی ہوئے۔ جرمن فیلڈ مارشل پالوس کو اپنے سولہ جرنیلوں سمیت اسی محاذ پر ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔

روسی کمانداروں میں سے کرنل جنرل وورونوف ( Voronov ) جنرل مالنوسکی ( Malinvsky ) اور میجر جنرل ٹالبوکن ( Tolbukhin ) نے اس معرکہ میں بڑی شہرت حاصل کی۔

## دوستی کا تقاضا

جنرل آئزن ہاور ماسکو گئے ہوئے تھے۔ روسی چیف آف جنرل سٹاف مارشل ژوکوف نے ایک ملاقات کے دوران میں جنرل آئزن ہاور کو ایک امریکی رسالہ دکھایا جس نے مارشل سٹالین کی ایک نہایت بھونڈی مضحکہ انگیز صورت بنا کر تصویر چھاپی تھی۔ مارشل ژوکوف نے غضبناک ہو کر کہا کہ اگر آپ

کی کوئی ایسی تصویر کسی روسی جریدے میں شائع ہوتی تو میں دیکھتا کہ وہ کیونکر ایک دن بھی زندہ رہ سکتا تھا۔

جنرل آئزن ہاور کو اس پر امریکہ میں آزادی صحافت و آزادی اظہار رائے کے موضوع پر ایک طویل لکچر پلانا پڑا۔ لیکن غضبناک مارشل کا غصہ فرو ہونے میں نہ آتا تھا۔ سارا لکچر سننے کے بعد مارشل نے کہا۔

"اگر تم روس کے دوست ہو تو اس معاملہ میں تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا پڑے گا"

## رومیل کے متعلق

اپنے چیف آف اسٹاف جنرل ویسٹ پال کے الفاظ میں رومیل ایک ہمہ گیر شخصیت کا مالک تھا۔ آج بھی سابق جرمن سپاہی جب افریقہ کور کا تصور کرتے ہیں تو رومیل کی یاد تازہ ہو جاتی ہے وہ صحرائی جنگ لڑنے کا بڑا ماہر تھا۔ اس کی عظمت کا راز اس کی پرجوش شخصیت میں ہے اس کی قوت ارادی آہنی تھی۔ افریقہ کور سے جو کام اس نے لیا وہ صرف رومیل ہی لے سکتا تھا۔ اس کے سپاہی اس کے پیچھے پیچھے ہر مرحلے میں کود جاتے تھے کیونکہ وہ ہر مرحلے میں رومیل کو اپنے درمیان پاتے تھے۔ وہ ایک پیدائشی لیڈر تھا۔

وہ غلطی یا کمزوریوں سے مبرا نہ تھا۔ جہاں روشنی ہو گی وہاں سایہ بھی ہو گا۔ بعض اوقات وہ اپنے وسائل و امکانات کی حد سے بہت آگے نکل جاتا تھا۔ اس کی صاف گوئی میں کھردرا پن بھی تھا جو اطالوی حلیفوں کو ناگوار گزرتا تھا۔

## لڈل ہارٹ کی رائے

کسی بڑے سپہ سالار کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ دشمن اس کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے۔ اس اعتبار سے مشہور انگریز مبصر لڈل ہارٹ کے نزدیک رومیل ایک عظیم سپہ سالار تھا بلکہ اس کے الفاظ میں نپولین کے بعد آج تک کوئی ایسا سپہ سالار نہیں گزرا جس نے رومیل کی طرح انگریزوں کو متاثر کیا ہو۔ ویول کے علاوہ کوئی دوسرا جرنیل نظر نہیں آتا جس نے رومیل کی طرح کم وسائل کے ساتھ لڑائی میں کامیابی حاصل کی ہو۔

نپولین کی رائے میں عظیم سپہ سالار وہ ہے جو بہت کم غلطیاں کرتا ہو۔ لڈل ہارٹ اس

معیار سے بھی رومیل کو ایک بڑا جرنیل سمجھتا ہے۔

**ویول کی نظر میں** فیلڈ مارشل لارڈ ویول کی رائے میں عوامی قبولیت صرف رومیل ہی کو نصیب ہوئی۔ ان کے نزدیک رومیل غیر معمولی بہادر اور تزویراتِ جنگ کا ماہر جرنیل تھا۔ میدانِ جنگ کے ہتھیاروں میں لارڈ ویول رومیل کو ولنگٹن کا ہم پلہ سمجھتے ہیں۔

بعض نقادوں کی رائے میں رومیل جنگ کے انتظامی معاملات پر پوری توجہ نہیں دیتا تھا۔ نیز وہ اعلیٰ سطح پر ایک وسیع پھیلی ہوئی جنگ کو گرفت میں رکھنے کے قابل تھا۔ مگر لارڈ ویول کی رائے میں رومیل نے مشرقِ وسطیٰ کی اہمیت کو سمجھنے میں ہٹلر اور جرمن ہائی کمان سے بہتر بصیرت کا ثبوت دیا تھا بلکہ ان کے الفاظ میں یہ انگریزوں کی خوش قسمتی تھی کہ جنگ کی اعلیٰ کمان ہٹلر کے ہاتھ میں تھی رومیل کے ہاتھ میں نہ تھی۔

**رن سٹیڈ کی نظر میں** رن سٹیڈ کے چیف آف اسٹاف جنرل بلومنٹرٹ نے رن سٹیڈ کے سوانح حیات میں یہ بات لکھی ہے کہ رن سٹیڈ اکثر رومیل کی تعریف کرتا تھا اور اپنے کمانڈروں سے زیادہ رومیل کے مشوروں پر اعتماد کرتا تھا۔

**رومیل اور ہٹلر** ۱۹۴۲ء میں جرمن جرنیل گوڈرین نے فرانس کے محاذ کے متعلق ایک جامع رپورٹ لکھ کر ہٹلر کو بھیجی تو ہٹلر نے اس پر لکھا —— بہت اچھی رپورٹ ہے مگر مجھے رومیل کی رائے پر پورا اعتماد ہے۔ لہٰذا پہلے رومیل اور رن سٹیڈ سے بات کرو۔

**اطالوی سپاہی** رومیل کے سکرٹری میجر شارپر نے افریقہ سے رومیل کی بیوی کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ ہمارے پاس جرمن فوج بہت کم ہے اور اطالویوں کے ساتھ ہم کچھ کر نہیں سکتے۔ وہ اول تو سامنے جاتے ہی نہیں جاتے ہیں تو پہلی گولی پر بھاگ نکلتے ہیں یا پھر انگریز سپاہی کو دیکھتے ہی ہاتھ بلند کر دیتے ہیں۔

خود فیلڈ مارشل رومیل کی ڈائری میں اس موضوع پر ذیل کی صراحت ملتی ہے۔

اطالوی ہائی کمان نے اپنی ایک "کور" میری کمان سے نکال لی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں اتنی دُور نہیں بیٹھ سکتا جتنی دُور کہ وہ چاہتے ہیں مگر اس پر بعد میں ان کو افسوس ہوگا۔ العالمین کی لڑائی کے موقع پر رومیل نے اس سے بھی سخت الفاظ میں تذکرہ کیا ہے، سمندر میں ہماری کالونی کی حفاظت اطالوی بیڑے کے سپرد تھی مگر اطالوی بیڑے کے اکثر افسر اور ملاح دوسرے اطالویوں کی طرح مسولینی کے سخت خلاف تھے۔ وہ ہماری فتح کے بجائے ہماری شکست کے آرزومند تھے۔ خود اُونچے منطائی افسروں میں سے اکثر رشوت خور تھے یا پھر ایسے نمائشی کہ کام کرنا نہیں چاہتے تھے۔

ایک اور مقام پر اٹلی کی شکست کے اسباب بیان کرتے ہوئے رومیل نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ان کے ہتھیار کمتر درجہ کے تھے۔ لیڈروں کو جنگ میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سپاہیوں کا راشن اس قدر خراب تھا کہ اکثر وہ جرمن سپاہیوں سے مانگ تانگ کر کھاتے تھے۔ افسر اور سپاہی کے درمیان اس معاملے میں اتنی وسیع خلیج تھی کہ جہاں میدان جنگ میں سپاہی کے لئے کھانے پکانے کا کوئی انتظام نہیں تھا وہاں اطالوی افسروں کی بڑی اکثریت میدان جنگ میں بھی کھانے کے لئے لمبے چوڑے "کورسوں" پر مصر رہتی تھی۔

اطالوی لیڈروں۔ افسروں اور سپاہیوں کے متعلق رومیل کے تجربات و تاثرات بہت تلخ معلوم ہوتے ہیں۔ ایک مقام پر تو اس نے صاف لکھا ہے کہ اطالوی کمزوری نے میرے اکثر منصوبوں کا گلا گھونٹ دیا۔

## فیلڈ مارشل کسل رنگ

اٹلی میں فیلڈ مارشل کسل رنگ جرمنی کا سپہ سالار اعلیٰ تھا امریکی جرنیل مارک کلارک کی رائے میں جس کا مقابلہ زیادہ تر اسی حریف سے رہا کسل رنگ جرمنی کا زیرک ترین جرنیل تھا۔ وہ توپ خانے اور فضائی حملے کا ماہر تھا۔ اٹلی میں جرمن منصوبہ بندی کو اس نے بڑی مہارت اور ہنرمندی کے ساتھ قائم رکھا۔ مارک کلارک لکھتا ہے کہ جب کسل رنگ کو اٹلی سے تبدیل کر کے فرانس میں بھیجا گیا تو میں بہت خوش ہوا۔

**رومیل اور گوئرنگ** رومیل اور گوئرنگ کے تعلقات سخت ناخوش گوار تھے۔ رومیل نے گوئرنگ کے متعلق اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے گوئرنگ اس کا بدترین دشمن تھا اور وہ اُسکی موقوفی کے درپے تھا تاکہ شمالی افریقہ میں اپنے منصوبے پورے کرسکے۔

**مسولینی ایک اداکار** مسولینی کے بارے میں رومیل نے ایک مقام پر لکھا ہے۔ مسولینی بھی دوسرے اطالویوں کی طرح ایک عظیم اداکار تھا۔

**سٹالن نے کہا** ماسکو کی ایک کانفرنس میں برٹش نیوی کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے مارشل سٹالن نے مسٹر چرچل سے کہا ـــ برٹش نیوی میں اب دم خم باقی نہیں رہا۔ آپ کے جہاز رُوس کی طرف آتے ہوئے نصف راستے ہی میں ختم ہو جاتے ہیں۔

**ڈیول۔ رومیل** ڈیول کے متعلق رومیل بڑی اچھی رائے رکھتا تھا۔ افریقہ میں سوئم کی لڑائی کا تذکرہ کرتے ہوئے رومیل نے لکھا ہے کہ ڈیول کے حملے کا منصوبہ نہایت اعلیٰ تھا۔ لڑائی لڑنے کے طریق کار میں ڈیول دوسرے برطانوی سالاروں سے مختلف تھا۔ اسے اپنی تدبیروں پر بڑا اعتماد تھا اور وہ دشمن کی کارروائی کا انتظار کئے بغیر اپنی فوج کو حرکت میں لے آتا تھا۔

**ڈارلان کا خط** شمالی افریقہ میں فرانس کا ایڈمرل ڈارلان سب سے بااثر شخص تھا مگر امریکی اس کے مقابلے میں جنرل جیراڈ کی حمایت کرتے تھے۔ اس پر ڈارلان نے امریکی سالار کو ذیل کا خط لکھا ـــ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امریکی مجھے ایک ایسا لیمو سمجھتے ہیں جس کو رس نچوڑ لینے کے بعد پھینک دیا جائے گا۔

افریقہ کے آزاد فرانسیسی انگریزوں کے ماتحت ہو کر لڑنے کو ناپسند کرتے تھے۔ ڈارلان اس گروہ کا قائد تھا۔ آخر میں اس کو خودکشی کرنا پڑی۔

بیچ دی ہیں۔ اٹلی میں جب کسل رنگ کی فوج نے ہتھیار ڈالے تو کئی جرمن جرنیل

بھی قید میں آ گئے۔ ان جرنیلوں سے ہزار پوچھ گچھ کی گئی مگر وہ کوئی ایسی بات بتلانے پر آمادہ نہ ہوئے جو اتحادیوں کے لیے کارآمد ہو سکتی تھی۔ اس پر ایک شام انہیں خوب شراب پلا کر ایک ایسے مکان میں بٹھا دیا گیا جس کی دیواروں میں "مائیکروفون" پوشیدہ تھے یہ تدبیر بڑی کارگر ثابت ہوئی۔ جرمن جرنیلوں نے خوب چہک چہک کر باتیں کیں اور جتنے راز سینے میں دبائے بیٹھے تھے فاش کر دئے۔ مگر زیادہ تر وہ ہٹلر ہی کو کوستے رہے اسکی بیجا مداخلت، اس کے ناممکن العمل احکامات وغیرہ!

**منٹگمری۔ ویول**

فیلڈ مارشل منٹگمری کی صلاحیتوں اور کارناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے فیلڈ مارشل ویول نے ان کو "جنگ کا ایک عظیم ماہر" قرار دیا ہے۔

**امریکی سپاہی**

امریکی سپاہی کے بارے میں مختلف مبصروں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق بہت کچھ لکھا ہے۔ بعض کے نزدیک امریکی سپاہی کی سب سے بڑی خوبی اس کا جذبہ شباب ہے۔ ان کی رائے میں قوم کی حیثیت سے امریکی قوم کی عمر اٹھارہ بیس برس سے زیادہ نہیں لہذا ان لوگوں میں اس عمر کی تمام خوبیاں اور کمزوریاں موجود ہیں۔ وہ جوشیلے اور مستعد ہیں۔ کار فرمائی کی امنگ سے لبریز ہیں۔ ہر کام میں فوری دلچسپی لیتے ہیں مگر اتنی ہی جلدی اس سے اکتا بھی جاتے ہیں۔ پُرشور۔ مضطرب۔ جذباتی۔ وہ ایک ایسا درخت ہیں جو اوپر سے بڑا دلکش ہے مگر جس کی جڑیں زیادہ گہری نہیں ہیں۔

خود ممتاز امریکی سپہ سالار جنرل پیٹان نے ایک بین الاقوامی پریڈ پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکی سپاہی کے بارے میں ذیل کے خیالات اپنی یادداشتوں میں قلمبند کئے ہیں۔

فرانسیسیوں کے بعد ہمارا ۴۲ واں ڈویژن گزرا۔ ہمارے سپاہی صحت کا اعلیٰ نمونہ تھے، چاق و چوبند۔ مگر اس کے باوجود تقریباتی پریڈوں میں ہمارے سپاہی کچھ شاندار مظاہرہ نہیں کر پاتے۔ میں سمجھتا ہوں ہم لوگ ابھی تک اپنے سپاہی ہونے پر صحیح معنوں میں فخر محسوس نہیں کرتے۔ ہمیں اپنے اندر اس جذبے کو بیدار کرنا چاہیے۔

انگریز نمائشی پریڈوں کے ہنر سے خوب واقف ہے۔ ان کا مظاہرہ نہایت شاندار تھا۔

**صرف اُسترے بنا سکتے ہیں**

ہٹلر کے ہیڈ کوارٹر میں افریقی محاذ کے بارے میں کانفرنس ہو رہی تھی۔ رومیل نے امریکی ٹلیاروں کی غارت گری کا تذکرہ کیا تو فیلڈ مارشل گورنگ بھڑک کر بولا —— یہ ناممکن ہے امریکن صرف اُسترے بنانا جانتے ہیں۔

**انگریز سپاہی**

اس جنگ میں انگریز سپاہی نے اپنے طرزِ عمل سے ایک مرتبہ پھر ثابت کر دیا کہ جدید زندگی کی آسائش اس کی بنیادی جفاکشی کو کھوکھلا نہیں کر سکی۔

امریکی سپہ سالار جنرل مارک کلارک کے الفاظ میں —— جب مرنا ناگزیر ہو۔ انگریز سپاہی مرنے سے ہرگز نہیں ہچکچاتا۔ وہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ مرنا جانتا ہے۔

**امریکہ اور برطانیہ**

اتحادیوں کے ساتھ یُوں تو چھوٹے موٹے کئی ملک تھے۔ مگر سب سے بڑے حلیف۔ برطانیہ۔ امریکہ اور روس ہی تھے۔ ان میں سے بھی روس شروع سے لیکر آخر تک اپنے محاذِ جنگ پر اکیلا ہی لڑتا رہا۔ امریکہ اور برطانیہ البتہ سازوسامان کے ساتھ اس کی مدد ضرور کرتے رہے۔ مگر ان کے درمیان زبردست سیاسی اختلافات موجود تھے۔ اگرچہ جنگ کی نزاکتوں نے انہیں ابھرنے نہ دیا۔ جنگ کے بعد عقائد و نظریات کا یہ تصادم جو رنگ لا رہا ہے اس کا تماشا آج ساری دُنیا دیکھ رہی ہے۔ بہرحال یہ اختلافات چنداں تعجب انگیز نہ تھے۔ ہاں، اگر اختلافات نہ ہوتے تو البتہ حیرت کی بات تھی۔

دوسری طرف امریکہ اور برطانیہ، حالانکہ بظاہر بڑے شیروشکر نظر آتے تھے مگر اُونچی سیاست سے قطع نظر جس کے توازن کو چرچل اور روزویلٹ کے تدبر نے کبھی درہم برہم نہ ہونے دیا۔ میدانِ جنگ کے لیڈروں میں اختلافات کی کافی بدمزگی

اور تلخی پائی جاتی تھی۔ ان دو عظیم الشان اتحادی فوجوں کے درمیان جو ایک مشترکہ خطرناک دشمن کے خلاف شانہ بشانہ لڑ رہی تھیں۔ لڑنے لڑانے کے ڈھنگ، تقدیم و تاخیر کے سوال، جنگی منصوبوں کی تدوین، حرب و ضرب کے طریق کار، قیادت و رہنمائی میں مسابقت وغیرہ ایسے معاملات میں بے شمار اختلاف پیدا ہوتے رہتے تھے جو بعض اوقات بڑی ناگوار صورت بھی اختیار کر لیتے تھے، مگر جنگی مصالح اور پھر انگریز کے تحمل و برداشت کی وجہ سے کوئی تلخی زیادہ طول نہ پکڑ سکی۔

ایک محاذ اور ایک ہی کمان کے ماتحت دو آزاد ہم مرتبہ ملکوں کی دو عظیم الشان فوجوں کا مل جل کر لڑنا دراصل ایک نہایت مشکل کام ہے۔ مزاج و کردار کا اختلاف ہوتا ہے۔ حرب و ضرب کے اسلوب میں اختلاف ہوتا ہے۔ بنیادی عسکری تربیت میں اختلاف ہوتا ہے۔ ہتھیاروں کی ساخت اور ان کے طریق استعمال میں اختلاف ہوتا ہے۔ پھر قومی وقار۔ خودداری۔ امتیاز و اعزاز کے متصادم مقاصد، سپہ سالاروں کی باہمی رقابتیں اور چپقلشیں غرضیکہ ہر طرف اختلاف ہی اختلاف۔ تصادم ہی تصادم جس میں سے کامیابی کے ساتھ گزر جانا آسان نہیں۔ اس اعتبار سے امریکہ اور برطانیہ کو اپنے تمام اختلاف کے باوجود جو کامیابی ہوئی وہ ایک معجزے سے کم نہیں۔ یہ امریکہ سے زیادہ انگریزوں کے قومی نظم و ضبط کا معجزہ تھا۔ ایشیائی ملک اگر چاہیں تو اس مثال سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

## بڑا اختلاف

برطانیہ اور امریکہ کے اختلافات معمولی نہ تھے۔ ایک بڑا بنیادی اختلاف تو "ہائی کمان" اور سپہ سالاروں کے درمیان تال میل رکھنے کی پالیسی ہی میں تھا۔ امریکی ہائی کمان اپنے سپہ سالاروں کو ایک خاص فرض سونپنے اور ضروری آدمی اور ساز و سامان دینے کے بعد اس کے کام میں کم از کم دخل اندازی کا قائل تھا۔ اصول یہ ہے کہ مقامی کمانڈر مقامی حالات کو ان لوگوں کی بہ نسبت بہتر سمجھتا ہے جو میدانِ جنگ سے ہزاروں میل دور واشنگٹن میں بیٹھے ہیں۔ ہاں اگر نتائج حسب توقع نہ ہوں اور کمانڈر کی نااہلی مسلّم ہو جائے تو وہ اپنے سیاسی

اختیارات کی حدود سے تجاوز کر جائے (جیسا کہ کوریا میں میکارتھر نے کیا) تو سپہ سالار کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

اس کے برعکس برطانیہ کا معاملہ یہ ہے کہ مقامی سپہ سالار سے زیادہ لندن میں بیٹھا ہوا چیف آف امپیریل جنرل اسٹاف جنگ لڑاتا ہے۔ جنگ کی بڑی اسکیم میں جنکی ترتیب میں سیاست داں بھی شریک ہوتے ہیں۔ کمانڈر کوئی ردو بدل کرنا چاہے تو اس جوئے شیر کو لانے کے لئے خاصی طویل خط و کتابت یا مذاکرات کی ضرورت ہوتی ہے۔ لا مشرق وسطیٰ سے آکنلیک کی واپسی کی بڑی وجہ یہ تھی) اپنے کمانڈروں کے ساتھ چیف آف امپیریل جنرل اسٹاف گہرا تال میل رکھتا ہے یہاں تک کہ کمانڈر کو اپنے محاذ کی روزانہ ڈائری باقاعدہ بھیجنی پڑتی ہے۔

نامور امریکی سپہ سالار جنرل آئزن ہاور کے نزدیک "یہ بات عجیب اور ناقابلِ فہم ہے"

**ہاور۔ منٹگمری**

محاذِ جنگ کی اعلیٰ قیادت (سپریم کمان) پر سپہ سالاروں کی تقرری کا سوال ایک اور ناگوار اختلافی مسئلہ تھا۔ میکارتھر اور مونٹ بیٹن کے محاذ یکسر امریکی یا برطانوی تھے۔ لہٰذا وہاں اس بدمزگی کا کوئی سوال نہ تھا۔ مگر یوروپی کمان میں جو برطانیہ کے نزدیک اہم ترین کمان تھی یہ افسوسناک بدمزگی موجود تھی۔ جنرل آئزن ہاور اور فیلڈ مارشل منٹگمری کے باہمی ناخوشگوار تعلقات کی داستان اب کوئی راز نہیں رہی۔ یہ دوسری بات ہے کہ چرچل کی زبردست شخصیت اور خود منٹگمری کی فرض شناسی نے بات کو بڑھنے نہ دیا۔

اس کمان کی قیادت کے امیدواروں میں جنرل آئزن ہاور۔ فیلڈ مارشل الگزنڈر اور فیلڈ مارشل منٹگمری سب سے ممتاز تھے۔ امریکہ آئزن ہاور کو اس منصب پر دیکھنا چاہتا تھا اور وہی ہوا۔ الگزنڈر مرنجان مرنج قسم کا آدمی تھا مگر منٹگمری نے جو برطانیہ کا کامیاب ترین اور تیز ترین سپہ سالار تھا، اپنی حق تلفی کو بہت محسوس کیا اور اگرچہ ایک سچے محب الوطن کی طرح برطانیہ کے وسیع مفاد کے سامنے منٹگمری نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ مگر یہ

واقعہ ہے کہ آئزن ہاور اور منٹگمری ایک دوسرے سے کچھ زیادہ خوش نہ تھے۔
منٹگمری کی تالیف قلب کے لئے چرچل اور ایلن بروک کے اصرار پر جرمنوں کے آخری جوابی حملے کے وقت جب آئزن ہاور نے منٹگمری کو عارضی طور پر نائب سپہ سالار اعظم بنایا تو اس پر بھی بعض ماتحت امریکی جرنیل کافی جز بز ہوئے اور دونوں ملکوں کے اخبارات میں بھی بہت روز تک اس مسئلہ پر لے دے ہوتی رہی۔
ان اختلافات کا ایک ہلکا سا عکس ذیل کی گفتگو میں بھی نظر آتا ہے۔ جو ایک موقع پر برطانوی چیف آف امپیریل جنرل اسٹاف سر ایلن بروک اور امریکی سپہ سالار آئزن ہاور کے درمیان ہوئی تھی اور جسے آئزن ہاور نے اپنی کتاب میں نقل بھی کیا ہے۔ آئزن ہاور نے کہا :۔

"یقیناً میں اس بات کا بہت زیادہ آرزومند نہیں ہوں کہ امریکنوں کو جنگ کے گھمسان میں جھونک کر انہیں مروانا پسند کروں۔ تاہم میں نے منٹگمری کی کمک پر ایک پوری امریکن فوج دے رکھی ہے۔ میں نے اپنی اسکیم میں اس بات کا کوئی خیال نہیں رکھا کہ کون شخص یا کون سی قوم جنگ میں امتیاز و اعزاز حاصل کرتی ہے۔" (کروسیڈ ان یوروپ)

صلح نامہ برلن کے بعد منٹگمری نے آئزن ہاور کو شکریئے کا جو رسمی خط لکھا ہے اس کے آخر میں بھی اشارۃً اس حقیقت کا پتہ ملتا ہے۔ منٹگمری لکھتا ہے۔

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے آپ کی رہنمائی سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ میں رعایا دواں قسم کا ماتحت نہیں ہوں۔ خودرائے آدمی ہوں۔ مگر آپ نے مشکل ترین حالات میں بھی مجھے راہ سے بھٹکنے نہ دیا ــــــ"

**اتلاف جان و مال** جنگ میں اتلافِ جان کے بارے میں ابھی تک کوئی قطعی اعداد و شمار شائع نہیں ہوئے۔ کم از کم میری نظر سے نہیں گزرے۔ مگر اس جنگ کی ہولناک تباہ کاری کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا

ہے کہ بلج (فرانس) کی ایک لڑائی میں ۹۰ ہزار جرمن ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اسی طرح اتحادیوں کے ۷۷ ہزار آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ بلج کا معرکہ اس جنگ کا خونیں ترین معرکہ ہے۔ سٹالن گراڈ کے مشہور عالم محاصرے میں ساڑھے تین لاکھ روسی لقمۂ اجل بنے۔

**مسٹر چرچل**

اس جنگِ عظیم کی عظیم ترین اور محبوب ترین شخصیت برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل تھے۔ امریکن ٹینکوں کے بعد۔ اگر کسی فرد واحد نے برطانیہ کو یہ جنگ جیت کر دی ہے تو وہ مسٹر چرچل تھے۔

۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ میں شب و روز کام کرنے والا چرچل جنگ کے ہر فیصلہ کن مرحلے پر خود میدانِ جنگ میں پہنچ کر سپاہیوں اور جرنیلوں کا حوصلہ بڑھاتا تھا۔ دریا رائن کو عبور کرنا یورپ کی جنگ میں خطرناک ترین مرحلہ تھا۔ مگر مسٹر چرچل وہاں بھی موجود تھے۔ صرف موجود ہی نہیں تھے بلکہ سب سے پہلے عبور کرنے والے دستوں میں شامل تھے۔

جنگ کے دوران میں مسٹر چرچل کا معمول یہ تھا۔ کہ ڈنر کے بعد آدھ گھنٹہ آرام کرتے (اگرچہ اس وقفے میں بھی کوئی نہ کوئی جنگی نوعیت کا فلم دیکھتے تھے) اس کے بعد دس بجے شب سے لیکر تین بجے صبح تک فوجی مشیروں کے ساتھ کانفرنس رہتی۔ مسٹر ایڈن ان کانفرنسوں میں عموماً موجود ہوتے تھے۔

**جاں نثاری**

جنرل آئزن ہاور کے محافظ دستے میں میکی نام ایک سارجنٹ تھا۔ افریقہ کے معرکے جاری تھے۔ جنرل آئزن ہاور ایک خطرناک ہوائی سفر پر جا رہے تھے۔ خطرے کے پیش نظر جنرل نے اس سفر پر تنہا جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر جہاز میں داخل ہوتے دیکھا کہ سارجنٹ میکی بھی بوریا بستر جمائے بیٹھا ہے۔ جنرل نے پوچھا تو میکی نے جواب دیا ـــــ

ـــــ "جنرل میری ماں نے مجھے لکھا ہے "تمہارا کام جنرل کی حفاظت کرنا ہے اور یاد رکھو اگر اس جنگ کے بعد آئزن ہاور امریکہ میں زندہ واپس نہ آسکے تو تمہارے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں ـــــ"

**امریکی فوج** جنگ کے زمانے میں آزاد اور حوصلہ مند قومیں کس تیزی۔ محنت عزم اور مستعدی سے کام کرتی ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جولائی ۱۹۳۹ء میں امریکہ کی تمام فوج ایک لاکھ تین ہزار نفوس پر مشتمل تھی مگر ۱۹۴۵ء میں بیس لاکھ امریکن صرف یورپ کے میدانوں میں لڑ رہے تھے۔ اور اس سے کچھ ہی کم فوج مشرقِ بعید میں پڑی تھی۔

**سپاہی کی قدر افزائی** پوسٹڈم کی کانفرنس کے موقع پر امریکہ کے صدر ٹرومین نے یورپ کے فاتح آئزن ہاور سے کہا — "جنرل ایسی کوئی چیز نہیں ہے آپ جس کی آرزو کریں اور میں آپ کی مدد نہ کروں۔ آپ اگر ۱۹۴۸ء میں امریکہ کے صدر بننا چاہیں تو میں آپ کے لئے صدارت کی کرسی خالی کرنے کو تیار ہوں"

یاد رہے کہ جنگ کے آغاز میں آئزن ہاور فلپائن میں جنرل ڈوگلس میکارتھر کے اسٹاف پر ایک معمولی لفٹیننٹ کرنل تھے۔ مگر جنگ کے اختتام پر آئزن ہاور امریکہ کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ نامور جرنیل تھا۔

**آرڈر آف ڈے** میدانِ جنگ کا دستور ہے کہ سپہ سالار اہم موقعوں پر فوجوں کے نام ایک "پیغام" شائع کرتا ہے جسے "آرڈر آف دی ڈے" (Order of the Day) کہتے ہیں۔ یہ پیغام سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے میں بعض اوقات بڑا کام کر جاتا ہے۔ ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۴ء کو یورپ کے اتحادی سپہ سالار نے اپنی فوجوں کو ذیل کا پیغام دیا۔ جو میرے نزدیک اس جنگ کے یادگار پیغامات میں سے ہے۔

"اپنے مضبوط مورچوں سے نکل کر دشمن نے ہمیں اس بات کا موقع دیا ہے کہ ہم اس کے اس داؤ کو اس کی بدترین شکست میں بدل دیں۔ میں اتحادی سرفروشوں سے جرأت و شجاعت اور سعی و عزم کی نئی بلندیوں اور نئی مثالوں کی توقع رکھتا ہوں۔ ہر شخص کے سامنے ایک ہی نصب العین

ہونا چاہیئے - دشمن کو —— زمین - ہوا —— سمندر - جہاں کہیں بھی وہ ہو —— تباہ کرنے کا نصب العین - اپنے اس عزم میں متحد اور اپنے نصب العین کی صداقت میں کامل ایمان کے ساتھ جس کے تحت ہم نے تلوار اُٹھائی ہے - خدائے برتر و بالا کی تائید سے ہم بڑھ کر رہیں گے —— آگے —— اور آگے —— تاریخ کی عظیم ترین فتح تک "

**جنوب مشرقی ایشیائی کمان** جنوب مشرقی ایشیائی کمان کا ہیڈ کوارٹر ابتداً ہندوستان میں قائم ہوا پھر کچھ مدت کینڈی (سیلون) میں رہا اور جاپانیوں کی شکست کے بعد آخر میں سنگاپور کی عظیم الشان کیتھی بلڈنگ میں منتقل ہوگیا۔

یہ کمان ایک خالص برطانوی کمان تھی - اس کے سپریم کمانڈر ایڈمرل لارڈ لوئیس مونٹ بیٹن تھے جو بعد میں ہندوستان کے آخری وائسرائے بھی مقرر ہوئے - جنرل پونال ( Pown All ) ان کے چیف آف سٹاف تھے - گیارہویں آرمی گروپ کی کمان پر جنرل سر جارج جیفرڈ ( Geoffcted ) فائز تھے - یہ گروپ چودھویں اور پندرھویں دو "کوروں" پر مشتمل تھا - جن کی کمان علی الترتیب لفٹیننٹ جنرل سر ولیم سلم ( Slim ) اور لفٹیننٹ جنرل سر فلپ کرسٹسن ( Christison ) کے ہاتھوں میں تھی - انڈین آرمی کا پانچواں —— ساتواں —— بیسواں —— تیسواں - چھبیسواں - اور چھتیسواں ڈویژن اس فوج میں شامل تھے۔

برما کی تقریباً پوری لڑائی عملاً چودھویں کور ہی نے لڑی - اس کور کے سامنے جاپانی جنرل موٹ گاچی ( Mutagachi ) کے تحت تین ڈویژن صف آرا تھے - اصل میں جب حالات زیادہ نازک ہوگئے تو جاپان نے اپنے نامور ۳۳ - ویں ڈویژن کو بھی اس محاذ میں جھونک دیا

**جاپانی اشتہار** برما کی لڑائی میں جاپانی ہواباز کبھی کبھی اشتہارات بھی برسایا کرتے تھے - ایک اشتہار کا مضمون یہ تھا -

## "قابلِ رحم ہندوستانی سپاہیوں کے نام

تمہاری قوت قطعاً کچلی جا چکی ہے ۔ تمہارا ایک آدمی بھی چندون (دریا) کو عبور نہیں کر سکا ۔ ہماری مضبوط "امپھل آرمی" تمہارے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ۔ تمہارے لئے کوئی امکانی راہ فرار کھلی نہیں رہ گئی ۔ اپنے انگریز افسروں پر اعتماد نہ کرو ۔ وہ تمہیں جنگلوں میں چھوڑ جائیں گے ۔ اس پمفلٹ کو لے کر کسی قریبی جاپانی چوکی میں آ جاؤ ۔ تم سے نہایت اچھا سلوک کیا جائے گا ۔ (ماورائے چندون از کرنل فرگوسن) "

دلچسپ بات یہ تھی کہ جب عقب میں ان اشتہاروں کی بارش ہو رہی تھی بہت سی ہندوستانی فوج چندون کو عبور بھی کر چکی تھی اور جو باقی تھی وہ ـــــ کمر باندھے ہوئے تیار بیٹھی تھی ۔

### دو جرنیلوں کے درمیان

۴ ستمبر ۱۹۴۵ء کو سنگاپور پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے جنرل کرسٹسن اپنے جہاز سسکس میں بندرگاہ میں پہنچے تو سنگاپور کا جاپانی کمانڈر جنرل اٹاگاکی ( Itagaki ) استقبال کے لئے جہاز پر آیا ۔ عرشہ جہاز پر دونوں سپہ سالاروں کے درمیان جو پہلی گفتگو ہوئی اس کے ابتدائی جملے یہ تھے

کرسٹسن ۔ آپ کا نام ۔ رینک ۔ منصب ؟

اٹاگاکی ۔ لفٹیننٹ جنرل اٹاگاکی ۔ کمانڈر انچیف "ساتویں فوج"

کرسٹسن ۔ کیا آپ فیلڈ مارشل ٹروچی کی نمائندگی کے مجاز ہیں ؟

اٹاگاکی ۔ جی ہاں ۔ مگر صرف سنگاپور کی حد تک ۔

سنگاپور کے جزیرے میں ۲۸ جاپانی جرنیلوں اور ۹۶۰۰۰ افسروں اور سپاہیوں نے ہتھیار ڈالے ۔ اٹاگاکی اپنی تلوار پیش کرتے ہوئے رو پڑا ۔

جزیرے میں سب سے پہلے اُترنے والی ہندوستانی فوج میں لفٹیننٹ کرنل اُونی ناٹر جو بعد میں کوریا کی لڑائی میں بھارتی مبصر کی حیثیت سے ہلاک ہوئے اور میجر نیاز محمد ارباب شامل تھے۔

سنگاپور میں اس وقت بتیس ہزار اتحادی قیدی موجود تھے جن میں سولہ ہزار ہندوستانی تھے۔ آئی این اے کی نفری اس تعداد میں شامل نہیں۔

**رُوپوں کی بارش** برما کی گوریلا "ونگیٹ مہم" کے لیے اتحادی طیارے راشن کے علاوہ بعض اوقات نقد روپے بھی برما کے جنگلوں میں پھینک جایا کرتے تھے۔ مقام و محل پہلے لاسلکی کے ذریعے طے کر لیا جاتا تھا۔ جن بوریوں میں روپے پھینکے جاتے تھے وہ بعض اوقات پھٹ جاتی تھیں۔ کبھی سرے سے ملتی ہی نہ تھی۔ بہرکیف اوسطاً ہر پانچ ہزار میں سے تین ہزار روپے پہنچ جاتے تھے۔

**یُوں بھی ہوتا ہے** سیلائی کے ایک صوبیدار صاحب بورنیو میں جاپانیوں کی قید میں تھے۔ راقم الحروف سے انہوں نے ذیل کا دلچسپ واقعہ بیان کیا۔

"بورنیو کے اس کیمپ میں ہم کوئی چار سو ہندوستانی قیدی تھے۔ کیمپ میں پہنچنے کے بعد ہم لوگوں سے پوچھ گچھ شروع ہوئی اور مختلف قسم کے لوگوں کو مختلف قسم کے کام تفویض ہونے لگے تو ہمارے ونگ کے انچارج جاپانی سارجنٹ نے مجھے کیمپ کی گھڑی سازی پر متعین کر دیا۔ گھڑی کا درست کرنا تو کجا میں گھڑی کھولنا بھی نہ جانتا تھا۔ مگر اس ڈر سے کہ اگر انکار کرتا ہوں تو پٹائی ہو گی اور اس کے بعد کوئی ذلیل قسم کی مشقت سونپ دی جائیگی میں نے اس کام کی حامی بھر لی۔ چنانچہ دوسرے ہی دن کیمپ کے سٹور سے ضروری اوزار لے کر ایک مقام پر اڈا جما کر بیٹھ گیا۔ شروع شروع میں عجیب عجیب لطیفے مجھ سے سرزد ہوتے رہے طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ مدت کے بعد میں ایک ماہر گھڑی ساز بن گیا۔ میں خوش ہوں کہ میں نے

اس طرح ایک فن سیکھ لیا اور قید کا زمانہ بھی بڑے مزے سے گزرا۔

ان کا کہنا ہے کہ عموماً جو گھڑیاں مرمت کے لئے آتی تھیں ان میں کوئی معمولی سا نقص ہوتا تھا جو پرزوں کو ہلانے جلانے یا محض صاف کر دینے سے دُور ہو جاتا تھا۔ جہاں ذرا کوئی زیادہ نقص ہوتا وہ گھڑی ان سے ٹھیک تو کیا ہو سکتی یہ اُسکی کمانی بھی توڑ دیتے۔

**جاپان کے عزائم**

...... ۱۹۲۷ء میں جاپان کے وزیر اعظم نے جاپان کے عزائم کے بارے میں شہنشاہ کی خدمت میں ایک دستاویز پیش کی تھی۔ جس میں یہ بھی مرقوم تھا۔

...... جاپان جب تک "خون اور لوہے" کا راستہ اختیار نہیں کرتا مشرقی ایشیا کی مصیبت ختم نہیں ہوگی۔ اگر ہم چین میں اقتدار چاہتے ہیں تو ہمیں پہلے امریکہ کو ختم کرنا ہوگا۔ چین کی تسخیر کے بعد دوسرے ایشیائی ممالک خود بخود ہماری سیادت تسلیم کر لیں گے۔

**جاپانیوں کے متعلق**

لفٹیننٹ فلپ سٹبی (Philip Stibbe) جو برما کی مشہور "ونگیٹ مہم" میں شامل تھے اور بعد میں جاپانیوں کی قید میں رہے۔ زمانۂ قید کے تاثرات بیان کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جاپانیوں میں خال خال کوئی لمبے قد کا آدمی نظر آجائے تو آجائے ورنہ سب کے سب پست قامت ٹھنگنے تھے۔ گندمی زردی مائل رنگ۔ گندمیت کم۔ زردی زیادہ۔ ورزش اور کھیل کود کے شوقین۔ گٹھے ہوئے مضبوط جسم۔ بلا کے محنتی اور پھر غضب کے خوش باش۔ بات ہمیشہ اُونچی کرتے ہیں۔ شور و غل میں خوش رہتے ہیں۔ باقاعدہ "مارچ" کے وقت بھی چیخ چیخ کر "کاشن" دیتے ہیں۔

افسر جب کوئی حکم یا ہدایت دینے لگتا ہے تو عہدہ دار (این۔سی۔او) عموماً کاغذ پنسل لے کر آتے ہیں۔ افسر کا ایک ایک لفظ کاغذ پر لکھ لیتے ہیں۔ جاتے وقت بڑا جھک کر "سیلوٹ" کرتے ہیں۔ افسر اور عہدہ دار تلوار ضرور رکھتے ہیں۔ قد اور تلوار کی لمبائی میں کچھ ایسا بڑا فرق معلوم نہیں ہوتا۔ بہرحال جاپانی اپنی تلوار پر بہت فخر رکھتا ہے۔

قیدیوں کو بے دریغ زدو کوب کرتے ہیں۔ اگر "موڈ" اچھا ہے تو چانٹا اور ٹھکہ ورنہ رفل کا دستہ۔ آگے سے ہل جُل جاؤ تو آتشِ غضب اور بھی تیز ہو جاتی ہے "سلوٹ" کے معاملے میں وہ خاص طور سے شدید واقع ہوئے ہیں۔ جو آدمی "سلوٹ" کرنا بھُول جائے اس کی ضرور ٹھکائی ہوتی ہے۔ (براستہ رنگون)

**جاپانیوں سے ہاتھ مت ملاؤ** جاپان کی شکست پر اتحادی سپہ سالار اعلیٰ لارڈ مونٹ بیٹن نے جاپانی مفتوحین کے بارے میں اپنی فوجوں کے نام ذیل کی ہدایات جاری کی تھیں۔

"جاپانی اور اتحادی فوجیوں کے درمیان دوستانہ میل جول روا نہیں رکھا جائے گا۔ جاپانیوں کے ساتھ آپ کا طرزِ سلوک احتیاط اور سرد مہرانہ شائستگی کا ہوگا۔ سنیئر جاپانی افسروں کو ان کے عہدے کا نام لیکر بلایا جائے۔ ان سے ہاتھ نہیں ملایا جائیگا۔ جاپانی اور اتحادی افسر ایک ہی کمرے میں بیٹھ کر کھانا نہیں کھائیں گے۔ نہ کسی ملاقات میں جاپانیوں کو چائے وغیرہ پیش کی جائے گی ـــــ اگر جاپانی ملنے آئے تو ایک میز کا فاصلہ درمیان میں رکھا جائے گا۔

گالی دینے یا مارنے پیٹنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ اگر ان کا اپنا وطیرہ کچھ ایسا ہو تو دوسری بات ہے۔"

**اعترافِ شجاعت** برطانوی بحریہ کے عظیم الشان و مایہ ناز جہاز "پرنس آف ویلز" اور "ری پلس" ۱۰ دسمبر ۱۹۴۱ء کو غرق ہوئے تھے۔ یہ جہاز کسی قسم کے فضائی تحفظ کے بغیر ہی جاپانی بمباروں کی زد میں چلے گئے تھے۔

جاپانی ہوا بازوں نے جہازوں کو تو خیر غرق کرنا تھا اور کر بھی دیا لیکن انگریز ملاحوں کی شجاعت و مردانگی کا ان کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ غرقابی کے دوسرے دن جاپانی ہوا بازوں نے اس پر پھُول برسائے اور اپنے بہادر دشمنوں کی "ابدی نیند" کے لئے دُعا مانگی۔

**صدمہ شکست** ایٹم بم کے بعد جب شہنشاہ ہیرو ہیٹو نے شکست مان لی تو جاپانی

فوج۔ فضائیہ۔ اور بحریہ کے ان دستوں نے جواٹ سوگی ( Atsugi ) میں پڑے تھے۔ ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ باغی لیڈروں نے اعلان کر دیا کہ شہنشاہ کچھ بھی کہتے رہیں ہم لڑائی جاری رکھیں گے۔

باغیوں کو جب پتہ چلا کہ شہنشاہ کی "تقریر صلح" کا ریکارڈ بھرا جا چکا ہے تو وہ قصر شاہی پہنچے اور گارڈ ڈویژن کے کماندار میجر جنرل موری سے مطالبہ کیا کہ وہ صلح کی تقریر کا ریکارڈ ان کے حوالہ کر دیں۔ جنرل موری کے انکار پر باغیوں نے اسے گولی سے اڑا دیا۔

اب یہ لوگ وزیر جنگ انامی کے ہاں پہنچے۔ انامی نے کابینہ کے اجلاس میں ہتھیار ڈالے جانے کی پرزور مخالفت کی تھی۔ باغیوں کو اس سے حمایت کی پوری توقع تھی۔ مگر انامی نے بھی باغیوں کو حکم شاہی کی تعمیل ہی کا مشورہ دیا۔ البتہ اس مشورے کے ساتھ ہی اُس نے اپنے آپ کو گولی مار کر ہلاک کر لیا۔

ایک دوسرے گروہ نے چیف آف اسٹاف جنرل ایموز ( Umezo ) کو فوجی انقلاب کی رہنمائی پر اکسایا مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ باغیوں نے اس پر ٹوکیو میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ کر لیا۔ وزیر اعظم سوزوکی کے مکان پر مشین گن سے حملہ کیا۔ ممکن تھا حالات بہت بگڑ جاتے کہ دوسرے دن جنوبی کمان کے کمانڈر جنرل ٹناکا ( Tanaka ) نے کمال تدبر کے ساتھ صورت حال پر قابو پالیا۔ ٹناکا نے باغیوں کے چار سرگروہوں کو بلا کر کچھ ایسے موثر طریق سے انہیں سمجھایا بجھایا کہ چاروں لیڈروں نے اسی وقت اپنے پستولوں سے اپنا خاتمہ کر لیا۔

یاد رہے کہ دو ہزار سالہ طویل تاریخ میں جاپان کی یہ پہلی شکست تھی۔

اللہ اللہ کیا ہوا انجام کارِ آرزو؟

توبہ توبہ کس قدر ہنگامہ آرائی ہوئی؟

## جاپانی فوج

جنوب مشرقی ایشیا کی جاپانی فوج کا سپہ سالارِ اعلیٰ فیلڈ مارشل کاؤنٹ ( ) ٹروچی ( ) کچھ مدت تک جاپان کا وزیر جنگ بھی

رہ چکا تھا۔ سپہ سالارِ اعلیٰ کی حیثیت سے وہ اگرچہ جاپانی امپیریل چیف آف سٹاف کے ماتحت تھا مگر اختلافِ رائے کی صورت میں فیلڈ مارشل ٹروچی کو شہنشاہ جاپان کے سامنے اپیل اور براہ راست ملاقات کرنے کا حق حاصل تھا۔ ملایا کی تسخیر کے بعد ٹروچی نے اپنا ہیڈ کوارٹر سنگاپور میں قائم کیا۔ اپریل ۱۹۴۴ء میں منیلا چلا گیا اور اُسی سال کے نومبر میں سیگاؤں۔ شکست کے وقت مارشل ٹروچی سیگاؤں ہی میں تھا۔ ان کے ماتحت کور کمانڈروں میں لفٹیننٹ جنرل یاماشیٹا جو "شیر ملایا" کے نام سے مشہور ہے کامیاب ترین جرنیل تھا۔ یاماشیٹا کو جاپان کا رومیل بھی کہتے ہیں۔

برما میں جاپان کی پندرھویں فوج دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک حصے کی کمان لفٹیننٹ جنرل کوابے (                    ) کے ہاتھ میں تھی جن کا ہیڈ کوارٹر رنگون تھا۔ دوسری فوج کا کماندار لفٹیننٹ جنرل "مٹ گاچی" ( Mutguchi ) تھا جس کا ہیڈ کوارٹر میمیو ( Maymyo ) میں تھا۔ بعد میں ان کمانوں اور کمانداروں میں بہت کچھ ردو بدل ہوتا رہا۔ مثلاً امپھل اور کوہیما کی شکست کے بعد جنرل کوابے کی جگہ جنرل "کی مورا" ( Kimura ) کو اور جنرل "مٹ گاچی" کی جگہ جنرل "کاتامورا" ( Katamura ) کو بھیجا گیا۔ چٹاگانگ کے محاذ کا جاپانی کمانڈر جنرل "سکورا" ( Sakur ) تھا۔

برما کے علاوہ پورے جنوب مشرقی ایشیا میں جاپانی فوج پڑی تھی۔ ملایا میں دو ڈویژن تھے۔ پینانگ اور سنگاپور میں مضبوط بحری بیڑا موجود تھا۔ ایک اندازے کے مطابق مشرق بعید میں جاپانی فوج کی تعداد چار لاکھ کے قریب تھی (لارڈ مونٹ بیٹن کی رپورٹ بابت ۴۵ - ۱۹۴۳ء)

برما میں لفٹیننٹ جنرل سٹاپفورڈ نے جاپانی جنرل کیمورا سے ہتھیار رکھوائے میجر جنرل گریسی (بعد میں جنرل سر ڈگلس گریسی) اپنے بیسویں ڈویژن کے ساتھ فوراً سیگاؤں پہنچے ساتویں انڈین ڈویژن نے بنکاک میں ہتھیار رکھوائے۔ پانچواں ڈویژن (ایک حصہ) سنگاپور میں اُتارا گیا اور ۲۶ ویں انڈین ڈویژن کو جاوا میں بھیجا گیا۔

۲ ستمبر کو ٹوکیو میں میکارتھر کے سامنے ہتھیار رکھے گئے اور ۱۲ ستمبر کو فیلڈ مارشل ٹرچی کے نمائندے جنرل اٹاگاکی نے مونٹ بیٹن کے سامنے سنگاپور میں ہتھیار ڈال دیے۔ مونٹ بیٹن نے جاپانی سپہ سالار اعلیٰ مارشل ٹرچی کو سیگاؤں سے آکر خود ہتھیار ڈالنے کی تاکید کی تھی مگر ٹرچی بیماری کا بہانہ کر کے ٹال گیا۔ وہ یہ ذلت برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔

**محکمہ تعلقاتِ عامہ** عام نشر و اشاعت اور فوجی نوع کے پروپاگنڈے کے سلسلے میں غالباً فیلڈ مارشل منٹگمری اور لارڈ مونٹ بیٹن انگریزی سپہ سالاروں میں سب سے زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ میں فوج کا محکمہ تعلقاتِ عامہ جس کے ذمہ دراصل نشر و اشاعت کا فریضہ تھا۔ بڑی اہمیت رکھتا تھا اور ان دونوں برطانوی سپہ سالاروں نے اس شعبہ سے نہایت مفید کام لیا۔ یہ محکمہ نہ صرف یہ کہ فوجیوں کو اپنے گھر اور وطن کی خبریں فراہم کرتا تھا۔ بلکہ دُنیا کو رفتارِ جنگ سے بھی صحیح معنوں میں آگاہ رکھنے میں بہت کارآمد ثابت ہوا۔

مونٹ بیٹن اس شعبے میں ہمیشہ خصوصیت کے ساتھ دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ جب وہ جنوب مشرقی ایشیائی کمان کی قیادت سنبھالنے کے لئے لندن سے چلے تو اخبار "سنڈے ڈسپیچ" ( Sunday Despatch ) کے ایڈیٹر مسٹر چارلس ایڈ ( Charles Ead ) کو اپنا "مشیر اطلاعات" بنا کر ساتھ لے آئے۔

بعد میں انہوں نے برطانیہ کے ایک اور جلیل القدر اخبار نویس مسٹر فرینک اوِن ( Frank Oven ) کو بھی بلا لیا۔ فرینک اوِن "سیک ( Seac " کے نام سے گورا فوجیوں کے لئے ایک روزانہ اخبار نکالتے تھے جو پہلے کلکتہ اور پھر سنگاپور سے شائع ہوتا رہا۔ یہ ایک اعلیٰ پایہ کا انگریزی روزنامہ تھا جو برطانوی سپاہیوں میں بیحد مقبول تھا۔

## اُردو اخبار

لارڈ مونٹ بیٹن اپنی کمان کے ہندوستانی سپاہیوں کی دلچسپی اور فلاح و بہبود کا بھی بڑا خیال رکھتے تھے۔ کرنل مجید ملک کی نگرانی و معاونت سے جو خود بھی ہمارے ملک کے ایک ممتاز ادیب و صحافی ہیں لارڈ مونٹ بیٹن نے تعلقاتِ عامہ کے ہندوستانی شعبہ کے لئے اُونچے پایہ کے بعض نامور صحافی اور اہلِ قلم اپنی کمان میں جمع کر لئے تھے۔ میجر چراغ حسن حسرت جو اردو ادب و صحافت میں "سندباد جہازی" کے نام سے غیر فانی شہرت رکھتے ہیں۔ عسکری اخبار "جوان" کے چیف ایڈیٹر تھے۔ یہ روزانہ اخبار بیک وقت "رومن اُردو" گورکھالی اور تامل تین زبانوں میں چھپتا تھا۔

جنوب مشرقی کمان (سنگاپور) میں جب مولانا چراغ حسن حسرت نے اس کی عنانِ ادارت سنبھالی تو حُسنِ اتفاق سے ان کے رفیقانِ کار میں حسن عسکری (ابن سعید) مسعود احمد، انعام قاضی اور جاوید خٹک ایسے نوجوان و معروف اہلِ قلم بھی شامل تھے۔ چنانچہ اردو کے ان پُرجوش خدمتگزاروں کی مدد سے مولانا حسرت نے رومن اُردو میں چھپنے والے "جوان" کو سنگاپور سے اُردو رسم الخط میں چھاپنا شروع کیا۔ جنگ کی سرکاری تاریخِ صحافت میں یہ ایک نیا اور عظیم الشان تجربہ تھا۔

ملایا میں اردو کا اخبار جاری کرنا آسان نہ تھا۔ سب سے بڑی مشکل کتابت اور طباعت کی تھی۔ کتابت کے لئے تو تلاش و جستجو کرنے پر فوج ہی میں سے دو منڈو حوالدار مل گئے جو اُردو کتابت کے فن سے بھی واقف تھے۔ بعد میں دہلی سے تین اچھے خوشنویس بھی بلوا لئے گئے۔ لیکن طباعت کا سوال سخت ٹیڑھا تھا۔ سنگاپور میں اچھے سے اچھا مطبع موجود تھا مگر کارکُن سب کے سب چینی تھے۔

ے زبانِ یار من چینی و من چینی نمی دانم

بہر حال "کون واہ" نامی ایک چھاپے خانے میں اخبار چھپنے لگا اور چینی سنگسازوں کے کمالِ فن اور فراست کار کے صدقے میں اتنی نفیس و بے عیب طباعت ہوتی رہی کہ خود ہمارے ہاں کے اُردو اخبارات کو طباعت کی یہ صفائی و رعنائی ابھی شاید ہی نصیب ہو

تک نصیب نہ ہو سکے۔ واقعہ یہ ہے کہ لیتھو طباعت میں چینی لوگ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

"اُردو جوان" کا یہ تجربہ جو ڈرتے ڈرتے کیا گیا تھا، نتائج کے اعتبار سے بیحد کامیاب رہا۔ رومن حروف میں جہاں یہ صرف دس بارہ ہزار چھپتا تھا۔ اب سپاہیوں میں اس کی مانگ اس قدر بڑھ گئی کہ "جوان" کی اشاعت یک لخت تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ "اُردو جوان" ہندوستانی فوجوں میں قبولیت و دلچسپی کے لحاظ سے فرینک اون کے "سیک" کا پورا پورا جواب تھا۔

بعد میں مولانا چراغ حسن حسرت نے لاہور سے روزنامہ "امروز" جو اُردو صحافت میں ایک عہد آفریں اخبار سمجھا جاتا ہے "جوان" ہی کے بنیادی خطوط پر جاری کیا۔

## "رینک" نظر نہیں آتا

جنوب مشرقی ایشیائی کمان کے ہیڈ کوارٹرز کی ایک یونٹ میں عنایت اللہ نام کا ایک دلچسپ فوجی اردلی کام کرتا تھا۔ یہ شخص گجرات (پنجاب) کے ایک دُور اُفتادہ گاؤں کا رہنے والا تھا اور اپنی سادگی و سادہ لوحی نیز چہرے مہرے اور ہیئت کذائی کے اعتبار سے سنگاپور کے جزیرے میں پھیلی ہوئی تقریباً تمام ہندوستانی یونٹوں میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ آئے دن طرح طرح کی بدحواسیاں اور قسم قسم کے لطیفے اُس سے سرزد ہوتے رہتے جن کی دھوم دُور دُور تک پہنچتی تھی۔ یونٹ کے افسر عنایت اللہ کو علامہ عنایت اللہ مشرقی کی اسمی مناسبت کی وجہ سے "علامہ" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

ایک روز عنایت کے "صاحب" کی عدم حاضری میں ان کے کوئی دوست ملنے آئے "صاحب" آئے تو عنایت نے اُن سے ملاقاتی دوست کا تذکرہ کیا۔

"کون صاحب آئے تھے۔ علامہ؟" افسر نے پوچھا۔

"کوئی صاحب (افسر) ہی تھے" علامہ نے جواب دیا۔

"صاحب تو تھے۔ مگر کیا تھے؟ میجر۔ کپتان۔ لفٹین۔ آخر کیا تھے؟"

"صاحب جی۔ یہ تو پتہ نہیں کہ وہ کیا تھے" علامہ نے اپنی ضرب المثل سادگی سے جواب دیا۔

"جب کوئی صاحب میرے سامنے آجاتا ہے تو مجھے اس کے کندھے کا پھول یا تاج وغیرہ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اور اگر سُرخ فیتے والا کوئی صاحب آجائے تو بس فیتہ ہی فیتہ نظر آتا ہے۔"

**ایک اور**

عنایت کا ایک اور لطیفہ سُنئے :-

وہ جن "صاحب" کا کام کرتا تھا انہیں گانے کا شوق تھا اور افسر میس کی اکثر صحبتیں ان کے گانے سے گونجتی رہتی تھیں۔ "صاحب" کی آواز قدرے بھاری تھی۔

ایک دن کسی افسر کے کمرے میں گراموفون باجے پر ملکہ پکھراج کا مشہور ریکارڈ

"جاگ سوزِ عشق جاگ"

بج رہا تھا۔ علامہ نے آواز سُنی تو لپکے ہوئے وہاں پہنچے۔ دروازے میں سے جھانکا اور اُلٹے پاؤں لوٹ گئے۔ "صاحب خانہ" نے جب دیکھا کہ علامہ آئے بھی تھے اور چلے بھی جارہے ہیں تو آواز دیکر پوچھا۔

"کیوں علامہ کیا بات تھی؟"

کوئی بات نہیں تھی صاحب جی۔ ویسے ہی ایک بات دیکھنے آیا تھا۔ مگر میرا قیاس غلط نکلا؟" علامہ نے جواب دیا۔

کیا بات غلط نکلی؟"

کچھ بھی نہیں جی۔ آپ کے کمرے سے گانے کی آواز آئی تو میں سمجھا کہ یا میرا صاحب گا رہا ہے یا صاحبوں نے آج کوئی میراسی بلوا رکھا ہے۔"

**چینی گوریلے**

ملایا میں برطانیہ کی شکست کے بعد چینی اشتراکیوں نے ملایا کے گنجان جنگلوں میں جاپانیوں کے خلاف "گوریلا لڑائی" جاری رکھی تھی۔ (۱۹۴۸ء سے ملایا میں کمیونسٹ چینیوں نے جو لاقانونی برپا کر رکھی ہے اس میں زیادہ تر انہیں گوریلوں کا ہاتھ ہے۔ مرتب)

کرنل چیپ مین ( hapman ) نے جو ملایا میں جاپانی تسلط کے زمانہ

چینی گوریلوں کے شانہ بشانہ جاپانیوں کے خلاف لڑتے رہے ہیں۔ اپنی کتاب "جنگل غیر جانبدار ہے" (The Jungle is Neutral) میں چینی گوریلوں کی زندگی اور سرگرمیوں کا نہایت دلچسپ پیرایہ میں ذکر کیا ہے۔ ایک کیمپ کی جھلک ملاحظہ ہو:

**ایک کیمپ**

چینی کمیونسٹ گوریلوں کا ایک کیمپ "آٹوسلم" کے نواحی جنگل میں تھا ہیوڈا اور میں جب وہاں پہنچے تو کیمپ کے باسیوں نے ہمارا بڑا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ان کے لیڈر ہمیں "گارڈ پوسٹ" پہرے کی چوکی پر ہی آملے۔ پھر اپنی پریڈ گراؤنڈ میں لے گئے جو ٹینس کے میدان اتنی ہوگی اور جس میں بیس بائیس نوجوان چینیوں نے روسی اشتراکیوں کی طرح بندوقیں بلند کر کے ہمیں "گارڈ آف آنر" پیش کیا۔ اس دستے میں دو لڑکیاں بھی تھیں۔ یہ سب نوجوان تھے۔ شاید ہی کسی کی عمر پچیس برس سے زیادہ ہوگی (چینیوں کی عمر کے اندازے میں کافی مغالطے کی گنجائش ہے۔ مؤلف) ان کے پاس کوئی باقاعدہ وردی نہ تھی۔ جس کے جو چیز ہاتھ لگ گئی تھی وہی ڈانٹے ہوئے تھا۔ لڑکیوں نے جن کے لب و رخسار غازے سے بے نیاز تھے۔ چینی تراش کے سیاہ لمبے فراک پہن رکھے تھے۔

پریڈ گراؤنڈ سے ذرا ہٹ کر جنگل کے اندر ہی اندر گھاس پھوس کی جھونپڑیوں میں رہائشی کیمپ چھپا ہوا تھا۔

اسی شام ہمارے اعزاز میں ضیافت ہوئی۔ چاول۔ سبزی اور مچھلی تو خیر معمول کی خوراک تھی اور خدا معلوم یہ سب کچھ وہ کہاں سے لے آتے تھے۔ مگر اس شام مرغ اور سؤر خاص طور پر پکے تھے۔ کھانے کے بعد "ہال کمرے" یعنی بڑے جھونپڑے میں تقریریں ہوئیں اور پھر ڈھائی تین گھنٹے راگ رنگ کی محفل جمی رہی —— کمیونسٹوں کو تقریر کرنے کا بڑا مرض ہے۔ ہر آدمی کم و بیش وہی باتیں دہرائے گا لیکن تقریر ضرور کرے گا۔

کیمپ میں ہتھیاروں کا ذخیرہ ایک "برین گن" تین "ٹامی گن" "بیس رائفلوں" نو شاٹ گنوں اور پانچ پستولوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے اکثر شکستگی و زنگ خوردگی سے ابتر حالت میں تھے —— کیمپ کے عام گوریلا سپاہی کو اپنے "جنرل ہیڈ کوارٹرز"

کا کوئی پتہ نہ تھا کہ کہاں اور کس طرف ہے؟ البتہ یہ سب جانتے تھے کہ ایک "جنرل ہیڈ کوارٹرز" کہیں ہے۔ ضرور جہاں سے کمیونسٹ پارٹی کا سکرٹری جنرل کبھی کبھی اس کیمپ میں آنکلتا تھا۔ یہ سکرٹری جنرل ان کے نزدیک ایک افسانوی شخصیت تھا جو ہوائی جہاز اُڑا سکتا تھا۔ ٹینک لڑا سکتا تھا۔ کئی زبانیں جانتا تھا اور جاپانیوں کو اُلّو بنا سکتا تھا۔

**لڑکیاں اور بچے** ...... یہ سب نہایت شاندار لوگ تھے۔ ان میں زیادہ تر ہاکا ( Haka ) چینی تھے۔ امن کی زندگی میں کوئی مزدور تھا کوئی کاریگر۔ کوئی ہوٹل میں کام کرتا تھا کوئی باغبانی۔ مگر اب سب کے سب سپاہی تھے۔

...... کیمپ میں لڑکیوں اور بچوں کی بھی خاصی تعداد تھی۔ لڑکیاں۔ ان سپاہیوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتی اور گانا سُناتی تھیں۔ کھانا پکانے یا پکوانے کا فرض بھی ان کے سپرد تھا۔ سپاہی بیمار پڑتے یا زخمی ہو جاتے تو ان کی تیمارداری بھی وہی کرتیں بعض منچلی۔ جی دار لڑکیاں جاپانیوں سے جھڑپیں تک کر آتی تھیں۔ بچوں میں اکثر وہ لاوارث بچے تھے جن کے والدین جاپانیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ فضا کے عام تناؤ میں نوجوان لڑکیوں کی نرم و شیریں آوازیں اور معصوم بچوں کی معصومانہ باتیں ایک عجیب خوشگوار کیفیت رکھتی تھیں۔

**روزانہ پروگرام** کیمپ کے باورچی بہت تڑکے تین چار بجے اُٹھ جاتے تھے۔ سب سے پہلے چھاپہ ماردستوں کو کھانا ملتا۔ پھر حسب معمول بترتیب دوسروں کو۔ کیمپ کے لنگر میں ایک باورچی اپنے زمانے میں چین کا نامی ڈاکو رہ چکا تھا۔ اب اگرچہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا تاہم باتوں میں وہی دم خم تھا۔ اسے بڑی دلچسپ کہانیاں یاد تھیں۔ اس کی اپنی زندگی بجائے خود ایک افسانہ تھی۔ دلچسپ اور رنگا رنگ۔

...... صبح کی سیٹی کے ساتھ ہی یہ سویا ہوا جنگل یکبارگی بیدار ہو جاتا۔ چونکہ رات کو بھی وردی پہن کر اور ہتھیار لگا کر سونے کا قانون تھا۔ لہٰذا پانچ منٹوں میں ہر کوئی

چاق و چوبند پریڈ گراؤنڈ میں موجود ہوتا ۔ ورزش کے بعد بڑے زور کی دوڑ ہوتی پھر مختلف «سکھلائیاں» ـــــ ہتھیاروں کی سکھلائی ـــ جنگل کی لڑائی ۔ دھاوا، بچاؤ، چھاپہ غرضیکہ دن بھر ایک نہ ایک سرگرمی جاری رہتی ۔

صبح کے وقت سب سے پہلے جھنڈے کی سلامی اُتاری جاتی تھی ۔ سلامی کے وقت اس بات کا کوئی لحاظ نہ تھا کہ سر پر ٹوپی ہے بھی یا نہیں ۔ رائفل «سلوپ» میں ہے یا کہاں؟ پہلے پہلے سوویٹ رُوس کے جھنڈے ہی کو سلامی دے لی جاتی تھی ـــ بعد میں ملایا کی جمہوریہ کا اپنا علیحدہ جھنڈا «ایجاد» کر لیا گیا جس میں تین زرد رنگ کے ستارے ملایا کے ملائی ۔ چینی اور ہندوستانی باشندوں کی نمائندگی کرتے تھے ۔

**لنگڑے مگر تیز**

...... گوریلا سپاہی یوں تو ہر کام میں تیز طرّار تھے مگر سپاہیانہ تربیت کی تمام مشق و تجربہ کے باوجود «مارچنگ» کے وقت یوں معلوم ہوتا جیسے لنگڑا لنگڑا کے چل رہے ہوں ۔

۹ بجے ناشتے کے بعد آرام کا وقفہ ہوتا جس میں لڑکیاں بیمار گوریلوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں ۔ بیماروں میں ایک خاص قسم کے پھوڑے کے مریض زیادہ تھے مگر حواس پاش پھوڑوں کے باوجود ان کی عام مستعدی و کارفرمائی پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا ۔

...... کسی کام کے لئے جمع ہوتے تو کام کی نوعیت پر کھلم کھلا بحث ہوتی «ڈسٹرل لیڈر» پہلے اپنے «ساتھیوں» (افسری ماتحتی کا وہاں کوئی سوال نہ تھا) کو پروگرام سمجھاتا ۔ پھر سب اس پر رائے زنی کرتے ۔ اس سلسلے میں عجیب بات یہ تھی کہ نجی حیثیت سے کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہ تھا البتہ برسرِ عام شدید سے شدید نکتہ چینی جائز تھی ۔

**تعلیم و تدریس**

رنگروٹوں کے لئے اسلحہ کی تربیت کے ساتھ ساتھ عام تعلیم و تدریس کا انتظام بھی موجود تھا ۔ دوپہر کے بعد روزانہ «معلومات عامہ» کی کلاس لگتی تھی ۔ جس میں روس ۔ چین اور ملایا پر لیکچر دئے جاتے تھے ۔ ظاہر ہے

کہ یہ لیکچر کسی کتاب وغیرہ کی مدد کے بغیر تیار کئے جاتے تھے۔

درسی کلاسوں میں بسااوقات عشق و محبت کے موضوع پر بھی بحثیں چل نکلتی تھیں محبت ان کے نزدیک اچھی چیز تھی مگر عملی طور پر وہ عشق و محبت کو کیمپ سے دُور ہی رکھتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ اگر ایک مرتبہ عشق و محبت کیمپ میں گھس آئے تو لڑنا لڑانا کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ وہ اس اُصول پر بڑی سختی سے کاربند تھے کیمپ میں ہر چند نوجوان مرد و عورت شانہ بشانہ کام کرتے تھے مگر اخلاقی اعتبار سے کوئی ناگوار بات کبھی سُننے میں نہ آئی —— یہ لوگ اپنے مقصد کے لئے کتنی قربانی کر رہے تھے؟

جنسی تعلقات کے معاملے میں وہ اس قدر "بے رُوح" سے نظر آتے تھے کہ حیرت ہوتی۔ کبھی کبھار اگر کوئی مہمان "جوڑا" کیمپ میں آ نکلتا تو میاں بیوی کو الگ الگ ٹھیرایا جاتا۔ کوئی معاشقہ چل نکلتا کیونکہ

؎ عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب

تو پورا کیمپ جمع ہو کر ان کی شادی کی سبیل سوچتا۔ کوئی دوسرا خیال یا صورت وقیع نہ سمجھی جاتی۔ چینی اگرچہ جنسی لحاظ سے بڑی زرخیز قوم ہیں (اور اس کیمپ سے باہر ان کی اخلاقی حالت بھی قابل فخر نہیں۔ مرتب) لیکن کیمپ کی فضا نہایت پاک و پاکیزہ تھی۔ یہ بات واقعی ایک معجزہ سے کم نہ تھی۔

**ایک جھگڑا**

لڑائی جھگڑے اور چوری کی وارداتیں عملاً معدوم تھیں۔ البتہ ایک روز کیمپ میں بڑے زور کا جھگڑا ہو گیا۔ قصّہ یہ ہوا کہ ایک لڑکی نے قوم پرست چینی جھنڈے کے کپڑے سے جانگیہ سی لیا تھا۔ اس پر کیمپ دو گروہوں میں بٹ گیا۔ ایک گروہ "جانگیے" کا حامی تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ہمارا جھنڈا دراصل ملایا کا جھنڈا ہے۔ لہٰذا کپڑے کی قلت کے زمانے میں اگر لڑکی نے چینی جھنڈے کا جانگیہ بنا لیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ دوسرے گروہ کو اصرار تھا کہ چیانگ کائی شیک ہزار گیا گزرا سہی۔ اس سے اختلافات بھی سہی مگر اس کے جھنڈے کی اتنی توہین بعید از

اخلاق و شرافت ہے ـــــ بہرحال یہ فسادہ بڑی مشکل سے رفع ہوا۔

چھ بجے شام جھنڈا اُتارا جاتا تو پھر سلامی دی جاتی اور "سُرخ جھنڈے" کا گیت گایا جاتا۔ سوا سات بجے مباحثہ ہوتا ـــــ کیا تمباکو نوشی مفید ہے؟ ـــــ کیا جاپانی قیدیوں کو قتل کر دینا چاہیئے۔ یا انہیں اشتراکیت کی ترغیب و تعلیم دیکر چھوڑ دینا چاہیئے؟ یہ اور اسی قسم کے "مسائل" مباحثے کا موضوع ہوتے۔

ایک مباحثے کے دوران میں تمباکو نوشی کے حق میں ایک مقرر نے کہا ـــــ "سٹالن اور چرچل تمباکو پیتے ہیں ہٹلر نہیں پیتا۔ لہٰذا تمباکو نوشی ایک جمہوری فعل ہے"

## جاپانیوں کی قید میں

یہی کرنل چیپ مین ایک روز جاپانیوں کے ہاتھ جا پڑے مگر صبح قید ہوئے اور رات کو بھاگ نکلے۔ یہ روداد بھی خاصی دلچسپ ہے لکھتے ہیں :-

"...... اچانک کیا دیکھتا ہوں ایک جاپانی میرے سامنے ہے۔ ٹوپی والا وہ شخص جسے میں چینی گوریلا سمجھ رہا تھا دراصل جاپانی نکلا۔ مجھے دیکھ کر پہلے تو وہ چیتے کی طرح اُچھلا۔ پھر ٹامی گن کی نالی میری طرف سیدھی کر کے چلایا ـــ "ہینڈز اپ"۔ (Hands Up) میں نہتہ تو تھا ہی فوراً دونوں ہاتھ بلند کر دئے۔

دوسرے ہی لمحہ میرے اردگرد دو تین درجن جاپانی جمع تھے۔ اب یہ مجھے کشاں کشاں اپنے کیمپ کی طرف لئے جا رہے تھے۔ بعض منچلے رائفل کے دستے سے میری کمر اور پشت کی تواضع بھی کرتے جا رہے تھے۔ ایک سپاہی نے میری کلائی سے گھڑی کھولنے کی کوشش کی مگر اتفاق سے اسی وقت ایک افسر آ گیا جس نے سپاہی کو اس حرکت پر بُری طرح ڈانٹ دیا۔

کیمپ میں ایک خوش پوش۔ خوش وضع اور خوش گفتار نوجوان افسر نے جو انگریزی زبان خاصی روانی کے ساتھ بولتا تھا مجھ سے پوچھ گچھ شروع کی۔ اس کے سب سے پہلے الفاظ یہ تھے :

"تم ایک معزز انگریز افسر ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم جھوٹ نہیں بولو گے"

اس کے بعد جاپانی افسر نے کچھ اس قسم کے سوالات پوچھے کہ میرا نام اور رینک کیا ہے۔ میرے ہتھیار کہاں ہیں۔ میں کہاں سے آرہا تھا۔ کس طرف جا رہا تھا۔ میرے ساتھی کہاں ہیں؟؟ میں نے جواب سوچنے کے لئے مہلت کی غرض سے پانی مانگا اور دل ہی دل میں ایک کہانی گھڑ کے سُنا دی۔ ایک احتیاط میں نے یہ برتی کہ انگریزی کی بجائے ملائی زبان میں بولنے لگا تاکہ اگر میرا کوئی جھوٹ کسی مرحلے پر پکڑا جائے تو اسکی ذمہ داری میری ٹوٹی پھوٹی ملائی زبان کی گردن پر رہے۔ جاپانی افسر بھی غالباً یہ بھانپ گیا اور وہ اصرار کے ساتھ مجھے "انگریزی" پر لے آیا۔

جاپانی افسر میری باتیں بڑے غور سے سُنتا رہا۔ درمیان میں بعض اوقات ایک آدھ جملہ اپنی نوٹ بک میں لکھ لیتا تھا

سوالات کے بعد میں نے اسے ہلکی پھلکی باتوں پر لگانا چاہا۔ میں نے کہا۔ میں ان جنگلوں جنگلی قبائلیوں اور چینی کمیونسٹوں سے سخت تنگ آچکا ہوں مجھے امید ہے کہ اب آپ کے ساتھ مجھے اپوہ شہر میں جانے کا موقع ہوگا جہاں اچھی اچھی صورتیں دیکھنے کو اور بڑھیا جاپانی شراب پینے کو ملے گی۔

...... رات کو مجھے اندیشہ تھا کہ میرے ہاتھ پاؤں باندھ دئے جائینگے مگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ جب وہ افسر مجھے میرے کمرے میں چھوڑ کر گیا تو اس نے مجھے بڑے تپاک کے ساتھ رات کا الوداعی سلام کیا۔ ...... وہ ایک شریف انسان تھا"

**اخلاقی جرأت** ملایا اور سنگاپور میں برطانیہ کی شکست بہت بڑا المیہ تھی۔ اس شکست نے پورے برطانیہ کو متزلزل کر دیا تھا۔ حکومت کے لئے یہ ایک بہت بڑی بدنامی اور ذلت تھی۔ مگر مسٹر چرچل نے بڑی جرأت کے ساتھ اسکی ذمہ داری کو قبول کیا۔ انہوں نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا۔

"مجھے یہ خبر سُن کر بڑی دردناک حیرت ہوئی۔ ...... بہر حال میں اس شکست کی ذمہ داری سے بری نہیں ہوں۔ مجھے سب واقعات کا علم ہونا چاہیئے تھا۔ میرے مشیروں

کو علم ہونا چاہیئے تھا۔ ان کا فرض تھا کہ وہ مجھے حالات سے باخبر کرتے۔ میرا فرض تھا کہ میں ان سے پوچھتا"

**ڈیول کا خط** سنگاپور کی شکست پر جنرل ڈیول نے وزیراعظم مسٹر چرچل کو ذیل کا خط لکھا تھا۔ یاد رہے کہ اس وقت جنرل ڈیول جنوب مشرقی ایشیائی کمان کے سپہ سالارِ اعلیٰ تھے۔

"ہمیشہ کی طرح جہاں بھی آپ مناسب سمجھیں میں اپنی پوری صلاحیت کے مطابق خدمت انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں یہاں کامیاب نہ ہو سکا۔ شاید مجھ سے کوئی بہتر آدمی کامیاب ہو جاتا۔

...... اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرا خیال ہے کہ میں ہندوستان میں زیادہ مفید ثابت ہو سکوں گا۔ مگر پہلے آپ وائسرائے سے مشورہ کر لیں کہ آیا اس ناکامی کے بعد میری حیثیت و اہلیت کے بارے میں تو انہیں کوئی شبہ نہیں ہے"

**چرچل کا تحفہ** مشہور جاپانی افسر، کرنل مسانو بوجی "جس نے سنگاپور پر جاپانی حملے کی سکیم تیار کی تھی۔ ملایا کی جنگ کے تذکرے میں ایک جگہ لکھتا ہے:-

"...... اس پیش قدمی میں انگریز سپاہیوں کے مورچوں میں سے بسکٹوں اور سگرٹوں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہمارے ہاتھ آیا کہ تین مہینوں کے لئے ہمارے سپاہی سگرٹوں اور بسکٹوں سے بے نیاز ہو گئے۔ جاپانی سپاہی ان بسکٹوں اور سگرٹوں کو "چرچل کا تحفہ" کہا کرتے تھے۔

**ایثار و قربانی** ملایا کے ساحل پر چار نوعمر انگریز سپاہی کھڑے تھے۔ یہ چاروں جنگی قیدی چانگی جیل سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔ اور اب جاپانی کیپٹن کے افسر آزاد ہند فوج کے سکھ سپاہیوں سے ان چاروں کو گولی مروانے کے لئے سمندر پر لے آئے تھے۔ چانگی جیل سے کچھ اور انگریز قیدی بھی اس عبرت ناک سزا کا "تماشا" دیکھنے کو وہاں لائے گئے تھے۔

گولی چلنے میں ابھی کچھ وقت تھا کہ مرنے والے نوجوانوں میں سے ایک پرائیویٹ برابنگٹن ( Brabington ) نے جو عمر میں باقیوں سے بڑا تھا۔ جاپانی افسر مجاز سے کہا ــــ "اگر آپ میری جان لے کر باقیوں کی جان بخشی کر سکتے ہیں تو میں حاضر ہوں۔" اتنے میں تماشائی قیدیوں میں سے بھوری مونچھ ڈاڑھی والا متوسط العمر ایک انگریز کرنل ٹاؤنی ( Tawney ) آگے بڑھا اور اس نے جاپانی افسر سے کہا۔

"ان نوجوانوں کے بدلے میں مرنے کو تیار ہوں۔"

مگر جاپانی رضامند نہ ہوئے اور دوسرے ہی لمحہ برطانیہ کے یہ چار نوعمر سپاہی برطانیہ سے ہزاروں میل دور ملایا کے ساحل پر خاک و خون میں تڑپ رہے تھے۔

لیکن کیا پرائیویٹ برابنگٹن اور اس کے یہ نوجوان ساتھی کبھی مر سکتے ہیں؟

کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

**جذبہ**

کوالالمپور ( ملایا ) کے ایک مکان میں چینی گوریلا لیڈروں کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ جاپانیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے مکان پر حملہ کر دیا۔ مگر ایک نوجوان چینی لڑکی رفل لے کر دروازے پر کھڑی ہو گئی اور تن تنہا جاپانی کمپنی کے دستے کو اس وقت تک روکے رہی جب تک کہ گوریلا لیڈر چور دروازے سے فرار نہیں ہو گئے۔

جس وقت آخری لیڈر چور دروازے میں سے کود رہا تھا یہ بہادر چینی لڑکی مکان کے بیرونی دروازے پر دم توڑ رہی تھی۔ اس کا جسم زخموں سے چھلنی ہو رہا تھا مگر اس کے چہرے پر ایک عجیب طمانیت کھیل رہی تھی۔

**جواب**

کرنل چیپ مین جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ ایک مرتبہ جاپانیوں کے ہاتھ بھی پڑ گئے مگر پھر بھاگ نکلے۔ قید کے دوران میں ایک جاپانی نے ان سے پوچھا "جہاں تک برطانیہ کا تعلق ہے وہ پٹ چکا۔ آخر تم ان جنگلوں میں

اتنی مدت اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچتے رہے ہو؟"

کرنل چیپ مین نے جواب دیا:

"میں ملایا میں انگریزوں کی فاتحانہ واپسی کا انتظار کر رہا ہوں کہ وہ آئیں اور میں جنگلوں سے نکل کر اپنی فوج کے ہراول دستوں سے جا ملوں۔"

جاپانی افسر نے اس پر بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔

## سلطان جوہور

جوہور ملایا کی سب سے بڑی اور دولت مند ریاست ہے۔ اس کے حکمران سلطان سر محمد ابراہیم برطانیہ کے سرگرم معاون تھے۔ انہوں نے ساعی جنگ کے سلسلہ میں اپنی ریاست کے تمام وسائل برطانیہ کے سپرد کر دیئے تھے۔

انگریز جب ملایا سے نکلنے پر مجبور ہو گئے تو آسٹریلوی ڈویژن کے کماندار لفٹننٹ جنرل گارڈن بینیٹ (          ) سلطان جوہور کو الوداع کہنے کے لئے گئے۔ جنرل بینیٹ اس ملاقات کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔

". . . . . سلطان بیحد ملول اور اداس تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ جاپانی ان سے برا سلوک کریں گے۔ ممکن ہے وہ انہیں تخت و تاج سے بھی محروم کر دیں۔ لیکن وہ ملایا کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔" ـــــ سلطان نے مجھ سے کہا۔ نہیں میں اپنے لوگوں کو چھوڑ کر جا نہیں سکتا۔ میں اپنے لوگوں کی طرح چاول اور مونگ پھلی پر گذارا کر سکتا ہوں۔"

## ایک ہوٹل میں

ملایا کے برطانوی سپہ سالار لفٹننٹ جنرل پرسیول نے (یہ وہی بزرگ ہیں جنہیں سنگاپور میں جاپانیوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے) مشرق بعید میں جنگ چھڑنے سے کچھ قبل چند انگریز افسروں کو حالات و واقعات کا جائزہ لینے کے لئے خفیہ طور پر تھائی لینڈ بھیجا تھا۔ ان افسروں نے دیکھا کہ جاپانی افسروں کی پارٹیاں بھی انہیں کی طرح سفید کپڑوں میں تھائی لینڈ کے جائزے میں مصروف تھیں۔ بسا اوقات جاپانی اور انگریز افسر ایک ہی ہوٹل میں مقیم ہوتے تھے۔ ہوٹل کے ایک کمرے میں انگریز جنگی منصوبہ تیار کر رہے ہیں اور دوسرے میں جاپانی۔

دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی

**پہلا جاپانی**

تئیسویں انڈین ڈویژن کے کمانڈار (میجر جنرل سیوری) نے برما کے محاذ پر اعلان کیا تھا کہ ڈویژن کا جو شخص سب سے پہلے کسی جاپانی کو قتل کرے گا صاحبِ موصوف اسے ایک سو روپیہ انعام دیں گے۔

یہ انعام گورکھا صوبیدار میجر گن بہادر سلوی بہادر نے حاصل کیا۔

**بہادر کون؟**

خاتمہ جنگ پر سنگاپور کی ایک فوجی عدالت میں بعض جاپانی جنگی ملزموں، کے خلاف مقدمات کی سماعت ہو رہی تھی۔ ملزموں کی پیروی کے لئے ایک جاپانی بیرسٹر مسٹر سوزوکی ٹوکیو سے سنگاپور آئے ہوئے تھے مسٹر سوزوکی ایک بڑے ہوٹل میں مقیم تھے جہاں بعض انگریز ڈچ اور ہندوستانی افسروں سے بھی ان کے بے تکلفانہ مراسم قائم ہو گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ جنگ کی ہولناکیوں کو ساغرِ شراب میں غرق کرنے کی سعیٔ بلیغ میں مصروف تھے۔

ایک ایسی ہی بے تکلفانہ صحبت میں ایک ڈچ افسر نے ازراہ مروت و وسیع النظری جاپانی سپاہیوں کی تعریف کرتے ہوئے سوزوکی سے کہا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جاپانی سپاہی بڑے بہادر ہیں"

"مگر میں سمجھتا ہوں ڈچ ہم سے زیادہ بہادر ہیں" سوزوکی نے جواب دیا۔ "وہ کیسے؟" ڈچ افسر نے پوچھا

"وہ یوں" جاپانی بیرسٹر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا جاپانی تو ایک مقصد کے لئے لڑ رہے تھے۔ مگر ڈچ کسی مقصد کے بغیر ہی لڑتے رہے۔ اور اب بھی لڑے جا رہے ہیں"

ان دنوں ہالینڈ کی حکومت جاوا کے حریت خواہوں کے خلاف برسرِ پیکار تھی۔

**کالا گھوڑا**

کیپٹن (اب میجر) مسعود احمد محکمہ تعلقاتِ عامہ جنوب مشرقی کمان کے ایک شعبہ کے انچارج تھے۔ رگھو نامی ایک بوڑھا پوربیا ان کے یونٹ

میں فوجی اردلی کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ رگھو پہلی جنگِ عظیم میں بھی شامل رہ چکا تھا اور نہ جانے کن کن شعبوں میں کس کس قسم کی خدمات انجام دیتا رہا تھا۔ جنرل ہیڈکوارٹرز کے کسی مراسلے کی تعمیل میں یا نہ جانے کس سلسلے میں ایک دن کپتان صاحب کو رگھو کے پرانے "سروس ریکارڈ" کی جستجو ہوئی تو انہوں نے خود رگھو سے پوچھ گچھ کرنا چاہی مگر رگھو کو کچھ بھی یاد نہ تھا کہ پہلی بڑی لڑائی میں وہ کیا تھا۔ کہاں کہاں رہا اور کیا کیا کرتا رہا۔ کپتان صاحب اور رگھو کے درمیان کچھ اس قسم کی گفتگو ہوئی۔

کپتان ۔ رگھو تم کب اور کہاں بھرتی ہوئے تھے۔

رگھو ۔ حجور سولہ برس کا ہوں گا میں ۔ کچھ کم یا کچھ زیادہ ۔ شاید اٹھارہ برس کا ہوں ۔ جبل پور میں بھرتی ہوا تھا یا میرٹھ میں ۔ نہیں ۔ رنگروٹی صاحب ہمارے گرام آیا تھا شاید۔

کپتان ۔ کونسا یونٹ تھا تمہارا؟

رگھو ۔ حجور کچھ یاد نہیں۔

کپتان ۔ سمندر پار کہیں گئے تھے۔

رگھو ۔ حجور گیا تھا۔

کپتان ۔ کہاں کہاں گئے تھے؟

رگھو ۔ حجور کچھ یاد نہیں ۔ ملکوں ملکوں گھمایا ۔ پھر ۔ بڑے بڑے جہازوں میں گیا حجور ۔ ہزاروں لوگ تھا۔

کپتان ۔ اچھا رگھو اس نوکری کی جو چیز بھی تمہیں یاد آتی ہو وہی بتاؤ؟

رگھو ۔ حجور میرے پاس ایک کالا گھوڑا تھا ساری لام، میں بس اُسی کی مالش کرتا رہا۔

**ایک ہی جواب** ملایا میں جوہور کے قریب آسٹریلین سپاہی چند جاپانیوں کو پکڑ لائے پوچھ گچھ کے سلسلے میں انہیں ہزار ڈرایا دھمکایا گیا لیکن انہوں نے

کچھ بتانے سے صاف انکار کر دیا۔ ہر سوال کے جواب میں وہ صرف ایک ہی جملہ کہتے۔ "ہمیں گولی مار دو۔ قید کی ذلت نا قابل برداشت ہے۔"

**شرافت و ایثار** ملایا میں ایک آسٹریلین پلٹن چاروں طرف سے جاپانیوں کے گھیرے میں آگئی تھی۔ پلٹن کے میڈیکل افسر کیپٹن ٹیلر اپنے زخمیوں کو۔ جن کی گنتی بہت زیادہ ہو چکی تھی پیچھے لے جانے پر مجبور تھے۔ مگر ہر راستہ اور ہر ناکہ جاپانیوں کے ہاتھ میں تھا۔ نکلیں کس طرف سے؟ ناچار کیپٹن ٹیلر "ریڈ کراس" کا جھنڈا لہراتے ہوئے زخمیوں کا قافلہ لے کر جاپانیوں کی طرف چل پڑے اور جاپانیوں نے اس جھنڈے کے احترام میں دشمن کے زخمیوں کو اپنے مورچوں۔ اپنی گولیوں کی زد میں سے گزر جانے دیا۔

اسی محاذ کے ایک دوسرے حصے میں خود زخمیوں کے ایثار و شجاعت کا ایک بے نظیر واقعہ رونما ہوا۔

کرنل اینڈرسن کی پلٹن زخموں سے چور چور ہو رہی تھی۔ کرنل موصوف نے جاپانی کمانڈر سے درخواست کی کہ وہ ان کے زخمیوں کو گھیرے میں سے نکل جانے دے جاپانی کمانڈر نے یہ شرط لگائی کہ پوری پلٹن ہتھیار ڈال دے تو اسے یہ بات منظور ہے۔ مگر زخمی سپاہیوں نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا اور میدان جنگ ہی میں رہنا اور مرنا گوارا کیا۔

**ان سے خبردار** جنگ کے فوراً بعد ملایا بالخصوص سنگاپور میں دن دہاڑے ڈاکہ زنی کی وارداتیں بہت عام ہونے لگی تھیں۔ چینی لٹیروں نے لاقانونی کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ وہ پستول دکھا کر راہ گیروں کو بر سر بازار لوٹ لیتے۔ کھلے بندوں دوکانوں میں گھس جاتے اور دوکانداروں کی جمع جتھا سمیٹ کر نو دو گیارہ ہو جاتے وہاں کے لوگ بھی کچھ ایسے "بھلے مانس" تھے کہ لٹیرے نے ذرا پستول کی نالی سامنے کی اور انہوں نے جھاڑ پونچھ کر جیب کی ہر چیز اُن کے حوالہ کر دی۔ سراسیمگی کا یہ عالم کہ آس پاس کے لوگ، دم سادھے تماشا دیکھتے رہتے۔ کسی کو انگلی تک اُٹھانے

کی جرأت نہ ہوتی ۔

۱۹۴۵ء کے دسمبر یا ۱۹۴۶ء کی جنوری کا ذکر ہے ۔ سنگاپور کے ایک نسبتاً خاموش علاقے ہالینڈ پارک میں دو چینی لٹیروں نے ایک پٹھان لیس نائیک کو آلیا اور پستول تان کر اسے لوٹنے کی ٹھانی ۔ پٹھان آخر پٹھان ٹھہرا ۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً لٹیروں سے گتھم گتھا ہو گیا ۔ اور اگرچہ بُری طرح سے گھائل ہوا لیکن ایک لٹیرے کو اپنی گرفت سے نکلنے نہ دیا ۔

واقعہ کا دلچسپ ترین پہلو یہ ہے کہ پٹھان کی جیب میں اس وقت دو سینٹ یعنی صرف دو پیسے تھے ۔ بہرحال اس واقعہ سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس کے بعد چینی لٹیروں کو ہمارے جوانوں پر ہاتھ ڈالنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی ۔ بلکہ جیسا کہ بعد میں پتہ چلا چینی لٹیروں نے ایک خفیہ گشتی مراسلے کے ذریعے دوسرے لٹیروں کو بھی مطلع کر دیا کہ انڈین سپاہیوں کو نہ چھیڑا جائے یہ لوگ دو سینٹ کے لئے بھی جان پر کھیل جاتے ہیں ۔

**بے اعتمادی کی قیمت** . . . . . . جاپان ابھی جنگ میں نہیں کودا تھا ۔ ملایا کی اشتراکی پارٹی جاپانیوں کے خلاف لڑنے کے لئے اپنی خدمات پیش کر رہی تھی ۔ مگر گورنر شنٹان اور جنرل پرسیول نے چینیوں کو ناقابلِ اعتماد سمجھتے ہوئے اس پیشکش کو رد کر دیا ۔

برطانیہ کو یہ بے اعتمادی بڑی مہنگی پڑی ۔

**تنہائی میں** ملایا کے جنگلوں میں جاپانیوں کے خلاف گوریلا لڑائی کے سلسلے میں کرنل چیپ مین کا تذکرہ اس سے پہلے بھی آچکا ہے ۔ شکست کے بعد ملایا میں ڈرے اور سہمے ہوئے ملائی باشندوں کو دیکھ کر کرنل موصوف اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں :-

" . . . . . ملائی لوگوں کو دیکھ کر مجھے سخت ندامت محسوس ہوتی ہے ۔ میں

سوچتا ہوں۔ ہم نے ان لوگوں کی عسکری روح کو فنا کیا اور اب ہم ان کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔"

## اکبر کے شعر

۱۹۴۸ء کی جنوری کے ابتدائی دن تھے۔ پاکستان بن چکا تھا لیکن پاکستان کی بہت سی فوج ملایا کے مشہور آلو پٹانگ کیمپ میں مراجعت وطن کا انتظار کر رہی تھی۔

ایک شام راقم الحروف ایک دوست سے ملنے کے لئے اس کیمپ میں گیا اور خیموں اور بارکوں اور جھونپڑوں کے اس اونچے نیچے مگر گنجان شہر میں راستہ بھول کر ایک اور افسر کے خیمے میں جا نکلا۔ یہ صاحب اس وقت اپنے خیمے میں موجود نہ تھے۔ اِدھر میں ایک کھڑی ٹیکری طے کرنے کے بعد بڑی مشکل سے چوٹی کے اس خیمے تک پہنچا تھا لہٰذا وہاں کچھ دیر توقف کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ "صاحب خیمہ" کی عدم موجودگی ہی میں وہاں بیٹھ گیا۔ ماحول کا جائزہ لیا تو خیمے کی الگنی پر لٹکے ہوئے ایک چوکھٹے میں جلی حروف میں کچھ اشعار لکھے ہوئے پائے۔ دیکھا تو سید اکبر الٰہ آبادی کی مندرجہ ذیل نظم مرقوم تھی۔

اِک بُت سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد
اِس خطا پر سُن رہا ہوں طعنہ ہائے دل خراش

کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگاڑی نسلِ قوم
کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بد خصال و بد معاش

دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ
ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش

ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ۔ انگریزی پڑھو
قوم انگلش سے ملو۔ سیکھو وہی وضع و تراش

جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارا کرو
"سوپ" و "کاری" کے مزے لو چھوڑ کر یخنی و آش

لیڈیوں سے مِل کے دیکھو اُن کے انداز و طریق
بال میں ناچو۔ کلب میں جا کے کھیلو اُن کے تاش

سامنے تھیں لیڈیاں زہرہ وش و جادو نظر
یاں جوانی کی امنگ اور ان کو عاشق کی تلاش

وہ فروغِ آتشِ رُخ جس کے آگے آفتاب
اس طرح کے جیسے پیشِ شمع پروانے کی لاش

جب یہ حالت تھی تو ممکن تھا کہ اِک برقِ بلا
دستِ سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دُور باش

دونوں جانب تھا رگوں میں جوشِ خونِ فتنہ زا
دل ہی تھا آخر نہیں تھا برف کی یہ کوئی قاش

بار بار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال
حضرت سیدؔ سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

"درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن ترُ مکن ہشیار باش"

میں یہ نظم پڑھ کر اپنے دوست کی تلاش میں آگے بڑھنے والا تھا کہ "صاحب خیمہ" بھی تشریف لے آئے۔ آگے آگے خود تین چار مہینے کا نصف ملائی نصف پاکستانی بچہ اٹھائے ہوئے اور پیچھے پیچھے حُسنِ ملایا کا ایک جیتا جاگتا مرقع —— ان کی رفیقۂ حیات۔ اب میں اس نظم کی "فریم کاری" کی عِلّت سمجھا۔ اگر وہ شعر پر فوجی جارحیت سے کام لے کر "لنڈن" کے بجائے کسی طرح "سنگاپور" گھسیڑ دیتے تو نظم حرف بہ حرف ان پر صادق آ رہی تھی۔ بعد میں ہم لوگ ایک ہی جہاز میں کراچی تک آئے اور یہ صاحب جو شعر و سخن سے خاصی دلبستگی رکھتے تھے۔ عرشۂ جہاز پر اکثر گنگنایا کرتے تھے۔

نہ طوفانِ ملامت کیوں اُٹھائے عاشقی اپنی
سمندر پار سے لایا ہے دل اپنا خوشی اپنی

**تاخیر و اختلاف** لارڈ لوئی مونٹ بیٹن کی کمان کے زمانے میں اراکان کی لڑائی کے دوران میں "مونٹ بیٹن" نے کسی بڑے اہم معاملہ میں امریکی حکومت سے مشورہ کرنا چاہا۔ واشنگٹن سے ان کے پیغام کا جواب ساتویں روز موصول ہوا۔

چینی محاذ کے امریکی سپہ سالار جنرل سٹل ویل (Stilwell) اور لارڈ مونٹ بیٹن کے درمیان بہت سے مسائل پر اکثر اختلاف رائے رہتا تھا۔ بالخصوص جنرل ونگیٹ کی مہم کے بارے میں۔ امریکی جرنیل کی رائے میں اس مہم کا ان کے محاذ پر ناگوار اثر پڑ رہا تھا۔ نومبر ۱۹۴۴ء میں آخر امریکی ہائی کمان نے سٹل ویل کو امریکہ واپس بلا لیا۔

**ونگیٹ مہم** برما کی جنگ میں میجر جنرل ونگیٹ کی مہم کا بڑا چرچا ہوا تھا۔ ونگیٹ ابھی بریگیڈیر تھے کہ انہوں نے لندن میں وزیر اعظم چرچل کے سامنے جاپانیوں کے عقب میں گوریلا کارروائیوں کی ایک مفصل سکیم پیش کر کے اسے منظور کرا لیا۔ اور ۱۹۴۳ء میں "تیسرے انڈین ڈویژن" کے نام سے انہوں نے ہندوستان میں ایک ڈویژن کے لگ بھگ فوج کو اس مقصد کے لئے تیار بھی کر لیا۔ بعد میں وہ اس جمعیت کے ساتھ جاپانیوں کے عقب میں جا اترے اور ونگیٹ اور اس کے سپاہیوں نے جنگ کے اسلوب و تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔

میجر جنرل ونگیٹ اس مہم میں مارے گئے تھے۔

"ونگیٹ فورس" اگست ۱۹۴۴ء تک جاپانیوں کے عقب میں کارفرما رہی۔ یہ فورس اگرچہ اپنے مقصد میں بہت زیادہ کامیاب نہ ہو سکی کیونکہ تعداد میں کم تھی۔ ہتھیار ہلکے اور معمولی تھے۔ تاہم انہوں نے ساڑھے پانچ ہزار جاپانیوں کو نابود کیا۔ فورس کی اپنی جمعیت میں سے ایک ہزار سے کچھ اوپر لوگ زندہ واپس نہ آ سکے ڈھائی ہزار کے قریب زخمی ہوئے اور ۴۷۳ آدمی لاپتہ رہے۔ برما کے جنگلوں میں اس فورس کو اتنے سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا کہ جو لوگ زندہ واپس آئے ان میں سے بھی ۵۰ فیصدی آئندہ میدانِ جنگ کی خدمت کیلئے ناکارہ ہو چکے تھے۔

## ایراودی

برما کی جنگ میں دریائے ایراودی کا عبور کرنا مشہور "چودھویں آرمی" کی "پندرھویں کور" کا جو "انڈین آرمی" پر مشتمل تھی۔ ایک یادگار و تاریخی کارنامہ ہے۔ اس مہم میں انیسواں انڈین ڈویژن پیش پیش تھا۔

...... یہ جنگ کا وہ دور تھا جب برما میں جاپانیوں کی پسپائی بلکہ شکست کے آثار نمودار ہو چکے تھے مگر جاپانی جرمنوں کے سے جوش و خروش کے ساتھ مدافعت کر رہے تھے۔ جاپانی سپہ سالار کیمورا ( Kimura ) نے ایراودی کے کناروں پر زبردست توپخانہ جمع کر رکھا تھا اور جاپانی دن رات تابڑ توڑ جوابی حملے کر رہے تھے۔ انیسواں ڈویژن ہر چند میدانِ جنگ میں نیا نیا اُترا تھا مگر آزمودہ کار شناورانِ جنگ کی طرح طوفانوں اور مشکلوں میں سے راستہ کاٹتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔

اتحادی قائدینِ جنگ کی رائے میں تین مقامات ایسے تھے جہاں سے ایراودی کو عبور کیا جا سکتا تھا۔ ایک بہت اُوپر گھنے جنگلوں میں جہاں اسکی چوڑائی پانچ سو گز سے زیادہ نہ تھی۔ مگر وہاں تک فوج اور ساز و سامان کا لے جانا مشکل تھا۔ دریا کے کنارے بھی خطرناک تھے۔ دوسرا وہ نقطہ جہاں ایراودی جنگلوں میں سے نکل کر میدان میں داخل ہوتا ہے اور اس کا پاٹ دو ہزار گز تھا اور تیسرا وہ مقام جہاں دریائے چندوِن ایراودی سے آکر ملتا ہے۔ یہاں دریا کا پاٹ چار ہزار گز سے بھی زیادہ تھا اور اگرچہ کنارے بھی قابلِ اعتماد نہ تھے مگر اتحادی فوجوں کے بڑے ریلے نے ایراودی کو یہیں سے عبور کیا۔

۱۴ر فروری ۱۹۴۴ء کی رات کو مینمو ( Myinmu ) گاؤں کے قریب بیسویں انڈین ڈویژن نے دریا عبور کرنا شروع کیا۔ جاپانی کمانڈر کیمورا نے اگرچہ ایراودی کے ساتھ ساتھ دو سو میل تک ہر امکانی ناکہ بند کر رکھا تھا مگر یہ بات اس کے سان و گمان میں بھی نہ تھی کہ مینمو سے بھی دریا پار کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ وہ غالباً اسے ناقابلِ عمل سمجھتا تھا۔

بیسواں ڈویژن اگرچہ کامیابی سے پار اُتر گیا۔ اور پہلے ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر

اس نے چھ میل لمبا اور دو میل چوڑا ایک محاذ بھی پاؤں جمانے کے لئے پیدا کر لیا۔ لیکن اتنے میں کیمورا کی فوج چاروں طرف سے گویا اسی نقطہ پر امنڈ آئی اور پھر ۱۵ فروری کے بعد برابر دو ہفتوں تک ایراودی کے ساحل پر برما کی خوفناک ترین لڑائی جاری رہی۔ بالآخر کار کیمورا کو پسپا ہونا پڑا۔

اب جاپانی سپہ سالار نے ایراودی اور مانڈلے کے درمیان جم کر لڑنے کی ایک اور کوشش کی۔ کیمورا نے برما میں جاپان کی پوری قوت اس رقبہ میں مجتمع کر لی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک ایک آدمی وہیں آن موجود ہوا ہے مگر جنرل کیمورا اور جنرل سلم کی اس ٹکر میں بھی میدان جنرل سلم کے ہاتھ رہا۔ اس لڑائی میں میکٹیلا کا معرکہ زیادہ قابلِ ذکر ہے۔ میکٹیلا میں جاپانی اس شدت و دیوانگی سے لڑے کہ شہر کے گلی کوچوں بلکہ ایک ایک گھر میں لڑائی ہوئی اور جب انڈین آرمی نے شہر پر قبضہ کیا تو شہر کے گلی کوچے جاپانیوں کی لاشوں سے پٹے ہوئے تھے۔

برما کا آخری زبردست معرکہ مانڈلے میں ہوا۔ یہاں جاپانیوں نے ایک مرتبہ پھر دیوانہ وار مقابلہ کیا۔ ہندوستانی جوانوں نے پے در پے آٹھ یا نو حملے کئے جو ناکام رہے۔ آخرکار ایک طویل اور خوفناک دست بدست لڑائی کے بعد ہندوستانیوں نے ۱۹ مارچ کو مانڈلے کا قلعہ بھی سر کر لیا۔ اور اس کے ساتھ ہی برما میں جاپانی مدافعت کا زور ٹوٹ گیا۔

**دو تجربے** جنوب مشرقی محاذ میں میجر جنرل (بعد میں جنرل سر) فرینک میسروی ساتویں انڈین ڈویژن کی کمان پر مامور تھے۔ ابتدا میں جاپانی فوج اس ڈویژن کو تقریباً روندتی ہوئی گذر گئی تھی۔ جنرل میسروی کے ساتھ افریقہ میں بھی یہی حادثہ گذر چکا تھا۔ وہاں بھی رومیل کی افریقہ کور ان کے ہیڈکوارٹر تک کو تہس نہس کرتی ہوئی گذر گئی تھی۔

برما میں البتہ جنرل میسروی کمال تدبر کے ساتھ اپنے ہیڈکوارٹر کو دشمن کے نرغے سے بچا لائے تھے۔

**جاپان کی شکست** برما کی دوبارہ تسخیر کے بعد لفٹیننٹ جنرل سر مائلز ڈیمپسی کی سرکردگی میں ملایا پر دھاوا بولنے کی تیاری ہو رہی تھی بلکہ حملے کی تاریخ تک مقرر ہو چکی تھی کہ ۶ اور ۹ اگست کو ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے گئے اور ۱۰ اگست کو جاپان شرائطِ صلح پر گفتگو کرنے کو تیار ہو گیا۔

**مافوق البشر نہیں** پانچواں ہندوستانی ڈویژن مشرق وسطیٰ سے برما میں پہنچا تو معرکہ میں کودنے سے پہلے ڈویژنل کمانڈر میجر جنرل برگز نے ایک تقریر میں اپنے افسروں اور سپاہیوں سے کہا:-

"........ اس وقت دشمن کا حوصلہ بلند ہے۔ اس کی تربیت اعلیٰ ہے وہ قید ہونے کے بجائے مرجانا پسند کرتا ہے مگر وہ (جاپانی) مافوق البشر ہرگز نہیں۔ ہم جرمنوں اور اطالویوں کی طرح اسے بھی تباہ کر دینگے۔"

**کوہیما۔امپھل** برما میں جاپانیوں کو سب سے بڑی اور فیصلہ کن ہزیمت امپھل کوہیما کے میدان میں ہوئی جہاں جاپان کے تین ڈویژن تقریباً ناکارہ ہو گئے۔ ایک اندازے کے مطابق اس لڑائی میں تیس ہزار جاپانی ہلاک یا زخمی ہوئے۔ صرف امپھل کے قرب وجوار میں ساڑھے تیرہ ہزار لاشیں گنی گئی تھیں۔ اس ناکامی نے جاپانیوں کے ہندوستان پر حملہ کرنے کا منصوبہ ختم کر دیا بلکہ اس کے بعد وہ برما میں بھی بڑے پیمانے پر کوئی جارحانہ حملہ نہ کر سکے۔

**خونی ریلوے** جنگ کے زمانے میں جاپانیوں کی تعمیر کردہ "خونی ریلوے" کا بڑا چرچا سننے میں آتا تھا۔ یہ دراصل ریل کی وہ پٹڑی تھی جو بنکاک سے رنگون تک بچھائی گئی تھی۔ اتنی طویل ریلوے لائن ایک سال کی مدت میں مکمل کر دی گئی تھی۔ اس کی تعمیر میں ہزاروں جنگی قیدی اور عام شہری جاپانیوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اسی وجہ سے اس کا نام "خونی ریلوے لائن" پڑ گیا۔

اس ریل کے ذریعہ سے روزانہ دس ہزار ٹن سامان بنکاک سے مولمین پہنچ جاتا تھا۔

**ہندوستان پر جاپانی حملہ** ۴ر اپریل ۱۹۴۴ء میں جاپانیوں نے کوہیما (آسام) پر اپنا بڑا حملہ شروع کیا۔ اور بڑی تیزی سے قصبہ کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ انتہائی نازک صورتِ حال تھی۔ شہر کی دفاعی اسکیم اس خیال کے پیشِ نظر بنائی گئی تھی کہ دشوار گذار ناگا پہاڑیوں کی وجہ سے جاپانی ایک رجمنٹ سے زیادہ جمعیت وہاں نہیں لاسکیں گے۔ مگر وہ پورا ایک ڈویژن لے آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دیماپور تک کا سارا علاقہ خطرے کی زد میں آگیا۔

**ابھی اور لیس** انڈونیشیا میں محب الوطن انڈونیشی لوگوں اور ہالینڈ کی کیل کانٹے سے لیس باقاعدہ فوجوں کے درمیان زبردست جھڑپیں ہو رہی تھیں۔ جاوا کے خوبصورت شہر بنڈونگ کے مضافات میں ایک ہندوستانی مسلمان ڈاکٹر نے دیکھا کہ گیارہ بارہ برس کا ایک انڈونیشی لڑکا زخمی پڑا تھا۔ ڈچ سپاہیوں کی گولیوں نے اس کا جسم چھلنی کر دیا تھا۔ ہندوستانی ڈاکٹر نے اس کی مرہم پٹی کی۔ ذرا ہوش آیا اور آنکھ کھولی تو نوعمر انڈونیشی لڑکے نے پہلی بات جو ڈاکٹر سے کی یہ تھی :-

"میری رائفل کہاں ہے۔ مجھے ابھی کم ازکم
ایک اور ڈچ قتل کرنا ہے"

**قرآن بیچتے نہیں** انڈونیشیا کے مسلمانوں کی عام اسلامی اخوت۔ مذہبی حمیت اور دینی رویہ کے متعلق ایک واقعہ پاکستان بحریہ کے ایک ڈاکٹر کے الفاظ میں سنئے :-

"پہلا رمضان ہمیں انڈونیشیا میں آیا۔ ہمارے ہسپتال میں مسلمان جوانوں کی کافی تعداد تھی۔ نمازِ تراویح کے انتظام کا سوال پیدا ہوا تو میرے ذمّے یہ کام لگایا گیا کہ میں کسی مقامی حافظِ قرآن اور عالمِ دین کی خدمات حاصل کروں۔ چنانچہ میں پوچھتا پاچھتا ایک حافظ السید محمد صاحب کے ہاں جا نکلا۔

میں وہاں پہنچ تو گیا۔ لیکن پہلے تو حافظ صاحب کا مکان دیکھ کر ہی ٹھٹکا۔ بنگلہ نما ایک چھوٹا سا مگر بڑی پیاری وضع کا مکان تھا۔ بیرونی دروازہ پر سید صاحب کا

نام بڑی نفاستِ ذوق کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ اندر پہنچا تو ایک آراستہ و پیراستہ۔ نظر فریب و دلکشا ڈرائنگ رُوم کا منظر سامنے تھا۔ ایک ایک چیز سے قرینہ اور سلیقہ۔ نفاست اور لطافت مترشح تھی۔ میں تو یہ منظر دیکھ کر پہلے قدرے بوکھلا گیا۔ گمان ہوا کسی غلط مقام پر آنکلا ہوں۔ مولوی صاحب کے بجائے کسی منسٹر کے گھر آپہنچا ہوں بہرحال اتنے میں سید صاحب تشریف لے آئے اور اطمینان ہوا کہ واقعیٔ میں ایک عالم دین کی خدمت میں حاضر تھا۔

سید صاحب ایک وسیع النظر عالم تھے۔ ان کا ایک فرزند اُس وقت جامع ازہر مصر میں زیرِ تعلیم تھا۔ دوسرا بیٹا جاوا میں تجارت کرتا تھا۔

میں نے اپنا مدعا بیان کیا تو بکمال اخلاق و مروّت فوراً سید صاحب نے ہماری درخواست قبول فرمالی۔ اب " معاملہ طے کرنے " کا مرحلہ باقی تھا کیونکہ اس "مشن" پر روانہ ہونے سے پیشتر مجھے اپنے " اختیارات " کی سرحد بتادی گئی تھی۔ مگر جس صورت حال سے میں دوچار تھا اس نے گویا معاملہ ہی دگرگوں کر دیا تھا۔ گو نم مشکل دگرنہ گو نم مشکل۔ اگر واشگاف طور پر کھول کر پوچھتا ہوں تو اندیشہ تھا وہ کہیں خفا نہ ہو جائیں۔ یوں بھی اس ماحول میں یہ بات کچھ گھٹیا سی معلوم ہوتی تھی۔ نہیں پوچھتا ہوں تو یہ ڈر تھا کہ پاؤں کہیں چادر ہی سے نہ باہر نکل جائیں۔ خیر، کوفی کے دو تین پیالے ختم کرنے کے بعد آخر ہمت کر کے میں نے سلسلہ جنبانی کی۔

" سید صاحب افطاری اور شام کا کھانا آپ ہمارے ساتھ ہی تناول فرمایا کریں گے " میں نے کہا۔ آپ کی محبت کا شکریہ۔ لیکن میں کھانا کھا کر پہنچ جایا کروں گا۔"

" تو کیا آپ ہمیں اس سعادت اور خوشی سے محروم رکھنا چاہتے ہیں!" میں نے پینترا بدلا۔" کسی دن اگر آپ مدعو فرمائیں گے تو میں بڑی خوشی سے حاضر ہوں گا لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں اسے روزانہ کا معمول نہیں بنا سکتا۔ میرے بھی چند اصول ہیں۔"

یہ وار بھی خالی گیا۔ اب میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کہوں۔ جو شخص کھانے تک کا روادار نہیں ہو رہا اس سے یہ کون پوچھے کہ عید کے دن یکمشت کتنے روپے ہدیہ کے نام

ہے حضور کی نذر کیے جائیں۔ مَیں اسی پیچ و بن میں اس کام کی عظمت اور محنت پر بے ربط سے جملے ادا کر رہا تھا کہ سید صاحب خود میری کمک کو آ گئے۔ کہنے لگے :۔

"آپ جو کچھ سوچ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ ہندوستان کا مسلمان اس ملک میں نیا نہیں ہے۔ آپنے یہاں آکر ہمارے بعض لوگوں کی عادت بھی بگاڑ دی ہے۔ بہرحال جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میرے بیٹے۔ میں نے قرآن اس لئے نہیں سیکھا کہ اُسے بیچتا پھروں۔ روزی کمانے کے لئے اللہ نے دوسرے بے شمار راستے کھول رکھے ہیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ چند ٹکوں کے عوض میں اس ثواب کو بیچ دوں جسکی خود مجھے بھی ضرورت ہے؟"

# ساتواں ڈویژن

(جواب پاکستانی فوج میں شامل ہے)

ساتواں ڈویژن برٹش آرمی کے نامور ڈویژنوں میں سے تھا۔ تقسیمِ ہند کے بعد یہ ڈویژن پاکستان کے حصّے میں آیا۔ اپنے "سنہرے تیر" کے امتیازی نشان کے باعث یہ ڈویژن "گولڈن ایرو" کے نام سے زیادہ مشہور تھا۔

اس کی بنیاد اکتوبر ۱۹۴۰ء میں اٹک کے تاریخی قلعہ میں رکھی گئی تھی۔ اس کے پہلے کمانڈر میجر جنرل ویکلی ( Wakely ) تھے جن کے بریگیڈ کماندار بریگیڈیر کرٹس ( Curtis ) بریگیڈیر رابرٹس اور بریگیڈیر کاتھک ( Cathic ) تھے۔

چھندواڑہ میں ضروری تربیت کے بعد برما کی لڑائی میں اس ڈویژن کا پہلا معرکہ اراکان میں ہوا۔ یہیں اس ڈویژن میں ایم۔سی کا سب سے پہلا اعزاز کیپٹن (اب پاکستانی فوج کے میجر جنرل) محمد سرفراز کو ملا۔ ڈویژن کے میڈیکل افسر کرنل (اب لفٹیننٹ جنرل) برکی نے بھی اس مہم میں بڑی شہرت حاصل کی۔ مجموعی طور پر چار "وکٹوریہ کراس" اس ڈویژن کے ہاتھ آئے جو ایک بہت بڑا امتیاز ہے۔

جنگ میں اس کی کارکردگی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اگست ۱۹۴۳ء میں یہ ڈویژن ارکان میں لڑ رہا تھا اور اگست ۱۹۴۵ء میں دشوار گزار جنگلوں دریاؤں کو عبور کرتا ہوا زیریں ستیانگ میں کھڑا تھا۔ زبردست مزاحمت اور خونریز لڑائیوں میں سے گزرتے ہوئے پندرہ سو میل کی یہ پیش قدمی ایک قابلِ فخر کارنامہ ہے۔ اس ڈویژن نے اراکان کوہیما اور ایراوتی کے ہر بڑے معرکے میں نمایاں حصّہ لیا۔

جاپان کے شکست تسلیم کرنے کے فوراً بعد اسی ڈویژن کا ایک ہراول دستہ تھا جو کرنل کلونت سنگھ کی قیادت میں سیام میں اُتارا گیا جہاں اُس وقت ایک لاکھ بیس ہزار مسلح سپاہی موجود تھے۔ کچھ مدت تک ملایا میں مقیم رہنے کے بعد ۱۹۴۶ء کے آخر میں اس نامور ڈویژن کو ہندوستان (راولپنڈی) میں واپس بھیج دیا گیا۔ اس وقت اس کے کمانڈر میجر جنرل لافنس ٹاٹنہم تھے۔ ڈویژن کی واپسی پر کور کمانڈر لفٹیننٹ

جنرل سر فرینک میسروی نے اس کی شجاعت۔ کارکردگی۔ جذبے اور کامیابی کی بہت تعریف کی۔

ڈویژن کے پہلے کمانڈر میجر جنرل ویکلی کا نام اُوپر آچکا ہے۔ ان کے بعد مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے میجر جنرل رچرڈسن۔ میجر جنرل گاربٹ۔ میجر جنرل فرینک میسروی۔ میجر جنرل ایونز اور میجر جنرل لویٹ ( Lovett ) اس کی کمان پر فائز رہے

قیامِ پاکستان کے بعد سے لے کر اب تک (مارچ ۱۹۵۵ء) میجر جنرل ٹاٹنہم۔ میجر جنرل ایم حیاء الدین۔ ایم۔سی۔ میجر جنرل نواب زادہ شیر علی خاں۔ میجر جنرل محمد یوسف خاں اور میجر جنرل حبیب اللہ خاں یکے بعد دیگرے اس ڈویژن کی کمان کرتے رہے ہیں۔ پاکستان ملٹری اکیڈیمی کے موجودہ (۱۹۵۵ء) کمانڈنٹ بریگیڈیر پگٹ ( Piggot ) بھی اس ڈویژن سے متعلق رہ چکے ہیں۔

اراکان میں ساتویں ڈویژن کے مقابلے پر ۵۵۔ واں جاپانی ڈویژن صف آرا تھا۔ جس کے کمانڈر میجر جنرل "ساکورائی تھوتھاس" ایک زیرک جرنیل تھا۔ جاپان میں یہ ڈویژن ( Ta ) یعنی "سپر" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس کے دوش بدوش ۵۴۔ واں جاپانی ڈویژن تھا جس کی کمان میجر جنرل کوبا ( Coba ) کے ہاتھ میں تھی۔

لفٹیننٹ جنرل حنایا ( Hanaya ) لفٹیننٹ جنرل کاٹامورا (Katar ura) اور لفٹیننٹ جنرل مازاکی ( Mayzaki ) مختلف اوقات میں برما کے جاپانی کمانڈر انچیف تھے۔

# "سائیکل سوار جاپانی فوج"

آکسفورڈ یونیورسٹی کے گریجویٹ کرنل چیپ مین ملایا میں برطانوی گوریلا دستوں کے لیڈر تھے۔ ۱۹۴۱ء میں جب مشرق بعید میں جاپانی حملے کا اندیشہ پیدا ہوا تو ملایا کمان نے سنگاپور میں گوریلا جنگ کی سکھلائی کے لئے ایک باقاعدہ سکول قائم کیا تھا۔ کرنل موصوف اس اسکول کے کمانڈنٹ تھے۔

بعد میں جب جاپانی جرنیل یاماشیٹا کی فوجوں نے پورے ملایا کو روند ڈالا تو کرنل چیپ مین چند ساتھیوں کے ہمراہ ملایا کے جنگلوں میں غائب ہو گئے اور ان گنجان جنگلوں میں تین چار سال تک چینی اشتراکیوں کی مدد سے جاپانیوں کے خلاف لڑتے بھڑتے رہے۔ ایک مرتبہ وہ جاپانیوں کے ہاتھ بھی پڑ گئے مگر جس صبح وہ قید ہوئے اسی کی شام کو بھاگ نکلے۔

خاتمہ جنگ سے کچھ ہی پہلے آپ ایک آبدوز کے ذریعے ملایا سے نکل کر سیلون میں لارڈ لوئی مونٹ بیٹن کے ہیڈ کوارٹر آپہنچے اور حملہ کرنے والی اتحادی فوجوں کے ساتھ پھر ملایا کے ساحل پر جا اترے۔ اس دلیری و جان سپاری کے صلہ میں آپ کو ڈی۔ ایس۔ او۔ کا اعزاز دیا گیا تھا۔ کرنل چیپ مین نے اپنی یادداشتوں میں اپنے ان مشاہدات، تجربات، تاثرات کو نہایت دلچسپ پیرایہ میں قلمبند کیا ہے۔ ذیل کی سطور جن میں جاپانیوں کا تذکرہ ہے۔ انہیں یادداشتوں سے مرتب کیا گیا ہے۔

**سائیکل سوار** ملایا میں جب برطانوی فوج دریائے پیراک سے ہٹ رہی تھی اور جاپانی اس بھرے ہوئے دریا کو عبور کرنے والے تھے۔ کرنل چیپ مین اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ جاپانیوں کی نقل و حرکت کو دیکھنے ان کی صفوں کے پیچھے چلے گئے تھے۔ حملہ آور جاپانیوں کے ساتھ اپنے پہلے سابقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہم سے کوئی سو سوا سو گز کے فاصلے پر ایک ربڑ اسٹیٹ کی مرکزی عمارتوں میں جاپانیوں کا بڑا کیمپ تھا۔ جاپانی سپاہی یہاں سے نکل کر پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ

کی ٹولیوں میں دریائے پیراک کو جانے والی سڑک پر ساحل کی طرف جا رہے تھے۔ ان میں سے اکثر سائیکلوں پر سوار تھے اور پہلو بہ پہلو تین تین کی قطاروں میں آپس میں بول ہنستے بولتے مذاق ٹھٹھا کرتے جا رہے تھے۔ گویا جنگ لڑنے نہیں فٹ بال کھیلنے جا رہے ہوں۔

اور ان میں سے پیشتر نے واقعی کھلاڑیوں والے بنیان پہن رکھے تھے۔ رنگ برنگے۔ سبز۔ بھورے۔ مٹیالے۔ پتلونوں کا بھی یہی حال تھا۔ بعض نے پائنچے بوٹوں میں دبا رکھے تھے۔ پاؤں میں لمبے گم بوٹوں سے لیکر ربڑ کے سبک کھڑاؤں تک جو چیز بھی تصور کی جا سکتی ہے نظر آ رہی تھی۔ بہت سوں نے کچھ بھی پہن نہیں رکھا تھا۔ سر کا معاملہ سب سے زیادہ گوناگوں تھا۔ قسم قسم کی ٹوپیاں وضع وضع کے ہیٹ، ٹین کے خول، سرکنڈے کے چینی چھاج - غرضیکہ سبھی کچھ۔ بعضوں نے محض رومال اور تولئے لپیٹ رکھے تھے۔

ہتھیار بھی ہلکے پھلکے تھے۔ ہتھیار کیا تھے۔ سائیکلوں کے فریم کے ساتھ ایک ایک ٹامی گن باندھ رکھی تھی اور دوسری طرف لٹکتے ہوئے تھیلے میں بارود تھا۔ بس۔

کبھی کبھی اکا دکا کوئی سٹاف کار کبھی سینئر جاپانی افسر۔ کرنل یا بریگیڈیر —— کو لئے ہوئے گذر جاتی تھی۔ ورنہ یہ فوج سائیکلوں ہی کا ایک دریا تھی۔ جونیئر افسر بھی اپنے سپاہیوں کے ساتھ سائیکلوں پر اڑے جا رہے تھے۔

اس جھلک سے جاپانیوں کے متعلق پہلا تاثر جو دل میں پیدا ہوتا تھا ان کے عزم اور ان کی جفاکشی کا تاثر تھا۔ انہیں ایک خاص مقام یا نقطے پر پہنچنے کا حکم ملا تھا اور وہ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اس سمت کو بھاگے چلے جا رہے تھے۔ بے فکر و بے پروا۔ حالانکہ ان کے پاس نہ ہتھیار کافی تھے نہ سامان۔ سائیکل جن پر سوار وہ دوڑے جا رہے تھے ملایا ہی میں سے ہتھیائے گئے تھے۔ موٹروں پر بھی جو کہیں کہیں نظر آ جاتی تھیں۔ ابھی تک ملایا ہی کے نمبر لگے ہوئے تھے۔ گویا سپاہیوں کے علاوہ ہر چیز مقامی تھی۔

سڑک کے دونوں کناروں پر ساتھ ساتھ جاپانیوں کا ایک اور ریلا رواں دواں تھا۔ ہنستا گاتا سیٹیاں بجاتا ہوا ہجوم چلتے چلتے یہ سپاہی راہ پڑتے کمپونگوں (دیہاتوں) کا جائزہ بھی لیتے جا رہے تھے۔ جہاں کہیں جسے کوئی سائیکل ہاتھ لگ جاتی وہ پیدل قافلے سے نکل کر سواروں میں جا ملتا۔

سڑک ہی کے کناروں پر بڑ اور ناریل کے سائے میں سپاہیوں کی بعض پارٹیاں شام کا کھانا پکا رہی تھیں۔ اس تیاری میں مشکل سے چھ سات منٹ لگتے تھے۔ آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن تھے جن پر جاپانی سپاہی سگریٹوں کے خالی ڈبوں میں چاول اُبال رہے تھے۔ ٹین میں مٹھی بھر چاول ڈال دیتے اور لمبی تار یا کسی ڈنڈے کی مدد سے اُس کو الاؤ پر رکھ دیتے۔ چاول اُبل گئے تو اسی ڈبے میں اُن پر تھوڑا سا اچار یا چٹنی ڈال کر کھا لیتے۔ بعض خوش نصیبوں کے جھولوں میں خشک مچھلی کے ڈبے بھی تھے۔ یہ لوگ بڑے فخر و مروّت کے ساتھ اپنے ساتھیوں میں خشک مچھلی تقسیم کر رہے تھے۔ یہ تھا ان کا کھانا۔ اللہ اللہ خیر صلّا۔

اتنے میں بارش ہونے لگی۔ ملایا میں تقریباً ہمیشہ برسات ہی کا موسم رہتا ہے ابھی مطلع صاف ہے ابھی دھواں دھار پانی برس رہا ہے۔ مینہ سے بچنے کے لئے ہم درختوں کی اوٹ میں چلے گئے مگر جاپانی بدستور رواں دواں چلے جا رہے تھے۔ بارش کا احترام انہوں نے صرف اس قدر کیا کہ تھیلوں میں سے واٹر پروف کی جھلّیاں نکال کر سر پر اوڑھ لیں جو سبھی کے پاس تھیں۔ آس پاس مکان موجود تھے۔ دیہات تھے۔ چھپر تھے۔ جنگل کے گنجان درخت تھے۔ پناہ لینے کی سینکڑوں صورتیں تھیں مگر کسی ایک نے بھی توقف کرنا پسند نہ کیا۔ وہ پیراک کی طرف دوڑے جا رہے تھے وہ خوب جانتے تھے کہ ملایا میں اگر بارش کی وجہ سے کام رُکنے لگے تو سرے سے کوئی کام کرنا ہی مشکل ہو جائے گا۔

بارش بڑے زور کی تھی۔ ہم ایک ہی منٹ میں شور بور ہو گئے۔ درختوں کے پتوں پر بارش کے جھالے اتنا شور مچا رہے تھے کہ ہمیں ایک دوسرے سے بات کرنے

کے لئے گلے کا پورا زور صرف کرنا پڑتا تھا۔ مگر جاپانی سائیکل سوار اور پیدل سپاہیوں کا سیلاب سڑک پر اُسی روانی سے چلا جا رہا تھا۔ ہمارے لئے یہ منظر حیرت انگیز تھا۔

...... آج کرسمس کا دن تھا۔ ہم نے اپنے تھیلوں سے بھیگے ہوئے چاکلیٹ اور بسکٹ نکالے اور کرسمس منایا۔ اتفاق سے ایک بوتل میں سے آسٹریلیا کی برانڈی کے چند جرعے بھی نکل آئے جو بڑے کام آئے۔

اب شام ہو چلی تھی۔ ہم جنگل سے کھسک کر پھر سڑک کے ذرا قریب آگئے۔ جاپانی سپاہی اب بھی سائیکلوں پر سر نہوڑائے۔ سیٹیاں بجاتے، گیت گاتے، دوڑے چلے جا رہے تھے۔ دریائے پیراک کی طرف جس کے دوسرے کنارے پر انڈین ڈویژن پڑا تھا۔ ہمارا ارادہ تو یہی تھا کہ اندھیرا ذرا گہرا ہو لے تو سڑک عبور کی جائے۔ مگر بارش کی وجہ سے جسم اکڑے چلے تھے۔ نیز اب بعض اوقات جاپانیوں کے اس مسلسل جلوس میں بھی کبھی کبھی تھوڑا تھوڑا وقفہ مل جاتا تھا۔ چنانچہ ہم نے اُسی وقت سڑک عبور کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن ابھی میں دوڑ کر سڑک پر پہنچا ہی تھا کہ جاپانی سائیکل سواروں کا ایک دستہ اُوپر سے آگیا۔ بالکل اُوپر۔ سر پہ۔ بڑی مشکل سے میں اُلجھنے اور ٹکرانے سے بچا۔ میں نے فوراً اپنی ٹامی گن ایک طرف پھینک دی اور خیر مقدم کے انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے اُنہیں کے انداز میں سیٹی بجا دی جس کے جواب میں جاپانی بھی ہاتھ ہلا ہلا کر دیر تک سیٹیاں بجاتے رہے۔ دراصل وہ مجھے پہچان نہ سکے۔ انہیں یہ گمان بھی کیسے ہو سکتا تھا کہ اس وقت وہاں کوئی انگریز موجود ہوگا۔

اندھیرا زیادہ گہرا ہوا تو ہم دونوں پھر سڑک پر سرک آئے اور ایک رُخ کو کنارے کنارے چلنا شروع کر دیا۔ مگر جوں جوں تاریکی بڑھ رہی تھی یوں معلوم ہو رہا تھا کہ تاریکی کے ساتھ ساتھ جاپانیوں کی آمد و رفت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی تو ہم عین اُن کی زد میں آجاتے تھے۔ بعض اوقات راہ میں بیٹھے ہوئے جاپانیوں کے اُوپر جا چڑھتے تھے یہ نہ سمجھے کہ جاپانی ستانے یا دم لینے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ سائیکلوں کی مرمت

کے لئے رُکے ہوتے تھے۔ کوئی پیڈل ٹھیک کر رہا تھا۔ کوئی پہیہ درست کر رہا تھا۔ کسی کی زنجیر اُتر گئی تھی۔ ورنہ سستانا یا دم لینا تو ان کی لغت میں جیسے تھا ہی نہیں ——— ہم ایک گھنٹے میں بمشکل دو ڈھائی سو گز کا فاصلہ طے کر سکے ہوں گے اور آخر سفر ملتوی کر کے ایک طرف دبک کر بیٹھ جانے ہی میں خیریت سمجھی۔ جنگل میں اِدھر اُدھر سے لکڑیاں جمع کیں۔ اُن پر لمبے لمبے اور موٹے موٹے پتوں کا بستر جمایا اور ایک دوسرے سے لپٹ کر سو گئے۔ سو کیا گئے پڑ رہے۔

دوسری صبح جنگل کے اندر اندر سڑک کے متوازی چلنا شروع کیا۔ کچھ دُور جا کر بے قاعدہ جنگل ربڑ کے وسیع و گنجان باغوں میں تبدیل ہو گیا جن میں یہاں وہاں کالے کلوٹے تامل مزدور بڑے اطمینان کے ساتھ ربڑ کے تنوں سے دُودھ کے پیالے جمع کر رہے تھے۔ سڑک پر سے جاپانیوں کی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔ فوجی کاشن۔ لمبی سیٹیاں اور بے ہنگم گیت جنہیں اب ہم اچھی طرح سے سمجھنے لگ گئے تھے۔

ہمارا پروگرام اب یہ تھا کہ دریا عبور کر کے انڈین ہیڈ کوارٹر میں پہنچ کر انہیں جاپانیوں کی نقل و حرکت سے مطلع کریں۔ مگر جب کوالا کانگسر کی سڑک پر بروسی کی طرف چلے تو آگے بڑھنا ہی دشوار ہو گیا۔ سڑک پر چلنا خطرناک تھا اور جنگل خاصی دُور تک اتنا گنجان تھا اور زیر درختی اس قدر اُلجھی ہوئی کہ ہمارا ملائی خنجر بھی ہماری کوئی مدد نہ کر سکتا تھا۔ ناچار ہم جنگل اور سڑک کے درمیان دھانوں سے بھرے ہوئے ایک کھیت میں دبک گئے۔ یہاں سے اپنی فوجی دُوربینوں کی مدد سے ہم جاپانیوں کی سرگرمیوں کو دُور دُور تک صاف دیکھ سکتے تھے۔

ہم سے کوئی سو گز دُور کسی ربڑ اسٹیٹ کی خوشنما و دیدہ نواز عمارتیں تھیں جن میں جاپانی افسروں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ بڑے بنگلے کے سامنے چند شاندار کاریں کھڑی تھیں جن پر جاپان کے چڑھتے سورج والے جھنڈے لہرا رہے تھے اور لمبے لمبے کانوں والے جاپانی افسر رینک کے چھوٹے چھوٹے نشانات لگائے۔ گھڑ دوڑ کے جاکیوں کی سی ٹوپیاں پہنے بڑی تیزی سے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بھاگے پھر رہے

تھے۔ بڑے بنگلے سے کچھ ہٹ کر چند جاپانیوں نے کچھ چینیوں اور ملائیوں کو نرغے میں لے رکھا تھا اور زدوکوب کا عمل جاری تھا۔ جاپانی سپاہی ہوا میں اپنی چمکدار تلواریں لہرا لہرا کر چینی اور ملائی باشندوں کو دھمکا رہے تھے۔ اس اسٹیٹ میں غالباً کسی جاپانی بریگیڈ کا ہیڈ کوارٹر تھا۔

ہم شام تک دھانوں ہی میں بیٹھے رہے۔ شام ہوئی تو سڑک پر آئے۔ مگر ابھی ایک قریبی گڑھے میں ٹاک ٹوئیے مار رہے تھے کہ جاپانی ہیڈ کوارٹر سے ایک موٹا تازہ کتا عف عف کرتا چھلانگیں بھرتا ہماری طرف لپکا اور اس کے تعاقب میں چند جاپانیوں نے ہیڈ کوارٹر سے نکل کر ٹارچوں کی طاقتور روشنیاں اِدھر اُدھر پھینکنی شروع کر دیں۔ اب اپنا پکڑے جانا یقینی معلوم ہوا۔ چنانچہ ہم نے بھی اپنی ٹامی گنیں سیدھی کر لیں۔ مگر اتفاق کی بات کہ روشنی کا کوئی دھارا ہم پر نہ پڑا اور یوں ہم، اُن سے اور وہ ہم سے بچ ہی گئے۔ وہ غالباً اس مغالطے میں تھے کہ کتے نے کسی بھیڑیئے کو دیکھ لیا ہے۔ چنانچہ وہ زیادہ تر جنگل ہی کی طرف روشنی پھینکتے رہے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ اپنی موت اور اپنے شکار کے کس قدر قریب کھڑے تھے؟۔

اگلی صبح جنگل میں گھومتے پھرتے ہم اتفاقاً پھر اسی گاؤں میں آنکلے جہاں پہلے دن وہاں کے ملائی نمبردار نے ہمیں نہایت لذیذ کھانا کھلایا تھا۔ مگر اب دیکھا تو گاؤں کا گاؤں ویران پڑا تھا۔ خوش قسمتی سے اتنے میں کہیں سے ایک ملائی نوجوان آنکلا جس نے پہلے تو ہمیں کھانے کو کیلوں کا ایک خوبصورت گچھا دیا اور پھر بتایا کہ جاپانی فوج دریائے پیراک کو عبور کر چکی ہے اور برطانوی فوج باطو گاجا کی طرف ہٹ رہی ہے۔ رات کو اس نوجوان نے دریا عبور کرنے کے لئے ہمارے واسطے ایک چھوٹی سی کشتی کا انتظام بھی کر دیا اور اس لطف و مروت کے لئے اس نے ہم سے کوئی نذرانہ بھی قبول نہ کیا۔ کشتی ماہی گیروں کی ہلکی پھلکی سمپان تھی۔ دریا طغیانی پر تھا۔ مگر ہم نے کشتی دریا میں ڈال دی اور دوسرے ہی لحہ کشتی اور کشتی کے ساتھ ہم دریائے پیراک

کی خوفناک موجوں میں ناچ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ پنیمے کے کسی دراڑ میں سے پانی کشتی کے اندر آرہا تھا۔ اب ہم میں سے ایک نے چپو سنبھالے اور دوسرے نے اپنی گورکھالی ٹوپی سے پانی نکالنا شروع کیا۔ صبح ہوئی تو ہم موجوں کے سہارے دوسرے کنارے جا لگے۔ راتوں رات دریا ہی دریا میں ہم کوئی پچاس میل دور نکل آئے تھے۔ یہاں سے کوئی دس میل پر اُنسن کا قصبہ تھا جہاں انڈین ڈویژن کی پہلی چوکی تھی۔ چوکی میں انڈین سپاہیوں نے ہمیں گرم و لذیذ کھانا دیا جو غسل، حجامت کے بعد ہم نے بڑی رغبت کے ساتھ کھایا۔

اور پھر اسی شام کو میں گیارھویں انڈین ڈویژن کے ہیڈ کوارٹر میں جنرل پیرس سے ملاقات کر رہا تھا۔ جنرل پیرس میری کوشش اور جاپانیوں کے متعلق فراہم شدہ معلومات پر بہت خوش ہوئے۔ باتوں باتوں میں مَیں نے جنرل سے کہا کہ اگر آپ مجھے پانچ سو جوان دے سکیں تو میں انہیں گوریلا جنگ کی تربیت دیکر جاپانیوں کے عقب میں لے جاؤں تو وہ کچھ کر دکھلانے کی توقع رکھتا ہوں جو ایک پورا ڈویژن بھی نہ کر سکے۔

"مائی ڈیر لوبائے" جنرل پیرس میرے دونوں شانوں کو اپنے ہاتھوں سے تھپتھپاتے ہوئے بولے: "میرے پاس آدمی ہوتے تو میں تمہیں اسی وقت دے دیتا — ابھی — مگر آدمی ہی تو نہیں ہیں ہمارے پاس۔ ایک جوان بھی تو فالتو نہیں ہے۔ یہی تمہاری مشکل ہے۔"

—— اور ہمارے ہیڈ کوارٹرز سے کچھ دور جاپانی مارٹروں کے گولے زَن زَن پھٹ رہے تھے۔ میں ابھی جنرل پیرس سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ معلوم ہوا کہ جاپانی کوالا کوانگسر سے اَب اُنسن کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

## صحرائی زندگی

افریقہ کے ابتدائی معرکوں میں جنگ کا اصل گھمسان اُس صحرا میں پڑا تھا جو مصر کے مغربی بازو پر پھیلا ہوا ہے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ تو خیر شادابی کے آثار نظر آجاتے ہیں۔ ورنہ پورے صحرا میں نہ درخت ہے نہ سبزہ۔ ساحل سے تیس میل دور ہٹ کر بارش جیسے کبھی ہوتی ہی نہیں۔ البتہ ساحل کے قریب یہاں

وہاں چھوٹی چھوٹی بستیاں ملتی ہیں جہاں قبائلی عرب تھوڑی بہت زراعت کاری بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن اکثر لوگ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کبھی یہاں کبھی وہاں:

جہاں گردِ دامن کو جھاڑا وطن ہے

اس علاقے میں قدیم رومنوں کے بنائے ہوئے کچھ کنوئیں ملتے ہیں جن میں سے اکثر اب تک اپنے دامن میں آبِ شیریں کے چشمے لئے ہوتے موت سے بھرے ہوئے اس صحرا کو زندگی کی ایک آدھ جھلک بخش دیتے ہیں۔

گرمی کے موسم میں صحرائی زندگی سخت جانگداز تھی۔ شعلہ بار سورج کے نیچے خیموں یا مورچوں میں زندگی بسر کرنا بڑی آزمائش کا کام تھا۔ رات تو خیر گوارا ہوتی تھی۔ بلکہ جنگ کے خوف و ابتلا سے قطع نظر یوں کہنا چاہیئے کہ صحرا کی راتیں عموماً سہانی ہوتی تھیں۔ لیکن دن کو دہکتی ہوئی لُو کے تھپیڑے الاماں والحفیظ۔ لطف یہ کہ دن اتنے طویل اور صبر آزما ہوتا تھا کہ گویا شام اب کبھی اپنے گیسو پھیلائے گی ہی نہیں۔ طویل اور تپتے ہوتے دن۔ اس پر گرد بادوں کے تند و تیز طوفان۔ جھکڑ اور آندھیاں۔ آنکھ منہہ۔ کان۔ سر۔ ریگِ صحرا کا ایک جزو لاینفک ہوتے تھے۔ گرد و غبار کا طوفان اتنا دبیز ہوتا کہ نگاہوں کے سامنے ریت کی اتنی تاریک چادر تن جاتی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا۔ سدی برانی کی مشہور لڑائی میں ایک ایسے ہی طوفان نے اتحادیوں کو بڑی مدد دی تھی۔

ہندوستانی سپاہیوں میں سے بالخصوص سکھوں کے لئے یہ صحرائی ماحول سخت تکلیف دہ تھا۔ بالوں میں ریت اٹ جاتی تو نکلنے کا نام نہ لیتی۔ بڑی مصیبت یہ تھی کہ راشن کا پانی ڈیڑھ گیلن یومیہ کے حساب سے ملتا تھا بلکہ بعض حالتوں میں صرف ایک گیلن۔ اسی میں وہ پانی بھی شامل تھا جو لنگر پر کھانا کھانے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اب بیچارے سکھ اس ڈیڑھ گیلن کو اوڑھیں یا بچھائیں۔ پئیں یا کیس دھوئیں؟ سمندر ضرور موجود تھا مگر سمندر کا کھاری پانی بیکار تھا۔ گویا

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم

والا مضمون تھا۔

خیموں۔ کیمپوں اور مورچوں کی بے تکلف محفلوں میں سکھ سپاہیوں کو اکثریت کے "معلق باغات" کے نام سے پکارا جاتا تھا ___

ہندوستانی سپاہی تو خیر پھر بھی گرمی کے عادی تھے، گوروں کی حالت سخت خراب تھی۔ صحرا میں آکر ان کے رنگ ہندوستانیوں کی طرح گندمی ہو گئے تھے۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے

محکمہ تعلقاتِ عامہ کے ایک ہنس مکھ اور باذوق انگریز افسر (لفٹیننٹ کرنل پٹیرسن) کہا کرتے تھے ___ "اب تو ہم بھی راگھوناتھن بن گیا ہے۔"

**حربی مغالطہ**

کسالا اور اسمارا کی لڑائیوں میں دسویں انڈین بریگیڈ کے بریگیڈیئر ریس نے جو بعد میں میجر جنرل ہو گئے (وہی بونڈری فورس والے ریس) دشمن کو بڑی کامیابی سے حربی مغالطہ دیا تھا۔

کسالا کی پیش قدمی میں ایک بازو پر ایک گورا پلٹن نے اس زور سے نقل و حرکت شروع کی کہ دشمن کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس رقبہ میں پھیلے ہوئے جعلی کیمپوں۔ نقلی گاڑیوں اور لکڑی کے ٹینکوں سے دشمن کو اور بھی اطمینان ہو گیا کہ بڑا حملہ اسی رخ سے آ رہا ہے۔ دھوکے کو حقیقت کا رنگ دینے کے لئے ایک اچھا خاصا ہوائی اڈہ بھی تعمیر کر دیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن مٹی اور لکڑی کے ان بے جان تودوں پر بارود ضائع کرتا رہا۔ اور پانچویں انڈین ڈویژن نے دوسرے رخ سے یلغار بول کر پہلے کسالا اور پھر اسمارا فتح کر لیا۔

**پھیلوں میں نیچے**

اسمارا میں جب اٹھارہ بیس ہزار اطالوی سپاہیوں سمیت ڈیوک آف اوستا کو گرفتار کیا گیا تو "شاہی خون" کی تکریم و تعظیم میں انگریزوں نے گرفتار شہزادے کو "شاہی سلیوٹ" دیا۔ اس سلیوٹ میں فاتح انڈین ڈویژن کے سپاہی بھی شامل تھے۔

"مارچ پاسٹ" میں برطانوی سپاہیوں کے بعد اٹھارہ بیس ہزار اطالویوں کا ایک

طویل کالم تھا۔ اس کالم کے آخر میں سیاہ رنگ کے سپاہیوں کا اچھا خاصا دستہ تھا۔ ہمارے سپاہی بادی النظر میں یہی سمجھے کہ یہ "اطالوی حبشی" ہونگے کہ حبشی دونوں طرف ہی سے لڑ رہے تھے۔ لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ سپاہی وغیرہ نہیں تھے۔ بلکہ اصل میں جوان حبشی عورتیں تھیں جو اطالوی جنگ آزماؤں کی دلبستگی کے لئے صفِ اوّل کے مورچوں میں رکھی گئی تھیں۔

پشیتر "سپاہیوں" کی پشت پر "راشن بانی" کے جو فوجی تھیلے لٹک رہے تھے ان میں چھوٹے چھوٹے بچے بھرے پڑے تھے۔ ماں کی ممتا اس بوجھ کو اسمارا کے بازاروں میں اُٹھائے پھر رہی تھی اور سوا چھ فٹ کے قریب لمبا ڈیوک آف اوستا سلامی لے رہا تھا۔ (روایت)

**اطالویوں کا طرزِ عمل** اسمارا کے قریب ۱۳ فرنٹیئر فورس کے میجر دویا دھر جیال ایم سی (جو آجکل بھارتی فوج میں برگیڈیر ہیں) اپنی کمپنی کو لے کر اطالویوں کی ایک پوزیشن پر حملہ کر رہے تھے کہ اطالویوں نے صلح کے سفید جھنڈے بلند کر دیئے۔ میجر جیال نے اس پر اپنا ایک "پلاٹون" ہتھیار رکھوانے کے لئے اطالویوں کے پاس بھیجا تو اطالوی سپاہیوں نے اس پر گولہ باری شروع کر دی۔

اس واقعہ پر پانچویں ہندوستانی ڈویژن کے کمانڈر میجر جنرل مینی ( ) نے افریقہ کے اطالوی وائسرائے ڈیوک آف اوستا سے پُرزور احتجاج کیا تھا۔

(بال آف فائر)

**ہتھیار ڈالنے کا سبب** اسمارا میں اطالویوں کے ہتھیار ڈالنے کا واقعہ افریقہ کی جنگ کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ اطالویوں کی پوزیشن وہاں کافی مضبوط تھی مگر ڈیوک آف اوستا نے ہتھیار ڈال دئے۔ ہتھیار ڈالنے کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جس ذخیرۂ آب سے ڈیوک کے پینے کا پانی آتا تھا اُس میں پیڑول مل گیا تھا۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خانوادہ شاہی کا رکن "ڈیوک" عزت مندانہ مصالحت" کا

طلب گار تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ اسمارا رہے یا جائے اسکی عزت پر کوئی حرف نہ آنے پائے۔ چنانچہ اتحادیوں نے بھی ڈیوک کی اس خواہش کا احترام کیا اور اسمارا کی تسخیر کے بعد پانچویں ڈویژن نے ڈیوک آف اوستا کو باقاعدہ سلامی دی۔

اس کے باوجود نازک مزاج ڈیوک آف اوستا اس صدمے کی تاب نہ لا سکے اور اسمارا کی فتح کے ایک یا ڈیڑھ سال بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

## موت میں زندگی

صحرا کے سینے میں عمرنایو کی خوفناک لڑائی ہو رہی تھی۔ ۱/۱۶ پنجاب رجمنٹ گھمسان میں تھی۔ میڈیکل افسر کیپٹن باپٹے نے ابتدائی مدد کی چوکی میدانِ جنگ ہی میں ایک طرف قائم کر رکھی تھی۔ (یہ چوکی صفِ اوّل کے جس قدر قریب ہو گی۔ اتنی ہی زیادہ جانیں بچائی جا سکینگی)

لڑائی شروع ہوئی تو فوراً زخمی بھی آنے شروع ہو گئے۔ پہلے اکّے دُکّے پھر گویا تانتا ہی بندھ گیا۔ ڈاکٹر اور اس کے عملے کو سر کھجانے کی فرصت نہ تھی۔ خود چوکی دشمن کے گولوں کی زد میں تھی۔ گولے ادھر اُدھر آس پاس ہر طرف پھٹ رہے تھے مگر زخمی برابر آ رہے تھے۔ لائے جا رہے تھے۔ مرہم پٹی ہو رہی تھی۔ ٹیکے لگ رہے تھے۔ اپریشن ہو رہے تھے —— موت ان کے چاروں طرف برس رہی تھی مگر کیپٹن باپٹے اور اس کے "فرشتے" موت کے جبڑوں میں سے زندگی چھین رہے تھے۔

۲۲ر نومبر ۱۹۴۱ء کو اسی مشہور معرکے میں ۱/۱۶ پنجاب رجمنٹ کے صوبیدار غلام رسول اور ان کی کمپنی نے اپنی بے مثال شجاعت کے لئے لازوال شہرت حاصل کی تھی۔ یہ بہادر پنجابی ٹینکوں اور توپوں کی زد میں سے پیدل گزر کر جرمنوں کے مورچوں میں جا گھسے اور دستی بموں اور سنگینوں کے ساتھ مورچہ سر کر لیا۔

## سکھوں کو افسوس

درنا فتح ہوا ہو تو موری بالخصوص اطالوی کو شراب و کباب کے بڑے رسیا تھے۔ قسم قسم کی شرابوں کا بے انتہا ذخیرہ وہاں چھوڑ گئے۔ درنا کے فاتحین میں اتفاق سے ایک سکھ پلٹن بھی تھی۔ سکھوں کو جب شراب کے ذخیرے کا علم ہوا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ مگر بدقسمتی دیکھئے

کہ جنگی منصوبے کے تحت سکھ پلٹن کو اسی شام درنا سے آگے بڑھ جانا تھا۔ البتہ مسلمانوں کی ایک پلٹن وہاں ٹھیرا لی گئی۔ حکم بہرحال حکم تھا مگر سکھوں نے درنا کی شراب آلود فضا کو بڑی حسرت و افسردگی کے ساتھ چھوڑا۔ تاہم جتنی تھوڑی دیر تک سکھ سپاہی وہاں رہے دادِ میخواری کا وہ سماں رہا کہ درنا کے در و دیوار بھی کیا یاد کرینگے۔

**ڈاڑھی کا مغالطہ** بن غازی کے پہلے طویل دھاوے میں ایک سکھ پلٹن چوتھے ڈویژن کے ہراول دستوں میں تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ صحرا میں بکھری ہوئی بستیوں اور قصبوں کے عربوں نے سکھوں کو دیکھا۔ لیبیا کے عرب ڈاڑھی کے مغالطہ کی وجہ سے عرصہ تک سکھوں کو بھی مسلمان ہی سمجھتے رہے۔ ان سے ملتے تو "السلام علیکم" کہتے اور دوسروں کے مقابلے میں انہیں انڈا مرغی نسبتاً سستے داموں دے جاتے۔

سکھوں کو اس مغالطے کا علم تھا۔ مگر کاروباری کے لئے وہ بھی جواب میں بڑے خلوص و تپاک کے ساتھ "وعلیکم السلام" کہتے۔ یہ الگ بات تھی کہ یہ "وعلیکم السلام" بعض سکھوں کے حلق میں پھنس کر رہ جاتا تھا۔

**کارنامہ** جون ۱۹۴۱ء سے لے کر ۲۲ رنومبر ۱۹۴۱ء تک چوتھے انڈین ڈویژن نے چھ ہزار قیدی پکڑے۔ ۷۰ طیارے گرائے اور ۱۵ ٹینک تباہ کئے۔ یہ اس مشہور ڈویژن کے یادگار کارناموں میں سے ایک ہے۔

**ایک یادگار معرکہ** نومبر ۱۹۴۱ء میں انجیلا (Angil) کے فیصلہ کن معرکے جاری تھے۔ اس صحرائی جنگ کے ایک یادگار معرکے کا حال کیپٹن موتی لال کنچو کے الفاظ میں سنئے۔ کیپٹن کنچو انڈین آرمی کے نامور جنگی و تاریخ نگاروں میں سے تھے۔ برما میں وہ "ونگیٹ مہم" میں بھی شامل رہے وہیں ہلاک ہوئے۔ اور ایم۔سی کا اعزاز پایا۔ کیپٹن کنچو لکھتے ہیں :۔

"۲۳ رنومبر کا دن "ارارغا" پر دھاوا بولنے کی تیاری میں صرف ہوا۔ شام کو بریگیڈیر ریڈ (Relo) اپنے یونٹ کمانڈروں کے ساتھ حالات کا جائزہ لینے کے لئے "ال ارغا" کی طرف گئے مگر دشمن کی قوت کا کوئی خاص اندازہ نہ

ہو سکا البتہ یہ احساس ہمیں ضرور ہو چکا تھا کہ وہاں دشمن کی کافی جمعیت پڑی تھی۔

شام کا کھانا سر شام ہی کھا کر یونٹ کے بعد یونٹ اس نقطۂ اجتماع کی طرف روانہ ہو گئے جہاں حملے کی ترتیب طے ہوئی تھی۔ رات تاریک تھی مگر کاغذوں میں لپٹی ہوئی دستی لالٹینیں اور گاڑیوں کی مدھم عقبی روشنیاں راستہ اور منزل کی طرف رہنمائی کر رہی تھیں۔ کوئی ایک بجے تک حملے کے لئے ضروری فوج نقطۂ اجتماع پر پہنچ چکی تھی لیکن دھاوے کا وقت تین بجے طے پایا تھا۔ بہت سے جوانوں نے اس مختصر وقفے کو غنیمت سمجھا اور بڑے اطمینان کے ساتھ (ان کے الفاظ میں) نیند کا ایک "ٹھونکا" لگا لیا۔

تین بجے حملے کا سگنل ملا۔ سردی جوبن پر تھی۔ چاند جو تھوڑی دیر کے لئے نکلا تھا غائب ہو چکا تھا۔ ستاروں کی روشنی گمراہ کن تھی۔ گاڑیوں کا درمیانی فاصلہ اگرچہ پندرہ گز سے زیادہ نہ تھا مگر ایک گاڑی دوسری سے اوجھل تھی۔ البتہ گاڑیوں کا شور بے پناہ تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ٹینکوں کا پورا رسالہ چلا جا رہا ہو۔

صبح چھ بجے تک تین گھنٹوں میں ہمارے کالم نے صرف ۱۲ میل کی مسافت طے کی۔ یہ وہ نقطہ تھا جہاں سے آخری تیز بھرپور دھاوا بولا جانا تھا۔ تڑکا ہو چکا تھا مگر منظر میں ہنوز سنولاہٹ غالب تھی۔ تین میل اور آگے جا کر پنجابی جوان گاڑیوں سے نکل کر پیدل چلنے لگے۔ رفتہ رفتہ اب روشنی بھی ہو چکی تھی۔

سورج بلند ہوا تو پنجابیوں نے دیکھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے ہرے بھرے کھیتوں میں سے گزر رہے تھے۔ صحرا میں مدت کے بعد شادابی و سرسبزی کے آثار دیکھ کر پنجابی نہال ہو گئے۔ آپس میں یوں ہنسی دل لگی ہونے لگی گویا سیر پر نکلے ہوں۔ چلتے چلتے اور چلتے چلتے کھیتوں میں سے خربوزے توڑ تاڑ کر کھاتے جاتے ـــــ بستی کے جھونپڑوں میں سے عرب دیہاتی بظاہر بے پروائی سے مگر درحقیقت گہری وابستگی و دلچسپی کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ہم جانتے تھے کہ ان کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہیں۔ اطالویوں کے ساتھ انہیں ایسی محبت نہ تھی۔ رفتہ رفتہ وہ ہمارے قریب

بھی آنے لگے۔ اور جب انہیں اعتماد ہو گیا کہ ہم ان پر گولی نہیں چلاتے تو ننھے ننھے عرب بچے انڈے اور میوے لئے ہماری صفوں میں گھس آتے۔ شکر چائے یا سگریٹ کے عوض میں ہم ان سے انڈے اور میوے خرید لیتے۔ شاید روپے کا ان کے پاس کوئی مصرف نہ تھا۔

سات بجے تھے کہ اچانک دھوئیں کی ایک دبیز چادر سامنے بلند ہوئی اور اس پردے میں سے اطالوی بکتر بند دستوں نے ہم پر گولہ باری شروع کر دی۔ جوابی حملے کے لئے ہماری توپوں نے بھی اپنے منہ کھول دئے۔

اب لڑائی ایک مرتبہ پھر دونوں طرف سے گولہ باری کی صورت اختیار کر گئی گولے آرہے تھے گولے جا رہے تھے۔ اس دوران میں جوانوں نے گرم گرم چائے بھی تیار کی اور بعض لوگ نیند کے مزے بھی لوٹتے رہے۔ ایک بجے دوپہر کے قریب برگیڈیر ریڈ حالات کا معائنہ کرنے کے لئے خود آئے اور فیصلہ کیا کہ شام تک توپخانہ تابڑ توڑ گولہ باری کرے۔ رات پڑتے ہی دھاوا بولا جائے۔

شام کو انفنٹری کو نئے سرے سے ترتیب دیا گیا۔ بعجلت کھانا پکایا اور کھایا گیا۔

زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے چوکیاں قائم ہوئیں۔ حملے کا وقت ساڑھے سات بجے تھا لیکن اس سے پہلے ہی اطالویوں نے پھر گولہ باری شروع کر دی۔ نہایت شدید گولہ باری آگ اُبل اُبل کر برس رہی تھی۔ حالات سخت نامساعد تھے۔ مگر "ڈی کمپنی" کے دو پلاٹون "یا علی" کے نعروں کی گونج میں دشمن پر ٹوٹ پڑے اور بے پناہ گولہ باری میں راستہ بناتے ہوئے پنجابی نوجوان سنگینیں تان کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

اطالوی کمانڈر نے بعد میں برگیڈیر سے پوچھا۔ کہ حملہ کرنے سے پہلے انڈین سپاہی شور و غل کیوں کرتے ہیں۔ خصوصاً رات کے وقت جبکہ حملے کی کامیابی کا بڑا دارومدار اس کی رازداری پر موقوف ہوتا ہے۔ اس پر برگیڈیر ریڈ نے ایک پٹھان صوبیدار صاحب کو جواب دینے کے لئے کہا۔ صوبیدار صاحب نے کہا:۔

"خوام دشمن کو خبردار کرتا ہے کہ ام آرہا ہے۔ تیاری میاری کر لے"

(ہم دشمن کو خبردار کرتا ہے کہ ہم آرہے ہیں۔ اپنی تیاری کر لے)

واقعہ یہ ہے کہ اطالویوں نے اس مورچے پر بڑا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ ورنہ صورت کہ نہ تو انہیں بیرونی امداد پہنچ سکتی تھی نہ افسر ہی موجود تھے۔ اطالوی افسر اپنے سپاہیوں کو لڑنے کی تاکید کر کے خود پہلے ہی مستقر میں پہنچ چکے تھے۔

اب قلعہ سامنے تھا۔ ۸ بجے برگیڈیر ریڈ پنجابیوں کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچے اور قلعہ کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ مگر میجر لیرڈویل کی "اے کمپنی" پہلے ہی فتح کی سبز روشنی لئے وہاں پہنچ چکی تھی۔ قلعہ کے چند اطالوی افسروں اور ۲۰ سپاہیوں نے کسی مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ لوگ ڈر کے مارے لرز رہے تھے۔ بعض پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ البتہ وہ لوگ جو قلعہ کے ریسٹ ہاؤس میں سے شراب پیتے پکڑے گئے تھے۔ بڑی بے پروائی سے کھڑے تھے۔"

**قید سے موت بہتر**

افریقہ میں ہمارے سپاہیوں کی نسبت یہ بات عام مشہور تھی کہ وہ مر جانا پسند کرتے ہیں مگر قید ہونا منظور نہیں کرتے۔

بن غازی کی عام پسپائی میں جب افراتفری کی بھگدڑ مچی تو ہمارے ہزارہا جوان

چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بعض صورتوں میں تن تنہا صحراؤں اور دشمن مورچوں میں سے ہوتے ہوئے سینکڑوں میل کا سفر طے کرتے دوبارہ اپنی فوج سے آملتے تھے۔ سنٹرل انڈیا ہارس کا ایک جوان ۴۲ دن کے صحرائی سفر کے بعد اپنی فوج سے آملا تھا۔

—— افریقی ڈویژن کے کمانڈر نے اس سپاہی کو دو پونڈ کا انعام اپنی جیب سے دیا تھا۔

**نشانہ** غزالہ اور سلوتانا کی پسپائی کے تذکرے میں کیمبرون ہائی لینڈرز کے سارجنٹ گرے ( Gray ) لکھتے ہیں۔

"حالات خاصے خوفناک تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم لوگ وہی "آخری آدمی اور آخری گولی" کی نوبت پر پہنچنے والے ہیں۔ اندھیرا ذرا گہرا ہوا تو میں سیکشنوں کو واپس بلانے کی خاطر آگے گیا۔ تھوڑی دور جا کر چند آدمی اپنی طرف آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میں پکارا ——

"کیا یہ میکائی کا سیکشن ہے؟"

"ہاں" انگریزی میں جواب آیا۔ مگر جب میں قریب گیا تو ایک گرانڈیل جرمن سپاہی نے اچک کر مجھے دبوچ لیا اتنے میں دو تین اور اطالوی افسر بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھ سے میرے ہتھیار چھین لئے اور انہیں ہتھیاروں سے میرے پیٹ اور پشت کی مرمت کرنے لگے۔ ایک اطالوی نے گھن گرج کے ساتھ مجھے حکم دیا۔

"اپنے ساتھیوں کی طرف لے چلو"

پہلے تو میں نے غشی و کمزوری کے بہانے سے پانی طلب کیا۔ مگر جب پانی کے بجائے رفل کے دستے میری کمر پر برسنے لگے تو ناچار میں نے بائیں ہاتھ کی طرف اشارا کیا اور گرتا پڑتا انہیں ٹھیک اپنی سیکشن کے سامنے لے آیا۔ اب اطالوی افسر نے مجھ سے کہا انہیں ہتھیار ڈالنے کی ہدایت کرو۔ چنانچہ میں نے آواز دی۔

"میک - گولی چلاؤ - اور دوسرے ہی لمحے اطالوی افسر اور سپاہی زمین پر ڈھیر تھے۔ میں جانتا تھا کہ "میرے لڑکوں" کا نشانہ خطا نہ ہوگا۔ میں دوڑ کر اپنے سیکشن سے جاملا۔

**جرمن انگریز**

افریقی محاذ کا ذکر ہے۔ ۳ فسٹ پنجاب رجمنٹ کے جوان اپنے مورچوں میں بیٹھے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا کہ سامنے سے چند برطانوی ٹینک ادھر آتے ہوئے نظر آئے۔ چونکہ کیمرون ہائی لینڈرز اور مرہٹوں کی ایک پلٹن بھی اسی محاذ پر کہیں قریب پڑی تھی۔ پنجابیوں نے سمجھا کہ شاید وہی لوگ گھوم پھر رہے ہیں۔ ٹینک بھی اپنے جانے پہچانے برطانوی ٹینک تھے۔ چنانچہ پنجابیوں نے بلا روک ٹوک انہیں اپنے قریب آنے دیا لیکن جب ٹینک قریب آپہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ دشمن کے ٹینک تھے۔ آگے آگے ٹینک تھے پیچھے پیچھے جرمن انفنٹری۔

اب پنجابیوں نے مدافعت شروع کی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ٹینک سر پر آپہنچے تھے۔ اس مقابلہ میں ۳ فسٹ پنجاب کو کافی نقصان کے ساتھ غزالہ کی طرف لوٹنا پڑا۔

**قیدی چھوڑ دیئے**

۲۶ مئی ۱۹۴۱ء کو غزالہ کے نواح میں ہمارے کوئی ایک ہزار جوان اور افسر جرمنوں کے ہاتھ پڑ گئے۔ مگر اس وقت جرمن بڑی تیزی سے پیش قدمی میں مصروف تھے۔ قیدیوں کی دیکھ بھال کا ہوش ہی کسے تھا۔ چنانچہ ۴۸ گھنٹوں تک یہ ایک ہزار قیدی صحرا میں بے آب و دانہ پڑے رہے۔ اس پر اڈمرل کووان اور دیگر سنیئر افسروں نے جرمن کمانڈر سے پُر زور احتجاج کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۹ مئی کی رات کو جرمنوں نے چھ سو قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ تین سو کے قریب اپنے آپ بھاگ نکلے۔

**بلوچی کا حملہ**

۱۰ بیر تمار کے مقام پر دسویں انڈین برگیڈ اور جرمنوں کے مابین ایک زبردست جھڑپ ہوئی تھی۔ اس تاریخی معرکے کی روداد کیپٹن کنجو کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:۔

"۴ جون ۱۹۴۱ء کو برگیڈ ایک نئے حملے کے لئے تیار تھا۔

رات خنک تھی۔ چاند ابھی ہویدا نہیں ہوا تھا۔ صحرا پر ایک مہیب خاموشی طاری تھی۔ سب سے آگے ٹینک تھے۔ پھر برین بردار" (Bren Carriers) ان کے بعد انفنٹری کے ٹرک۔ جوانوں نے بڑے کوٹ پہن رکھے تھے۔ سخت خطرناک مرحلہ تھا مگر جوانوں کا حوصلہ دیدنی تھا۔ ٹرکوں میں بیٹھے بیٹھے چائے بنا کر پی جا رہی تھی۔

خوش گپیاں ہو رہی تھیں۔ ہنس ہنس کر جب وہ آپس میں باتیں کرتے تو سفید دانتوں کے روشن نیم دائرے اندھیرے میں چمک چمک اُٹھتے۔ بلوچی پلٹن کے جوان جو غالباً پہلی مرتبہ گھمسان میں جا رہے تھے۔ بڑے فخر و اعتماد کے ساتھ لڑائی کی باتیں کر رہے تھے وہ کہہ رہے تھے۔

"ہم دشمن کو بتا دیں گے کہ ایک اعلیٰ درجہ کی پلٹن کیسے لڑا کرتی ہے"

کوئی تین بجے ایک زور کا دھماکہ سنائی دیا۔ وقت آن پہنچا تھا۔ بلوچی جوان کوٹ اُتار، سنگینیں تان کر دشمن کے مورچے پر ٹوٹ پڑے جہاں ان کی تابناک سنگینوں کو کچھ زیادہ مدافعت پیش نہ آئی۔ تھوڑی دیر میں دشمن کا مورچہ ہمارے ہاتھ میں تھا اور فتح کی علامت سبز روشنی کا فوارہ زمین سے آسمان کی طرف جا رہا تھا۔ اتنے میں لائٹ ہائی لینڈرز بھی اپنا محاذ صاف کر کے ان سے آملے۔

......... لیکن ادھر اُفق پر روشنی کی پہلی کرن پھوٹی ہو گی کہ دشمن کے ٹینک بھی نمودار ہو گئے۔ غنیم نے اب کافی قوت کے ساتھ جوابی حملہ کیا تھا۔ لڑائی دوبارہ چمک اُٹھی۔ رَن بولنے لگا۔ ہر طرف سے اندھا دھند آگ برسنے لگی۔ صحرا کی ریت زمین سے اُڑ کر آسمان پر پہنچ گئی۔ دُور دُور تک دھوئیں کے دَل بادل چھا گئے۔

میں "رجمنٹل ایڈ پوسٹ" (مرہم پٹی کی چوکی) پر کھڑا یہ سارا منظر جس کا جزو میں خود بھی تھا دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر ایک نڈر اور بہادر نوجوان تھا۔ زخمی آنے شروع ہوئے تو میں بھی ڈاکٹر کا ہاتھ بٹانے لگا۔ ہمارے توپچی چونکہ باقاعدہ مورچہ بندی نہیں کر پائے تھے لہٰذا زخمیوں کی بڑی تعداد انہیں میں سے تھی۔

میرے پاس ہی ایک گورا ڈرائیور کھڑا تھا۔ وہ مجھ سے اپنے بیوی بچوں کی باتیں کر رہا تھا۔ مزے لے لے کر اپنے ننھے تین سالہ بچے کے لطیفے سُنا رہا تھا ـــــ وہ باتیں جو اسکی بیوی خطوط میں لکھ کر اسے بھیجا کرتی تھی۔ ناگاہ دھاڑتا ہوا بم کا ایک گولہ ہمارے قریب آن پھٹا۔ اور گورا ڈرائیور خون کے ایک تالاب میں گھائل پڑا تھا۔ میں اسے سنبھالنے کے لئے اس پر جھکا تو وہ کہہ رہا تھا۔

"میں ختم ہو رہا ہوں ۔ سر ۔ میں ختم ہو رہا ہوں"

یہ اس کے آخری الفاظ تھے۔

........ ڈاکٹر اور میں زخمیوں سے بھرا ہوا ایک ٹرک لئے پچھلے ہیڈ کوارٹر کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں ایک ٹینک دکھائی دیا جس کے پاس ہمارے چند جوان کھڑے تھے۔ ہم یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ سوچا کمک آ پہنچی ہے۔ لیکن قریب گئے تو ہمارے جوانوں نے ہاتھ ہلا کر بھاگ جانے کا اشارہ کیا۔ معلوم ہوا یہ دراصل جرمن ٹینک تھا اور ہمارے لوگ ان کی قید میں تھے۔ خیر ہم بھاگ کھڑے ہوئے۔ جرمنوں نے مشین گنوں سے ہم پر آگ برسانا شروع کی۔ زخمیوں سے لبالب بھرا ہوا ٹرک۔ نشانہ چوکنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ہر گولی اپنا کام کر رہی تھی۔ زخمی ایک کے بعد ایک ختم ہو رہے تھے۔

—— تڑ تڑ ایک گولی آئی اور وہ ڈاکٹر جو زخمیوں کو زندگی دیتا چلا آ رہا تھا خود ڈھیر ہو گیا۔

"ڈاکٹر کیا تمہیں گولی لگ گئی ؟" میں نے پوچھا

"ہاں ۔ میرا وقت آ گیا۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ یہ زخمی اب تمہارے سپرد ہیں۔"

...... ہم دوڑے جا رہے تھے۔ گولیوں کی زد سے نکل آئے تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ لاشوں کو ایک طرف کیا۔ زخمیوں کو ایک طرف۔ ہم زخمیوں کی مرہم پٹی میں مصروف تھے کہ انفنٹری کے چند جوان ایک جمعدار صاحب کی کمان میں ہمارے پاس سے ہو کر گزرے۔ یہ لوگ ایک ٹرک میں جا رہے تھے۔

جمعدار صاحب نے اپنی پلٹن کا پتہ دریافت کرنا چاہا کہ وہ محاذ کے کس حصے میں ہو گی۔ ہم نے بتایا کہ اُن کی پلٹن جرمن پنزر ڈویژن کی زد میں آ کر تقریباً پامال ہو چکی ہے ...... لہذا اب آپ کے وہاں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

"مجھے حکم ملا ہے۔ مجھے بہر حال اس کی تعمیل کرنی ہے۔"

جمعدار صاحب نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے جوانوں سمیت آگے بڑھ گئے۔ وہ

سچا سپاہی تھا اور اس سپاہی کو دیکھکر خود میرا قلب بھی اعتماد و ایمان کی ایک نئی روشنی سے لبریز ہو رہا تھا۔"

**ایک ہی لنگر میں** شمالی افریقہ میں جہاں انگریز۔ آسٹریلین۔ نیوزی لینڈرز اطالوی افریقی اور جرمن سپاہی ایک وسیع محاذ پر گڈ مڈ ہو کر ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے تھے۔ غلط فہمی اور بھول چوک کے دلچسپ واقعات اکثر رونما ہو جاتے تھے۔

جرمن اور اطالوی سپاہیوں کو ہندوستانیوں پر عموماً اریٹریا اور لیبیا کے ان عرب سپاہیوں کا دھوکہ ہو جاتا تھا، جو خود ان کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ اس مغالطے میں کبھی کبھی دانے پانی کی تلاش میں وہ ہمارے لنگروں پر آجاتے، اور ہم ان کے ہاں چلے جاتے۔

گوروں کے معاملے میں ہندوستانیوں کے نزدیک انگریز۔ جرمن۔ آسٹریلین اور نیوزی لینڈرز سب ایک ہی جیسے تھے۔ بالخصوص جرمنوں اور نیوزی لینڈروں میں تمیز کر سکنا ایک عام سپاہی کے لئے بڑا مشکل تھا۔ یہ مغالطہ بھی بعض اوقات نہایت دلچسپ صورتیں پیدا کر دیتا تھا۔

اطالویوں کے عام اندازِ جنگ سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے لڑائی سے زیادہ تفریح پر آئے ہوئے ہوں۔ جب تک مڈبھیڑ نہ ہو جائے یا بالفاظ دیگر جنگ خود چل کر ان کے سر پر ہی نہ آجائے وہ کبھی لڑائی کی ابتدا نہیں کرتے تھے۔ کبھی کبھی فریقین کے مورچوں کا درمیانی فاصلہ اتنا کم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے سے بے تکلفانہ باتیں بھی ہو جاتی تھیں۔

(بروایتِ عام)

لفٹننٹ کرنل مورس کی ۱۳ فرنٹیئر فورس رائفل لڑتی بھڑتی العالمین کی سرکاری چیز طرف ہٹ رہی تھی۔ جرمن توپ خانہ دائیں بائیں غضب کی آتشباری کر رہا تھا۔ دشمن کے ٹینک سائے کی طرح پیچھے امنڈے چلے آرہے تھے۔ بعض مقامات پر یہ تعاقب گویا ایک تیز رفتار دوڑ کی صورت اختیار کر جاتا تھا۔

اس بھگدڑ میں ایک سپاہی بٹالین سے بچھڑ گیا۔ اس کے پاس وائرلیس کا سرکاری سٹ بھی تھا۔ دس شب و روز کے بعد سو ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ پاپیادہ طے کرکے وہ پھر بٹالین سے آن ملا۔ اس عرصہ میں وہ کئی مرتبہ رومیل کی فوجوں میں بھی جا نکلا تھا۔ مگر وائرلیس کا سٹ جُوں کا توُں اس کے پاس موجود تھا۔ ایک افسر نے اس سے پوچھا۔

"تم نے یہ سٹ تلف کیوں نہ کردیا۔ خواہ مخواہ کا بوجھ اُٹھائے پھرے؟"

"سرکاری چیز کو کیسے چھوڑ دیتا" جوان نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

## بلوچی میاں گل

دسواں انڈین ڈویژن مرسا مطروح کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بلوچی پلٹن کو جسے دشمن کی ایک مضبوط مورچہ بندی میں سے ہو کر گزرنا تھا۔ نہایت کٹھن حالات کا سامنا تھا۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ ہمارے شیر دل جوان خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے ایک خاص نقطے تک تو بڑھ گئے مگر اس سے آگے یہ حالت تھی کہ جیسے آگ کا ایک دریا بہہ رہا ہو دشمن کی ساری توپوں کا رُخ تنہا اسی بٹالین کی طرف تھا۔

رفتہ رفتہ بلوچی کی تمام گاڑیاں ایک ایک کرکے تباہ ہوگئیں۔ ان نازک ترین حالات میں نائک میاں گل نے اپنی پلاٹون لے کر دشمن کی ایک توپ پر ہلّہ بول دیا اور اسے "خاموش" کردیا۔ اس کے بعد دوسری کا رُخ کیا اور اسے بھی خاموش کردیا۔ اس پلاٹون میں سے صرف تین جوان ہی زندہ بچے جن میں سے ایک بہادر میاں گل بھی تھا مگر ان کی شجاعت نے بلوچی کے دوسرے بہت سے جوانوں کی جان بچا لی تھی۔

## میاں میاں

اس واقعہ سے کچھ ہی عرصہ بعد ۱۵ ؍ جولائی ۱۹۴۲ء کو فیلڈ مارشل آکنلیک نے اپنا بڑا جوابی حملہ شروع کردیا جو بالآخر ٹریپولی کی فتح اور "جرمن افریقہ کور" کی عارضی مگر عظیم تباہی پر جا کر ختم ہوا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ڈویژن میں نائک میاں گل کی بہادری کا چرچا ابھی تازہ تھا۔ بڑا حملہ شروع ہوا تو پہلے ہی دھاوے میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیپٹن (آجکل لفٹنٹ کرنل) میاں خاں نے جو اپنی کمپنی کو دشمن کی بھاری جمعیت اور زبردست مدافعت کے درمیان میں سے نکال کر آگے لے گئے تھے بڑی شہرت حاصل کی۔

ہندوستانی سپاہیوں کی زبانوں پر ان دونوں "میّوں" کا مدت تک تذکرہ آتا رہا۔

## گنتی مشکل

افریقہ کی جنگ آخری مرحلوں میں داخل ہو چکی تھی۔ رومیل کچھ عرصہ کے لئے واپس برلن گیا ہوا تھا۔ جرمن افریقہ کور کی کمان جنرل وان ارنہم کے ہاتھ میں تھی کہ اس نے پانچویں کور کے کمانڈر جنرل الفرے ( Al Frey ) کے سامنے ہتھیار ڈالدئے۔ یہ افریقہ میں جرمنوں کی سب سے بڑی سپر اندازی تھی۔ جرمن قیدیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ پندرہ ہزار تک گننے کے بعد گنتی ختم کردی گئی۔

جرمن اسلحہ سپردگی کا نظارہ بڑا اثر انگیز تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں جرمن افسر اور سپاہی قطار اندر قطار کھڑے تھے۔ پہلے وان ارنہم کھلے چھت کی ایک موٹر میں کھڑے جرمن سپاہیوں سے آخری سلامی لیتے اتحادی ہیڈکوارٹر کی طرف گذرے اور ان کے بعد جرمن و اطالوی سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دئے۔

(اگرچہ کسی کتاب میں میری نظر سے یہ بات نہیں گزری۔ لیکن محاذِ جنگ کی زبانی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنرل وان ارنہم نے چوتھے انڈین ڈویژن کے لفٹنٹ جنرل سر فرانسس ٹکر کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مرتب)

## غلط فہمی

گیارہواں انڈین برگیڈ طبروق سے پسپا ہو رہا تھا۔ افراتفری میں ایک گروہ کے ہاتھ کوئی اطالوی ٹرک لگ گیا تھا اور وہ اسی میں اڑے چلے جا رہے تھے۔

راستے میں ایک مقام پر بہت سے اطالوی سپاہی باوردی سرنگیں اُٹھا رہے تھے اس ٹرک کو جب آتا دیکھا تو انہوں نے دُور ہی سے کھڑا ہونے کا اشارہ کیا۔ مگر ٹرک ان کے سامنے سے گزر گیا۔ نہ صرف گزر گیا بلکہ اطالویوں نے دوستانہ انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر ان کا خیر مقدم بھی کیا۔ ہمارے جوانوں نے بھی اُسی طرح ہاتھ لہرا لہرا کر ان کا شکریہ ادا کیا۔

## سقوطِ طبروق

آسٹریلین جنرل اکانر اور جرمن فیلڈ مارشل رومیل دونوں نے طبروق کو ایک ہی رُخ سے فتح کیا تھا۔

اتحادی شکست کے وقت طبروق میں زیادہ تر جنوبی افریقہ کے سپاہی تھے جن کے کمانڈر جنرل کلوپر (Klopper) جنوبی افریقہ کے بڑے آزمودہ کار جرنیل سمجھے جاتے ہیں۔ جنرل آکنلیک رومیل کا ارادہ بھانپ چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے افریقی سپاہیوں کی مدد کے لئے گیارھویں انڈین برگیڈ کو بھی طبروق میں بھیج دیا۔ لیکن اِدھر گیارھواں برگیڈ لڑتا بھڑتا ١٥ رجون ١٩٤١ء کو طبروق میں پہنچا اُدھر اسی دن رومیل نے طبروق پر اپنا فیصلہ کُن حملہ شروع کر دیا اور چار ہی دن میں باردیہ کی سڑک کاٹ کر طبروق کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ٢٠ رجون تک جرمن توپ خانے اور نفٹ وافے نے بڑے زور کی گولہ باری جاری رکھی۔ اُسی دن گیارھویں برگیڈ کے بکتر بند دستے نے میدان میں نکل کر جرمن ٹینکوں کے بے پناہ ریلے کو روکنے کی کوشش کی مگر رومیل کے آہنی قلعے ہر چیز کو روندتے کچلتے بڑھتے چلے آئے اور دوسرے ہی دن دُنیا یہ خبر پڑھ کر ہکی بکی رہ گئی کہ طبروق رومیل کے ہاتھوں میں جا چکا تھا۔

اس لڑائی میں ٢٥ ہزار انگریز۔ ہندوستانی اور افریقی سپاہی ہلاک زخمی یا قید ہوئے۔ کھانے دانے۔ ساز و سامان وغیرہ کا ایک عظیم ذخیرہ دشمن کے ہاتھ لگا۔ یہ اتنا بڑا حادثہ تھا کہ چرچل ایسا سیاست دان بھی اپنے قلق کو چھپا نہ سکا۔

اس معرکے میں سب سے شدید مدافعت گیارھویں انڈین برگیڈ (برگیڈیئر اینڈرسن،

کو کرنی پڑی۔ یہ بریگیڈ اس لڑائی میں تقریباً پورے کا پورا روندا گیا۔

## دونوں سپہ سالاروں سے ملاقات

العالمین کی طرف پسپائی میں ۱۳ فرنٹیئر فورس رائفل کے لفٹنٹ کرنل مورس جرمنوں کے ہاتھ پڑ گئے تھے جس نقطہ پر وہ پکڑے گئے، رومیل کا ہیڈ کوارٹر بھی وہاں سے دُور نہ تھا چنانچہ کرنل مورس کو فوراً رومیل کے سامنے پیش کیا گیا۔ رومیل کو اتفاقاً اسی روز فیلڈ مارشل کا اعزاز ملا تھا جس پر وہ بہت خوش تھا۔ وہ کرنل مورس سے بڑی خندہ پیشانی سے ملا (جنگی قیدیوں سے رومیل کا رویہ یوں بھی ہمیشہ حسن سلوک کا ہوتا تھا۔ مرتب)

بہر حال کرنل مورس جس صبح کو گرفتار ہوئے اسی رات کو موقع پا کر بھاگ نکلے اور نیوزی لینڈ والوں کی ایک قریبی چوکی میں پہنچ گئے۔ اتفاق کی بات کہ اتحادی سپہ سالار فیلڈ مارشل آکنلیک بھی اس وقت وہاں کہیں قریب ہی موجود تھے کرنل مورس کی گرفتاری اور فرار کی اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً انہیں بلا بھیجا اور دیر تک باتیں کرتے رہے

اس پوری جنگ میں غالباً کرنل مورس تنہا افسر ہیں جنہیں ایک ہی دن دو حریف سپہ سالاروں سے ملاقات کا موقع ملا ہے۔

## العالمین کی لڑائی

العالمین کی مشہور لڑائی میں اتحادیوں کے چودہ ہزار سپاہی ہلاک یا زخمی ہوئے تھے ایک سو توپیں تباہ اور پانچ سو ٹینک غارت ہوئے۔

اس کے مقابلے میں محوریوں کے پچیس ہزار سپاہی ہلاک و زخمی ہوئے۔ تیس ہزار قید ہوئے جن میں نو جرنیل شامل تھے۔ ایک ہزار توپیں تباہ اور ساڑھے چار سو ٹینک غارت ہوئے۔

## شرط جیت لی

...... ترپیولی فتح ہو چکا تھا۔ آئزن ہاور کا چیف آف سٹاف جنرل

بیڈل سمتھ جنرل منٹگمری سے کسی مسئلہ پر گفتگو کر رہا تھا۔ باتوں باتوں میں منٹگمری نے کہا کہ سفاکس کا قصبہ وہ پندرہ اپریل تک فتح کر سکتے ہیں۔ امریکی جنرل نے اس پر حیرت و شبہ کا اظہار کیا منٹگمری نے اس پر کہا:۔

"اگر میں یہ کر دکھاؤں تو کیا جنرل آئزن ہاور میرے ذاتی استعمال کے لئے مجھے ایک "ہوائی قلعہ" دے دیں گے"

اور دونوں جنیلوں میں یہ شرط طے پا گئی۔

منٹگمری نے دس اپریل ہی کو سفاکس فتح کر کے آئزن ہاور کو یہ تار دیا "سفاکس آج فتح ہو گیا۔ مہربانی کر کے میرا ہوائی قلعہ بھیجئے" اور اس کے جواب میں ایک ہوائی قلعہ انہیں پہنچ گیا

## مشرقِ وسطیٰ میں

ہندوستانی فوج کا پہلا جیش ۱۹۳۹ء میں جنگ چھڑنے سے چند ہفتے پیشتر مصر میں پہنچ چکا تھا۔ برطانوی فوجوں کی کمان جنرل ویول کے ہاتھ میں تھی مگر مڈل ایسٹ کی اتحادی کمان کے سپہ سالار اعظم فرانس کے جنرل ویگاں (Wegand) تھے۔ جون ۱۹۴۰ء میں جب فرانس دم توڑ گیا تو پوری کمان کے دفاع کی ذمہ داری جنرل ویول پر آ پڑی۔ اور اب اٹلی کی شمولیت سے مشرقِ وسطیٰ میں بھی جنگ پورے زور سے بھڑک اٹھی۔ ہندوستانی فوج کے یہ اوّلین دستے چوتھے اور پانچویں ڈویژن کے اجزا تھے جدید ہتھیاروں اور جدید اسلوبِ جنگ کی تربیت ان لوگوں نے وہیں پائی ورنہ ہندوستانی فوج اس سے پہلے "اینٹی ٹینک رائفل" کے سوا کسی دوسرے جدید اسلحہ سے واقف نہ تھی۔ ابتدا میں چوتھے ڈویژن کے کمانڈر میجر جنرل سر لوئیس ہیتھ تھے اور پانچویں کے میجر جنرل سر بیرس فورڈ۔

### قاہرہ

مشرقِ وسطیٰ کی بیشتر ہندوستانی فوج زیادہ تر قاہرہ میں رہی۔ کم از کم ان معنوں

ہیں کہ قاہرہ سے ان کا زیادہ سابقہ رہا۔ یوں بھی ہندوستانی سپاہی قاہرہ کو نسبتاً زیادہ پسند کرتے تھے۔ وہاں کی زندگی میں مغربیت کے باوجود مشرقیت کی جھلک بھی دکھائی دے جاتی تھی۔

شروع شروع میں ماحول بھی بہتر تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ جب مصریوں نے "جنگ کی برکتوں" سے پوری طرح متمتع ہونے کیلئے دولت دونوں ہاتھوں سے سمیٹنا شروع کی تو زندگی خوفناک حد تک مہنگی ہو گئی۔ بال بچوں کی محبت اور ضرورت مند رشتہ داروں کے ہجوم میں بندھے ہندوستانی سپاہی تو خیر کس گنتی و شمار میں تھے، قاہرہ کی گرانی نے امریکنوں تک کے چھکے چھڑا رکھے تھے۔ نفع اندوزی اور چور بازاری زوروں پر تھی۔ اِس جنگ میں سب سے زیادہ مالی فائدہ مصریوں نے اُٹھایا۔ مگر اندیشہ ہے کہ اخلاق و کردار کی گراوٹ آگے چل کر کہیں اس ملک کو مہنگی نہ پڑے۔

خالص حربی نقطہ نگاہ سے ایک بات حیرت انگیز ہے کہ جرمنوں نے اتنے قرب کے باوجود قاہرہ پر بمباری سے احتراز کیا۔ حالانکہ لفٹ ولفے اگر چاہتا تو قاہرہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔ غالباً جرمن قاہرہ کو اس کی پوری رعنائیوں اور رونقوں سمیت فتح کرنا چاہتے تھے اور اگر العالمین کا حملہ کامیاب ہو جاتا تو صرف افریقہ ہی نہیں پوری جنگ کی تاریخ دوسری طرح لکھی جاتی۔ ۲۹ اگست ۱۹۴۲ء کو رومیل نے اپنی فوجوں میں اعلان بھی کر دیا تھا کہ تین روز کے بعد جرمن سپاہی اسکندریہ میں ہونگے۔

## مکھیوں کا برگیڈ

صحرائے لیبیا کے دامن میں اوسز (Oasis) نام ایک چھوٹی سی بستی ہے جو طاقتور سینوسی قبیلہ کے مورثِ اعلیٰ الشیخ محمد بن السنوسی کے مزار کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ مزار سے ملحقہ ایک دینی مکتب بھی تھا جہاں دُور دُور کے ملکوں کے طلبہ بغرض تحصیل علوم دینی کے لئے آتے تھے۔ لیکن جب چوتھے انڈین ڈویژن کا ساتواں برگیڈ وہاں پہنچا تو ساری بستی اجڑی پڑی تھی۔ شیخ سینوسی کا مزار مبارک بھی ویران و خستہ حالت میں تھا

چنانچہ یہ بریگیڈ جب تک ادسنر میں پڑاؤ ڈالے رہا بریگیڈ کے مسلمان سپاہی اس مزار کی دیکھ بھال کرتے رہے۔

بستی کے ویران گھروں میں البتہ ایک قسم کی صحرائی مکھیوں کا ایک پورا لشکر ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ یہ مکھیاں عام مکھیوں سے قدرے بڑی تھیں مگر زیادہ پُرشور نہ تھیں بوجہ تک مکھیوں کا یہ قافلہ بھی ساتویں بریگیڈ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ اطالویوں کا کوئی مورچہ سر ہوا تو دیکھا کہ مکھیاں پہلے ہی وہاں موجود ہیں۔ پنیر شہد اور ایک خاص قسم کے غذائی لعاب کے اَدھ کھلے اطالوی ڈبے ان جھرمٹوں کے خاص مرکز تھے۔

مدت تک بریگیڈ کے لنگروں مطبخوں وغیرہ میں روزانہ کا معمول رہا کہ ہر شخص کھانا کھانے سے قبل کم ازکم تیس (۳۰) مکھیاں ضرور مارا کرتا تھا۔ جب تک مُردوں کی نفری پوری نہ ہوجاتی کھانا نہیں ملتا تھا۔

ایک دن کا واقعہ ہے۔ ایک سکھ پلٹن کا تھکا ہارا کمانڈنگ افسر دوپہر کے کھانے پر کافی "پھرٹ" کر آیا۔ بھوک کے مارے اگرچہ بُرا حال ہو رہا تھا مگر "مکھیوں کی نفری" پوری کرنی بھی لازمی تھی۔ اصول یہ تھا کہ ایک ہاتھ سے "مکھی" اور دوسرے سے آلو پکڑو۔

کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دو اُس ہاتھ لو

کرنل صاحب نے مکھیاں مارنے کے لئے اپنا جالی دار سانٹا اٹھایا ہی تھا کہ اتنے میں ان کا سکھ اردلی ایک پلیٹ اٹھائے ہوئے داخل ہوا۔

"ایہ لوجی اپنی مکھیاں" (یہ لیجیے اپنی مکھیاں)

یہ کہکر اس نے پلیٹ کرنل صاحب کے سامنے رکھدی جس میں ۳۰ مُردہ مکھیاں سردار جی نے بڑے سلیقے کے ساتھ سجا کر لگا رکھی تھیں۔

کرنل نے خالصہ سوبیر کی طرف بڑی احسان مند نگاہوں سے دیکھا اور فرطِ کامرانی میں زور سے چلّا کر پکارا۔

"بولائے کھانا مارو"

## صحرائی لڑائی

صحرائی لڑائی کا سب سے بڑا مسئلہ سپلائی یعنی رسد و رسائل کا مسئلہ تھا۔ ضرورت کی ایک ایک چیز عقبی مستقروں میں سے اگلے مورچوں تک لائی جاتی تھی۔ صحرا کے اپنے دامن میں بعض اوقات سینکڑوں میل تک خورد و نوش کی کوئی مقامی سہولت میسر نہ آتی تھی۔ پھر ابتدائی دور میں بحیرہ روم میں دشمن کے غلبہ کے باعث برطانوی جہازوں کو "کیپ آف گڈ ہاوس" کے راستے سے کوئی بارہ ہزار میل کا چکر کاٹ کر آنا پڑتا تھا۔

صحرائی لڑائی میں ڈویژن ہیڈ کوارٹر کو بھی ایک عام یونٹ کی طرح دوڑنا بھاگنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات ایک ہی دن میں کئی کئی مقامات بدلنے پڑتے۔

ہندوستانی فوج میں سے چوتھا اور پانچواں انڈین ڈویژن سب سے پہلے افریقی محاذ پر لائے گئے تھے۔ چوتھے ڈویژن کی کمان اس وقت میجر جنرل فرینک میسروی کے ہاتھ میں تھی جو بعد میں جنرل سر فرینک میسروی ہوئے اور پاکستان آرمی کے پہلے کمانڈر انچیف بنے۔

پانچویں ڈویژن کے کمانڈروں میں سے بلوچ رجمنٹ کے میجر جنرل برگس (Briggs) نے اس جنگ میں کافی شہرت حاصل کی ہے۔ پاکستان بننے کے بعد آپ برٹش آرمی میں پورے جنرل کے عہدے تک پہنچے اور برما اور ملایا میں اہم مناصب پر فائز رہے۔ اس ڈویژن کے بریگیڈ کمانڈروں میں سے بریگیڈیر ریڈ اور بریگیڈیر بوچر بعد میں جرنیل ہوئے۔ ۱۲ فرنٹیئر فورس۔ ۷ جاٹ ۱۰ بلوچ۔ سیکنڈ پنجابی۔ مرہٹہ لائٹ انفنٹری۔ اور ۴ گورکھا رجمنٹ اس ڈویژن کی ممتاز پلٹنوں میں سے تھیں۔

فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلیک ان دونوں نامور ڈویژنوں کی نسبت ایک جگہ اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"۔۔۔۔۔ اس مدت میں کافی عرصہ تک مڈل ایسٹ کی کمان میرے ہاتھ میں رہی۔ میں نے ان دونوں ڈویژنوں کی جرأت و پامردی پر دفاع میں ان کے تحمل و استقلال پر ہمیشہ ایک فخر محسوس کیا۔"

## قوتِ فیصلہ

یونان میں جرمن سیلاب بڑھتا چلا آرہا تھا۔ صحرائی محاذ کی خبریں بھیانک تھیں۔ طبروق میں اتحادی فوج گھر کر کٹ جانے کے خطرے میں تھی۔ حالات سخت ابتر تھے۔

قاہرہ میں انتھونی ایڈن ۔ فیلڈ مارشل سر جان ڈل اور جنرل ویول صورتِ حال پر غور کر رہے تھے ۔ سوال یہ تھا کہ آیا طبروق میں مدافعت کی جائے یا طبروق چھوڑ دیا جائے ایڈن صاف گھبرایا ہوا تھا۔ بحث کے بعد جب جنرل ویول سے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے رائے پوچھی گئی تو ویول نے اطمینان و اعتماد کے ساتھ کہا:-

"طبروق کا دفاع جاری رہے گا۔"

فیصلہ مشکل تھا مگر ویول چٹان کی طرح اس فیصلے پر جما رہا۔

۔۔۔۔۔۔ طبروق کی واگذاری کے لئے نیا حملہ ہو رہا تھا۔ حملے کے دوسرے دن جنرل ویول بچشمِ خود رفتارِ جنگ کا اندازہ کرنے کے لئے محاذ پر گئے تو حملے کی کامیابی کے امکانات روشن نہ پائے۔ ویول نے اسی وقت حملہ موقوف کرنے کا حکم دے دیا۔

یہ زیرک سپہ سالار کی قوتِ فیصلہ کا دوسرا رُخ تھا۔

## کالی ٹوپی اور مرغیاں

محاذِ جنگ میں فیلڈ مارشل منٹگمری کی کالی ٹوپی اور اُن کی مرغیوں کو بڑی شہرت حاصل ہوئی تھی۔

سپہ سالار کے پالتو جانوروں میں یوں تو مرغیوں کے علاوہ چند کُتّے اور کچھ بطخیں بھی تھیں جو ہمیشہ ہیڈ کوارٹر کے ساتھ رہتی تھیں لیکن مرغیاں انہیں سب سے زیادہ عزیز تھیں

اور یہ مرغیاں اتنی سدھ گئی تھیں کہ جب کبھی ہیڈ کوارٹر تبدیل ہوتا۔ گاڑی کا انجن سٹارٹ نہیں ہوا کہ وہ اپنے ڈربوں میں آ کر بڑے اطمینان سے بیٹھ جاتیں۔ انہیں غالباً اس بات کا احساس تھا کہ اگر پیچھے رہ گئیں تو بے آب و گیاہ ریگستان میں بھوکی مر جائیں گی۔

فیلڈ مارشل کے پرندوں میں بعد میں ایک طاؤس بھی شامل ہو گیا جو سسلی میں ہاتھ آیا تھا۔ اور اس کے ایک پاؤں میں لمبی ڈور باندھ دی گئی تھی اور وہ ہیڈ کوارٹر کے طول و عرض میں دُور دُور تک دورہ کرتا رہتا تھا۔ منٹگمری کا اے۔ ڈی۔ سی اس مور سے سخت بیزار و پریشان رہتا تھا۔ جب کبھی ہیڈ کوارٹر متحرک ہوتا اس غریب کے لئے مور کو پکڑنا دشوار ہو جاتا تھا۔ ٹیونس میں آ کر موقع پا کر یہ مور اُڑ گیا۔ منٹگمری اس کے فرار سے جتنا ناخوش تھا۔ اے ڈی۔ سی اس واقعہ پر اتنا ہی خوش تھا۔

## پست حوصلہ

افریقہ میں جب پیہم شکستوں پر اطالوی سپاہی دل چھوڑ گئے تو میدانِ جنگ سے عموماً اس قسم کے پیغامات آیا کرتے تھے:۔

"دشمن کے دس سپاہی ہلاک ہوئے۔ ہمارا ایک آدمی بھی کام نہ آیا۔"

"...... فلاں مورچہ گولی چلائے بغیر فتح ہو گیا۔"

"دشمن کے اتنے سپاہی قیدی بنائے گئے وہ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔"

## امریکی افسر

امریکی فوج کے سینئر افسر ہوائی جہازوں کو بھی جیپ گاڑیوں کی طرح عام لئے پھرتے تھے۔ اس کے برعکس برطانوی افسروں کو برطانیہ فضائیہ سے ہوائی جہاز حاصل کرنے میں خاصی لمبی چوڑی دفتری کارروائی کرنی پڑتی تھی۔ یا پھر ہوائی بیڑے کے کسی افسر کا احسان مند ہونا پڑتا تھا۔

## جا چھوڑ دیا......

افریقہ میں آل آبا کا مورچہ ابھی ابھی سَر ہوا تھا۔ اطالوی سپاہی ہمارے جوانوں کے سامنے ہتھیار ڈال رہے تھے لیکن اس دوران میں ایک اطالوی سپاہی نے ٹھیک اس وقت کہ ہتھیار رکھوائے جارہے تھے ایک دستی بم کا پن نکال کر پھینکنا چاہا۔ اتفاقاً لفٹنٹ کرنل شارٹ پستول لئے قریب ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا تو پستول اطالوی کی کنپٹی پر رکھ دیا اور بم اس کے ہاتھ سے چھین کر ناکارہ کر دیا۔

کرنل شارٹ اگر چاہتے تو اطالوی کو وہیں ڈھیر کر دیتے۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر کہ اطالویوں میں ایسے بہادر آدمی شاذ شاذ ملتے ہیں اُسے چھوڑ دیا۔

## افسانوی شخصیت

افریقی جنگ میں رومیل کے متعلق اتحادی فوجوں میں اس قسم کی افواہیں اکثر گشت لگاتی رہتی تھیں کہ آج رات وہ ہمارے مورچوں میں سویا رہا.... آج وہ قاہرہ میں دیکھا گیا.... آج وہ اسکندریہ میں پایا گیا......

عموماً یہ محض اور خالص "افواہیں" ہوتی تھیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ میدانِ جنگ میں فیلڈ مارشل رومیل کو ایک افسانوی شخصیت کی حیثیت ضرور حاصل تھی۔

## آخری پیغام

افریقی محاذ پر "آل حمزہ" کی لڑائی جاری تھی۔ پانچویں انڈین برگیڈ (چوتھے ڈویژن) کا ایک دستہ چند انگریز سپاہیوں کے ہمراہ جرمنوں کے ایک زبردست ریلے کو روک رہا تھا۔ جرمن پہلے کچھ دیر تک بے پناہ گولہ باری کرتے رہے۔ پھر ایک جانب دھوئیں اور غبار کے پردے میں سے یکبارگی چالیس (۴۰) ٹینک جن کے عقب میں "لاری سوار" انفنٹری چلی آرہی تھی ہمارے مورچوں پر ٹوٹ پڑے۔ ہمارے توپچی بے جگری سے مدافعت کرتے

رہے۔ مگر دشمن کا زور بہت زیادہ تھا جوان بڑی تیزی سے کام آ رہے تھے۔

میدانِ کارزار سے کچھ دُور بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کے لوگ وائرلیس پر فکر و تشویش کے ساتھ لڑائی کے اس تبصرے کو سُن رہے تھے جو لفٹننٹ کرنل کنگ (Lt. Col. King) نشر کر رہے تھے۔ کرنل کنگ نے کہا:۔

"میں سمجھتا ہوں یہ میرے آخری الفاظ ہیں۔ جرمن میرے ہیڈ کوارٹر کے عین اُوپر آ پہنچے ہیں۔"

اور پھر ایک ہندوستانی سپاہی کی آواز سنائی دی:۔

صاحب میرا آخری سلام۔ میں وائرلیس سیٹ توڑ رہا ہوں۔"

— اس کے ساتھ ہی ایک پرزور دھماکا ہوا جس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی۔

## اُردُو زبان

میدانِ جنگ میں ٹیلیفون۔ وائرلیس پر رازداری کی گفتگو عموماً اُردو ہی میں کی جاتی تھی تاکہ جرمنوں اور اطالویوں کے پلّے کچھ نہ پڑ سکے۔

## حاضر دماغی

صحرائی معرکوں میں ایک مرتبہ چالیس کے قریب اطالوی سپاہی ہماری ایک دُور افتادہ چوکی پر حملہ آور ہوئے۔ چوکی میں اس وقت صرف ایک سردار (دی سی او) اور چھ جوان ہی تھے مگر سردار نے مورچے سے اُچھل کر پھیپھڑوں کے پورے زور کے ساتھ چلّا کر "کاشن" دیا۔

"بی اسکواڈرن چارج"

چھ کے چھ جوان اس کاشن پر یک لخت کود کر مورچوں سے باہر آ گئے۔ اطالوی یہ سمجھ کر کہ یہاں تو کوئی بھاری جمعیت پڑی ہے۔ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔

## جنگی اور چھلکی

افریقہ میں پانچویں ڈویژن کے ہندوستانی سپاہی جرمن طیاروں کو اکثر "جنگی" اور اطالوی ہوائی جہازوں کو "چھلکی" کے ناموں سے یاد کرتے تھے۔

فرق یہ تھا کہ مثلاً جوان اپنے خیموں میں بیٹھے تاش کھیل رہے ہیں اور فضا میں کسی طیارے کی گونج سنائی دی تو سب سے پہلے آواز کی نوعیت سے یہ معلوم کیا جاتا تھا کہ "جنگی" ہے یا "چھلکی" اگر جنگی ہوتا تو تاش کے پتے وہیں چھوڑ چھاڑ کے سب لوگ پناہ گاہوں کی طرف دوڑ جاتے اور اگر کسی نے کہہ دیا کہ "چھلکی" آرہا ہے۔ تو کھیل بڑے اطمینان سے جاری رہتا۔ بعد میں تو "چھلکی" کی آمد پر علامت و سلان کے طور پر اطلاع دینے والا جوان اکثر کہا کرتا تھا "چڑیا کا غلام چینگو" (بہ روایت عام)

## بیمار رومیل

افریقی محاذ کے آخری دور میں جب منٹگمری کی آٹھویں فوج نے اپنی مشہور عالم یلغار شروع کی تو فیلڈ مارشل رومیل وائنا کے ایک ہسپتال میں بیمار پڑا تھا۔ بیماری کی حالت میں جب رومیل نے اس بھرپور دھاوے کی خبر سنی اور یہ معلوم ہوا کہ جنگ کا پانسہ بڑی تیزی سے پلٹ رہا ہے تو بے چین ہو گیا اور ڈاکٹروں کی تاکید و ہدایت کے برعکس اسی حالت میں محاذِ جنگ پر پہنچ گیا۔

بیمار فیلڈ مارشل اگرچہ حالات کے رخ کو موڑنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تاہم جرمنوں کی اس طویل و خطرناک پسپائی کو جس خوش اسلوبی سے اس نے سرانجام دیا وہ رومیل ہی کا حصہ تھا۔ منٹگمری ایسا تیز رو سپہ سالار رومیل کی فوج کو کسی ایک نقطہ پر بھی گھیرے میں لے کر تباہ نہ کر سکا۔ رومیل افریقہ کور کو موت کے جبڑوں میں سے نکال کر لے گیا۔

## ہر نام کور

افریقہ میں لڑنے والی جرمن فوج "افریقہ کور" کے نام سے مشہور تھی۔

عام سکھ سپاہی پہلے پہل "ہرنام کور" "پریم کور" وغیرہ کی طرح "افریقہ کور" کو بھی کسی عورت کا نام ہی سمجھتے تھے . . . . . بلکہ بعد میں بھی رم کے نشہ میں بے غم ہو کر سکھ سپاہی "افریقہ کور" کے متعلق کہا کرتے تھے۔

"سالی ہرنام کور ہمارے سامنے کیا ہے" (روایت)

## ایڈمرل کووان

۱۹۴۱ء میں جب باردیہ کی لڑائی زوروں پر تھی تو ایک بوڑھا انگریز محاذِ جنگ کے اگلے مورچوں میں عام نظر آیا کرتا تھا۔ اور محض نظر ہی نہیں آتا تھا بلکہ افسروں اور جوانوں کے لئے اس کی شخصیت جوش وہمت اور زندگی و خوشدلی کا سرچشمہ بن گئی تھی۔ وہ کبھی بحریہ کے ایڈمرل کی وردی میں ہوتا اور کبھی ایک معمولی سپاہی کے لباس میں کبھی سپہ سالاروں کی "کارواں لاری" میں کبھی سپاہیوں کے ٹرک میں۔ یہ بہت کم لوگ جانتے تھے کہ وہ کون ہے ؟ یہاں کیوں ہے ؟ کیا کر رہا ہے ؟ مگر اُس کی صورت اور اس کی پُرلطف گفتگو سے سارا محاذ واقف تھا۔ وہ سب کا دوست تھا۔ سب کا مہمان تھا۔ کبھی اس مورچے میں بیٹھا ہے کبھی اُس میں۔ بعض اوقات یہ بوڑھا انگریز حملہ کرنے والے دستوں کے ساتھ بھی دیکھا جاتا اور اُس وقت اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک کوندتی نظر آتی۔

یہ ایڈمرل کووان تھا۔

ایڈمرل کووان برطانوی نیوی کے پُرانے سنیئر افسروں میں سے ایک ممتاز افسر تھے۔ پہلی جنگِ عظیم میں کووان نے بعض سمندری معرکوں میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ دوسری جنگ چھڑی تو ایڈمرل کی عمر ۷۰ برس سے متجاوز تھی۔ انہوں نے ہر چند دوبارہ نیوی میں خدمت کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر محکمہ جنگ نے اُن کی پیرانہ سالی کے باعث اُن کی خدمات سے فائدہ اٹھانا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن اس حالت میں کہ مادرِ وطن زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا ہو کوئی انگریز یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ وہ آرام سے گھر بیٹھا رہے۔ چنانچہ نہ معلوم کیسے پہنچا مگر باردیہ کے معرکوں میں بوڑھا ایڈمرل کووان صحرائی محاذ پر موجود تھا۔

یُوں تو ایڈمرل کووان کا پُورے محاذ ہی کے ساتھ یارانہ تھا مگر ہمارے اٹھارہویں رسالے کے ساتھ ان کی خاص دوستی تھی۔ ایڈمرل کا ڈیرا اکثر اسی رسالے کے ساتھ رہتا۔ اُن کے قصّے اور لطیفے موت کی اس بھیانک وادی میں بھی زندگی و زندہ دلی کی چنگاری روشن کئے ہوئے تھے۔ رسالہ کے کمانڈنگ افسر کرنل فاولر (Fowler) سے کے ساتھ ایڈمرل کا اکثر اس بات پر جھگڑا ہو جاتا تھا کہ انہیں "پٹرول" کے ساتھ جانے کی اجازت کیوں نہیں دیتے۔ آخر ایک دن ایڈمرل کی یہ دیرینہ آرزو بھی پوری ہو گئی۔ وہ کرنل فاولر کے ساتھ ٹینک میں بیٹھے حملہ پر جا رہے تھے کہ ٹینک جرمن ٹینکوں کے نرغے میں جا پھنسا۔ جرمنوں نے جب ہتھیار ڈالنے کے لئے للکارا تو ایڈمرل کود کر ٹینک سے باہر آگیا۔ "ہٹ جاؤ۔ کتّو! میں ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔" اور بوڑھے ایڈمرل نے تڑ تڑ اپنے ریوالور کی گولیاں جرمن ٹینک پر خالی کر دیں۔

بعد میں کرنل فاولر اور ایڈمرل کووان دونوں گرفتار کر لئے گئے اور ۱۹۴۳ء میں اٹلی کے ایک قیدی کیمپ سے رہا ہوئے۔

یہ تھا ایڈمرل سر والٹر کووان بارویہ کی طلسمی شخصیت۔

## جنّت شیراز

ایران کے اکثر شہر اور قصبے چاروں طرف سے باغات سے گھرے ہوتے ہیں۔ تعطیلوں، تہواروں، اور تقریبوں پر خوش باش و خوش مذاق ایرانیوں کی ٹولیاں، ان باغوں میں پھیل جاتی ہیں۔

انڈین فوج کے ایک سردار کواز قصبہ میں مقیم تھے۔ ایک دن خراماں، خراماں ایک باغ میں جا پہنچے۔ ارادہ یہ تھا کہ دو ایک روپے دے کر تازہ و شیریں اثمار شاخوں سے توڑ کر کھائیں گے۔ باغباں سے گفتگو ہوئی تو اُس نے پوچھا۔

"آپ ٹوکرا یا برتن لائے ہیں؟"

"نہیں میں تو باغ ہی میں بیٹھ کر پھل کھانے کے ارادے سے آیا تھا۔"

"بسم اللہ - بفرمائید" ـــــ باغبان ان کو اپنے ساتھ اندر لے گیا اور انواع و اقسام کے تازہ بتازہ پھلوں کا ایک انبار اُن کے سامنے لگا دیا - اُدھر سردار صاحب اس انبار کو دیکھ کر دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ ان حالات میں دو ایک روپے کی بجا بہت زیادہ رقم گھُل جائے گی - مگر اب تو "اولادِ آدم" پر یہ "حادثہ" گذرنے ہی والا تھا - صرف یہی نہیں - بلکہ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ پھل کے بعد باغبان نے اصفہان کے بڑھیا برتنوں میں لذیذ و نفیس ایرانی قہوہ بھی مہمانِ مکرّم و عزیز کے سامنے لا رکھا -

چلتے وقت افسر مذکور نے معقول حیثیت کا ایک "نوٹ" میزبان کی نذر کرنا چاہا تو ایرانی نے یہ کہہ کر نوٹ لینے سے انکار کر دیا -

"آپ اس ملک میں مہمان ہیں - کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں پوری ملتِ ایران کو ذلیل کردوں ؟ ہاں اگر آپ پھل ٹوکرے میں باہر لے جاتے تو دوسری بات تھی لیکن چمن کے اندر بیٹھ کر "خدا کے ایک مسافر" نے "اگر خدا کا مال" کھا لیا تو اس کا معاوضہ مجھ پر حرام ہے"..........

...... قیاس ہے کہ اس واقعہ کے بعد "خدا کے اس مسافر" نے ایران میں "خدا کے مال" سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا ہوگا - (مرتب)

## اٹلی کے محاذ پر

طونس کی لڑائی کے خاتمہ پر عام خیال یہی تھا کہ ہندوستانی فوجوں کو اب غالباً جاپان کے محاذ پر بھیج دیا جائے گا - مگر یہ خیال غلط نکلا اور جولائی ۱۹۴۳ء میں جب جنرل الیگزینڈر نے سسلی پر حملہ کیا تو ۳/۱۵ بلوچ رجمنٹ اور ۳/۱۲ فرنٹیئر فورس رجمنٹ ہراول دستوں میں شامل تھیں -

اٹلی کے محاذ پر ہمارے چوتھے - آٹھویں - اور دسویں ڈویژنوں کی ترتیب یوں تھی :-

# چوتھا ڈویژن

## کمانڈر

میجر جنرل ایف۔ایس۔ٹکر۔سی۔بی،ڈی۔ایس۔او

(۱)

## پانچواں انفنٹری برگیڈ

(برگیڈیر ڈی۔آر۔بیٹ مین۔ڈی۔ایس۔او)

(i) ۱/۴ ایسکس رجمنٹ

(ii) ۱/۶ راجپوتانہ رائفلز

(iii) ۱/۹ گورکھا رائفلز

(۲)

## ساتواں انفنٹری برگیڈ

(برگیڈیر لووٹ۔ڈی۔ایس۔او)

(i) فسٹ رائل سیلسکس

(ii) ۴/۱۶ پنجاب رجمنٹ

(iii) ۱/۲ گورکھا رائفلز

(۳)

## گیارہواں انفنٹری برگیڈ

(برگیڈیر گرفن)

(i) سکینڈ کیمرون ہائی لینڈرز

(ii) ۴/۶ راجپوتانہ رائفلز

(iii) ۲/۷ گورکھا رائفلز

(سنٹرل انڈیا ہارس اور توپ خانہ)

چوتھا انڈین ڈویژن جنوری ۱۹۴۴ء میں اٹلی میں اُتارا گیا تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس ڈویژن کی آمد سے اتحادی فوجوں میں امید و مسرت کی ایک نئی لہر دوڑ گئی تھی۔ لوگ کہتے تھے "سدی برانی۔ کرن اور طیونس کے فاتحین آ گئے ہیں"۔

"سرخ عقاب" اپنے لافانی کارناموں کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ گذشتہ چار سالوں میں اس نامور ڈویژن کے پچیس ہزار آدمی ہلاک۔ زخمی۔ قید یا لاپتہ ہوئے تھے۔ اور خود اس ڈویژن نے دشمن کے ایک لاکھ سے زیادہ سپاہی قیدی بنائے تھے۔

## آٹھویں ڈویژن کی ترتیب

### کمانڈر

میجر جنرل ڈڈلے رسل سی۔بی۔ای، ڈی۔ایس۔او، ایم۔سی،

(۱)

### سترھواں انفنٹری برگیڈ

(برگیڈئر سی۔ایچ بوچر۔سی۔بی۔ای، ڈی۔ایس۔او)

(i) فسٹ رائل فیوزیلیرز

(ii) ۱/۱۲ فرنٹیئر فورس رجمنٹ

(iii) ۱/۵ رائل گورکھا رائفلز

(۲)

## اُنیسواں انفنٹری برگیڈ

(برگیڈیر ٹی - ایس - ڈبری - ڈی - ایس - او، ایم - سی)

(i) ۵/ایسکس رجمنٹ

(ii) ۳ پنجاب رجمنٹ

(iii) ۶/۱۳ فرنٹیر فورس رائفلز

# دسویں ڈویژن کی ترتیب

## کمانڈر

(میجر جنرل ڈی - ریڈ - سی - بی، سی - بی - ای، ڈی - ایس - او، ایم سی)

(۱)

## دسواں انفنٹری برگیڈ

(برگیڈیر ٹی - این - سمتھ - او - بی - ای)

(i) ۲/۴ پنجاب رجمنٹ

(ii) ۴/۱۰ بلوچ رجمنٹ

(iii) ۲/۴ گورکھا رائفلز

(۲)

## بیسواں انفنٹری برگیڈ

(برگیڈیر میکڈانلڈ - او - بی - ای)

(i) ۸ مانچسٹر رجمنٹ

(ii) ۳/۵ مرہٹہ لائٹ انفنٹری

(iii) ۲/۳ گورکھا رائفلز

(۲)

## پچیسواں انفنٹری برگیڈ

(برگیڈیر یوسٹس آرڈرنی۔ ڈی۔ایس۔او)

(i) فسٹ کنگ اون رجمنٹ

(ii) ۳/۱ پنجاب رجمنٹ

(iii) ۳/۱۸ گڑھوالی

### جنرل ریڈ

میجر جنرل ریڈ دونوں بڑی لڑائیوں کے ایک آزمودہ سپاہی تھے۔ ان کی عمر ابھی بیس برس کی تھی کہ پہلی جنگِ عظیم میں انہوں نے بے نظیر شجاعت کے صلہ میں ایم۔سی کا اعزاز حاصل کیا۔ دوسری لڑائی میں افریقہ کے معرکوں میں آپ نے بڑی شہرت پائی۔ اریٹریا میں پہلے وہ ایک مرہٹہ بٹالین کی کمان کرتے رہے۔ بعد میں ایک برگیڈ کی کمان کر رہے تھے کہ ۱۹۴۲ء میں جب رومیل ایک سیل رواں کی طرح بڑھا آرہا تھا۔ برگیڈیر ریڈ العالمین سے کچھ دور دشمن کے ہاتھ پڑ گئے۔ اتحادیوں نے اٹلی پر حملہ کیا تو دسویں انڈین ڈویژن کی کمان جنرل ریڈ کے سپرد کی گئی۔

جنرل ریڈ اس جنگ کے مضبوط اور محبوب لیڈروں میں سے ایک تھے۔

### بندوق نہیں دیکھی

جنگ کے زمانہ میں اطالوی قیدیوں کے لئے ہندوستان میں بھی جابجا کیمپ کھولے گئے تھے۔ اسی قسم کا ایک بہت بڑا کیمپ ڈیرہ دون میں تھا۔ جس میں ہزارہا

اطالوی قیدیوں کی کھیپ پڑی رہتی تھی۔اس کیمپ کے ایک ذمہ دار افسر نے راقم سے بیان کیا:۔

اکثر اطالوی سپاہی بندوق چلانا نہیں جانتے تھے۔جب ان سے پوچھا گیا کہ تم کیسے سپاہی ہو کہ معمولی بندوق تک چلانا نہیں جانتے تو انہوں نے بتایا کہ ہم کیا جانیں، بندوق کیا ہے۔ہم دیہاتوں کے کسان ہیں۔لڑائی چھڑی تو کھیتوں میں سے پکڑ کر سیدھے میدانِ جنگ میں بھیج دئے گئے۔وہاں سے یہاں آگئے۔

اطالوی قیدی البتہ کھانے اور مٹھائیاں خوب بناتے تھے۔عام گوبھی۔گاجر ٹماٹر وغیرہ کی ترکاریوں سے درجنوں مختلف چیزیں بنا کر رکھ دیتے۔

راگ رنگ کے بڑے شوقین تھے۔کام کم کرتے تھے۔گاتے زیادہ تھے۔ کیمپ میں سب سے پہلا کام یہی ہوتا کہ تقریباً ہر "بارک" میں ایک اسٹیج بنا لیتے۔پھر وہ اسٹیج ہوتا اور ان کے ڈرامے۔

مصوری کا بھی ان میں عام ذوق تھا۔رنگ اور برش کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا معمولی کھریے پتھر۔کوئلے وغیرہ ہی سے خاصی معقول تصویریں بنا کر رکھ دیتے۔ان کی "بارکوں" میں دیواروں پر تصویریں ہی تصویریں نظر آتی تھیں۔"رومن سپاہیوں" کے نام سے ایک طبقہ البتہ سپاہگری میں طاق تھا۔یہ لوگ قدآور جوان تھے۔ٹھوڑی پر چھوٹی سی ڈاڑھی رکھتے تھے اور سر پر قدیم رومنوں کی طرح کلغی لگاتے تھے۔

## غائبانہ کارروائی

۱۹۴۰ء کے آغاز میں اتحادیوں کی فضائی قوت برائے نام ہی تھی۔لیبیا کے ایک ہوائی مستقر پر سیاہ رنگ کے دو تین بمبار طیارے موجود تھے۔مگر انہیں اڑتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔اڑانے کی کوشش کی جاتی تو تھوڑی دیر بھنبھنا کر پر تول تال کر وہیں بیٹھ رہتے۔

ہندوستانی سپاہی اپنی "لائنوں" میں اکثر ان طیاروں کی نقل اتارا کرتے تھے۔

ایک سپاہی کالا کمبل اوڑھ کر بھنبھناتا ہوا آتا اور شڑپ سے کہیں آن گرتا۔

یہ بات جب ذمہ دار گورا افسروں کے کان تک پہنچی تو انہوں نے اس قسم کی گفتگو کی ممانعت کردی۔ ایک افسر نے سمجھانے کی غرض سے کہیں یہ کہدیا کہ تم لوگ خواہ مخواہ اپنے "ہتھیاروں" کا مذاق اڑاتے ہو۔ یہ طیارے ایسی "غائبانہ کارروائیاں" کرتے ہیں جن کا ہمیں علم بھی نہیں ہوتا۔

اس کے بعد کسی معرکے کا ذکر ہے۔ ہندوستانی سپاہی حملہ کر رہے تھے۔ دشمن کے طیارے ان کے سر پر منڈلا رہے تھے۔ ایک سپاہی نے دوسرے سے پوچھا۔ "کیوں نائک جی وہ ہمارے دوتین کالے جہاز اس وقت کہاں ہیں۔ آخر وہ کس مرض کی دوا ہیں؟

"چپ رہو" نائک نے جواب دیا۔ "وہ غائبانہ کارروائی کر رہے ہیں۔"

(روایت)

## کسینو کی لڑائی

اٹلی میں کسینو کی لڑائی پوری جنگ کے خوفناک ترین معرکوں میں سمجھی جاتی ہے۔ اتحادی ریلے کو جرمنوں نے یہاں برابر کئی مہینوں تک روکے رکھا تھا۔ کسینو کا معرکہ ڈنکرک، سٹالن گراڈ اور کین (Caen) کے ہم پایہ معرکوں میں سے ایک ہے۔ چوتھے انڈین ڈویژن کو سب سے زیادہ نقصان اس لڑائی میں اٹھانا پڑا۔ اور ہمارے جوانوں نے سب سے زیادہ اعزازات بھی اسی میدان میں حاصل کئے۔ کسینو کی فتح کی داستان جرأت و پامردی کے مسلسل مظاہروں کی ایک غیر فانی رُوداد ہے۔

کسینو وادی میں ایک پہاڑی مقام ہے جس کے دامن میں ایک دریا (Rapido) لہریں لیتا ہوا گزرتا ہے۔ جرمنوں نے دریاؤں۔ وادیوں اور پہاڑیوں کے اس علاقے میں زبردست مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ کسینو کے راہب خانے اور شہر کی حفاظت کی ذمہ داری ہٹلر نے اپنے خاص منظور نظر میجر جنرل باڈے

د Baade ) کو سونپ رکھی تھی جو جرمنی کا سب سے کم عمر کمانڈر تھا۔ اور مشہور پندرھویں ڈویژن کی مدد پر جرمنی کا ایک اور مایۂ ناز "فسٹ پیراشوٹ ڈویژن" موجود تھا جس کا کمانڈر میجر جنرل ریچرڈ ہیڈرچ ذاتی شجاعت و مردانگی میں پرانے جرمن ریگولر افسروں کی بہترین مثال تھا۔

## دھوبی کا کارنامہ

اس لڑائی کے ایک معرکے میں میر باز دھوبی نے آئی۔ ڈی۔ ایس۔ ایم کا اعزاز حاصل کیا۔ وہ جہنم کی طرح برستی ہوئی آگ میں کود کر اپنے کئی زخمی جوانوں کو کندھے پر اٹھا کر سلامتی تک لے آیا تھا۔ میڈیکل کور کے نائک محمد یوسف نے بھی ان معرکوں میں بڑی شہرت پائی اور آئی۔ ڈی۔ ایم اور آئی۔ ڈی۔ ایس۔ ایم کے امتیازات حاصل کیے۔ مگر میر باز دھوبی کے کارنامے کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ محمد یوسف کو بھی نصیب نہ ہو سکی۔ مدت تک مورچوں اور لنگروں میں میر باز کے اس کارنامے کا چرچا رہا۔ لوگ عموماً ازراہِ مذاق کہا کرتے۔ میر باز تو زخمی سپاہیوں کو کپڑوں کی گٹھڑی کی طرح اٹھا لاتا تھا۔

## خچروں سے محبت

کسینو کی لڑائی میں خچروں کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس مقصد کے لئے "خچر باری" کو نئے اور وسیع پیمانے پر ترتیب دیا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ صورت نظر آنے لگی کہ جیسے اٹلی کے اس علاقے میں خچروں کے شہر آباد ہو گئے ہوں۔ ہزاروں کی تعداد میں امریکی۔ فرانسیسی۔ اطالوی اور ہندوستانی خچر جمع کیے گئے۔ مختلف طبع و مزاج کے ان ضدی اور بے ہنگم جانوروں کو سدھا کر ہموار کرنا ایسا مشکل کام تھا جو ہماری "ٹرانسپورٹ سروس" کو ہمیشہ یاد رہے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس لڑائی میں خچروں نے بھی بہت کام کیا۔ راشن۔ پانی۔ ہتھیار

گولہ بارود وغیرہ کی تمام باربرداری انہیں کے دم قدم سے ہوتی رہی۔ امریکی خچر سب میں اڑیل تھے مگر ہمارے جوانوں نے انہیں بھی یوں رام کرلیا تھا کہ گولیوں کی بوچھاڑوں میں کیا مجال کہ وہ اپنی قطار چھوڑ کر ادھر سے اُدھر ہو جائیں۔

اس محاذ پر خچر کی اہمیت اتنی بڑھ گئی تھی اور یہ کارآمد بھی اس قدر ثابت ہوئے کہ سپاہی انہیں احسانمندی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ سپاہی نے سامنے سے آتی ہوئی گولی کو اپنے سینے میں ٹھنڈا کرلیا۔ مگر اپنے خچر کی جان بچالی۔ سکھ سپاہیوں کے ساتھ خچر خاص طور پر خوش رہتے تھے۔

## قیدی بنالو

کسینو کی لڑائی کے آخری مرحلوں میں محوریوں کا عام مورال (حوصلہ) اتنا پست ہو گیا تھا کہ . . . . . . . . . اس زمانہ میں قیدیوں کو گننا اور سنبھالنا ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ ایک مرتبہ آٹھویں پنجاب رجمنٹ کے تین خلاصیوں نے نسٹ پیراشوٹ ڈویژن کے گیارہ مسلح جرمنوں کو پکڑ لیا حالانکہ یہ وہ ڈویژن تھا جس کے سپاہی مرجاتے تھے مگر ہتھیار نہیں ڈالتے تھے۔

یہ باور کرنا واقعی مشکل تھا کہ یہ اس افریقہ کور کے جرمن سپاہی تھے جن کی جانبازی و سرفروشی کے ہم بھی قائل تھے۔ قائل ہی نہیں تھے خوفزدہ بھی تھے ؂

کہیں آگ اور کہیں لاشوں کے انبار
بس اے دَورِ زماں بادکھانہ جائے

## انجینئر بھی لڑے

کسینو کے معرکوں میں "راہب خانے" کی لڑائیاں اپنی سنگینی و خونریزی میں یادگار سمجھی جاتی ہیں۔ اتحادیوں کو کسینو پر چار حملے کرنے پڑے تھے جن میں تنہا چوتھے انڈین ڈویژن کے تقریباً چار ہزار آدمی ہلاک یا زخمی ہوئے۔

جرمن کمانڈر میجر جنرل " ہینڈرج " بھی اس لڑائی میں اپنے وسائل کے آخری نقطہ تک پہنچ گیا تھا۔ وہ آخر کار اس قدر مجبور ہو گیا کہ اس نے اپنے انجینئروں کو بھی لڑائی میں جھونک دیا۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ جرمن انجینئروں نے خوب خوب داد سپہ گری کی دی۔

## خانقاہ کا احترام

اس پہاڑی راہب خانہ کو جب امریکی بمباروں نے تباہ کر دیا تو اس پر صحافتی حلقوں کی طرف سے بڑی لے دے ہوئی تھی۔ اتحادیوں کا کہنا تھا کہ دشمن اس راہب خانہ کو مورچے کے طور پر استعمال کر رہا تھا اور اس مورچے کو سر کئے بغیر کسینو کی فتح ناممکن تھی۔

لیکن مشہور برطانوی مبصر جنگ کیپٹن لڈل ہارٹ نے جنگ کے بعد جو شہادت فراہم کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرمن سپہ سالار فیلڈ مارشل کسل رنگ نے اس بارے میں سخت احکامات جاری کر رکھے تھے کہ کوئی جرمن سپاہی خانقاہ میں داخل نہیں ہو گا بلکہ اس غرض سے اس نے خانقاہ پر زبردست پہرہ لگا رکھا تھا امریکی سپہ سالار مارک کلارک بھی راہب خانے پر بمباری کے خلاف تھا مگر اُسے اپنے مشیروں کی رائے کو ماننا پڑا۔

## ایک جرمن افسر

اسی محاذ کا ذکر ہے کہ ہندوستانی اور جرمن دستے آمنے سامنے پڑے تھے مورچوں کا درمیانی فاصلہ ایسا زیادہ نہ تھا ایک دوسرے کی سرگرمیاں صاف دکھائی

دیتی تھیں۔ بعض اوقات ایک دوسرے سے باتیں بھی ہو جاتی تھیں۔

جرمن مورچوں میں ایک طویل القامت افسر بہت نمایاں تھا۔ اس کی ہیئت بھی عجیب تھی اور وہ عموماً گولیوں کی بارش میں بھی اطمینان و بے پرواہی کے ساتھ مورچوں سے باہر گھومتا رہتا تھا۔ ہمارے جوانوں کو اِس پُراسرار افسر میں بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ جب یہ مورچہ سر ہوا تو جوانوں نے سب سے پہلے اسی جرمن افسر کو تلاش کرنا چاہا۔ مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ اور پھر کسی محاذ پر کبھی نظر نہ آیا۔ خُدا معلوم کہاں گیا؟

## کسل رنگ

اطالوی محاذ کا جرمن سپہ سالار اعلیٰ فیلڈ مارشل کسل رنگ 'Kessel Ring' کیپٹن لڈل ہارٹ کی رائے میں ایک اعلیٰ وزیرک سپہ سالار تھا۔ اس نے مقابلتہً تھوڑی فوج کے ساتھ اتحادیوں کو برابر بیس مہینے تک اٹلی میں روکے رکھا حالانکہ اٹلی کے میدانِ جنگ سے نکل جانے کے بعد کسل رنگ کے انتظامی مسائل بے انتہا اُلجھ گئے تھے۔

## جنرل فرانکو

اٹلی پر اتحادی حملہ سے کچھ قبل کسل رنگ نے ہٹلر کو مشورہ دیا تھا کہ جرمن فوجوں کو اسپین میں سے گزار کر اتحادیوں کے عقب میں لے جایا جائے۔ مگر ہٹلر نے اتفاق رائے نہ کیا۔ ہٹلر کہتا تھا کہ فرانکو نے جب ۱۹۴۰ء میں اس بات کی اجازت نہیں دی تھی تو اب کیوں دے گا اور اس کی مرضی کے بغیر یہ مرحلہ آسان نہیں۔

کیونکہ ہسپانوی لوگ غضب کے لڑیت ہیں اور گوریلا جنگ میں تو وہ اپنا جواب نہیں رکھتے۔

سسلی کے دفاع کے سلسلہ میں جرمن ہائی کمان اطالوی فوج کے ایک حصے کو جرمن کمان کے تحت رکھنا چاہتا تھا مگر اطالوی کمانڈر انچیف جنرل روآتا Roatta نے یہ تجویز رَدّ کر دی۔

## جرمن پمفلٹ

برلن ریڈیو تو خیر پراپیگنڈا میں زور شور سے مصروف تھا ہی۔ اٹلی میں جرمنوں نے محاذِ جنگ پر بھی پراپیگنڈے کا ایک باضابطہ محاذ کھول رکھا تھا یہ پراپیگنڈہ پمفلٹوں اور رسالوں کی شکل میں تھا۔

انگریزی اور اُردو میں چھپے ہوئے پمفلٹ لاکھوں کی تعداد میں روزانہ ہمارے کیمپوں۔ محاذوں اور مورچوں پر برسائے جاتے تھے۔ یہ پمفلٹ طباعت کی انتہائی خوبصورتی کے ساتھ چھاپے جاتے تھے۔ ایک پمفلٹ میں دکھایا گیا تھا کہ برطانوی سپاہی ایک دریا عبور کرتے ہوئے جرمن گولہ باری کی زد میں آگئے ہیں اور بری طرح ڈوب رہے ہیں۔

اطالوی لوگوں کا رویہ ابتدا میں تو دشمنی یا کم از کم سرد مہری کا تھا۔ لیکن جب انہیں اتحادیوں کی فتح کا یقین ہو گیا تو اس کے ساتھ ان کا رویہ بھی دوستانہ ہو گیا۔ اب وہی اطالوی ہماری فوجوں کا گرمجوشی سے استقبال کرتے۔ ہمارے جوانوں کی پیشانیوں پر بوسے دیتے۔ ان سے بغلگیر ہوتے اور پھول پھل اور شربت

سے ان کی تواضع کرتے۔

جہاں کوئی بستی نظر آ گئی
وہیں رُک گئے اجنبی قافلے

## مسولینی کی گرفتاری

۲۶ جولائی ۱۹۴۳ء کو مسولینی گرفتار کر لیا گیا اور اٹلی میں مارشل بڈاگلیو کی حکومت قائم ہو گئی۔ ۳ ستمبر کو مارشل موصوف نے معاہدہ صلح پر دستخط کر دیئے۔

اٹلی کی مہم کے اتحادی سپریم کمانڈر امریکی جنرل آئزن ہاور تھے۔ بحریہ کے کمانڈر برطانوی ایڈمرل کننگھم تھے۔ فضائیہ کے برطانوی ائر مارشل ٹڈر اور زمینی فوجوں کے کمانڈر انچیف جنرل الیگزینڈر تھے۔

## چوبیس ہزار ہلاک

سسلی کی مہم میں میسینا (Massina) کی لڑائی بہت زیادہ خون ریز ثابت ہوئی۔ اس اکیلے معرکے میں چوبیس ہزار محوری سپاہی کھیت رہے۔

## خراب گاڑیوں کا کارنامہ

. . . . مسادا کوئی ایک سو میل دور تھا۔ یہ شہر اطالوی فوجوں کا بہت بڑا بیس (Base) تھا۔ پٹرول۔ اجناس اور ساز و سامان کے انبار کے انبار وہاں لگ رہے تھے۔ انڈین ڈویژن کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ اطالوی

مساوا کو خالی کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اور اب وہاں سے اپنے ذخائر منتقل کر رہے ہیں۔ چنانچہ ذخیروں پر بروقت قبضہ کرنے کے مقصد سے بریگیڈ کمانڈر نے سنٹرل انڈیا ہارس کے ایک سکواڈرن کو تیز قدمی سے بڑھکر مساوا پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا۔ یہ اسکواڈرن رات بھر مارا مار کرتا صبح مساوا جا پہنچا۔ لیکن راستہ اتنا خراب تھا کہ بہت سی گاڑیاں بیکار ہو کر راستے ہی میں رہ گئیں۔ صرف تیس (۳۰) جوان اور کمانڈر مساوا کے قریب پہنچ سکے۔ وہاں اس مختصر سی جمعیت کو عجیب حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ اطالویوں کی کافی بھاری جمعیت وہاں ابھی موجود تھی۔ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ بہرحال سکواڈرن کمانڈر نے بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے اطالوی کمانڈر کو ہتھیار ڈالنے کے لئے للکارا۔ اطالوی کمانڈر جواب میں پلٹ کر حملہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن ابھی حملہ شروع نہیں ہوا تھا کہ انڈین اسکواڈرن کے عقب میں ایک ناگہانی شور و غل نے اسے ذرا سہما دیا۔ اس نے دیکھا کہ کچھ دور بکتر بند گاڑیوں کا ایک قافلہ غبار اُڑاتا چلا آرہا ہے۔ اطالوی کمانڈر نے اس خوف سے کہ ہمارے ٹنک ہماری مدد کو آپہنچے ہیں فوراً ہتھیار ڈال دئے۔

یہ بکتر بند قافلہ دراصل وہی خراب شدہ گاڑیاں تھیں۔

## ایک قدم آگے دو پیچھے

وسطی اٹلی میں برلن انفنٹری ڈویژن کا جرمن کمانڈر میجر جنرل ہیری ہوپ (Harry Hope) "کارِ امروز" (Order of the day) میں

اپنے سپاہیوں کے نام لکھتا ہے: "تم یہاں مرنے کے لئے آئے ہو۔ لہذا جلدی کرو۔ قید سے موت بہتر ہے"

جنرل ہوپ اپنی سخت مزاجی اور سخت گیری کے لئے مشہور تھا۔ مگر اسکے ساتھ اپنے سپاہیوں کے آرام و آسائش کا بھی اس قدر خیال رکھتا تھا کہ میدانِ جنگ میں بھی دوپہر کے کھانے کے بعد انہیں ڈیڑھ گھنٹہ ستانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اس ڈویژن کے سپاہی اکثر گایا کرتے تھے ــــ "ہوپ کی پیش قدمی کا اصول یہ ہے کہ ایک قدم آگے دو قدم پیچھے"

## کامیاب مغالطہ

سلرنو (اٹلی) کی مشہور لڑائی میں دشمن کو مغالطہ دینے کی غرض سے میجر جنرل رسل (Russel) نے مورو (Moro) دریا کے ایک نہایت مشکل مقام پر ایک بہت بڑا پل تعمیر کروایا تھا۔ یہ مغالطہ بہت کامیاب رہا۔ دشمن کی توجہ اس پل پر مرکوز رہی اور جنرل رسل کی فوج دوسرے مقامات سے عبور کرتی رہی۔

## اٹلی کی ایک جھلک

ایک جنگی مبصر نے اٹلی کے ایک محاذ پر ہمارے جوانوں کی عام زندگی اور حربی سرگرمیوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"ہمارا گرد و پیش بیحد خوبصورت ہے۔ اطالوی دہقانوں کے چھوٹے

چھوٹے جھونپڑے نہایت دل آویز ہیں۔ لوگ متواضع ہیں۔ ہمارے جوان جو اکثر خود بھی کاشتکار ہیں اس زرعی و دیہاتی ماحول میں بہت خوش ہیں اور اپنے گھر والوں کو اطالوی دیہاتوں کی زندگی کے بارے میں لمبے لمبے خط لکھ رہے ہیں۔

آرام کے وقفوں میں جی بھر کے انگور کھاتے اور خط لکھتے لکھواتے ہیں۔

ہمارے صفِ اوّل کے جوان عموماً پہاڑی ڈھلوانوں اور وادیوں میں بکھرے ہوئے دیہاتی مکانوں میں رہتے ہیں۔ دوسری طرف دشمن بھی اسی طرح ایسے ہی مکانوں میں پڑا ہے۔ رات کے سائے دراز ہوتے ہیں تو ہمارے گشتی دستے دیکھ بھال کے لئے دشمن کے علاقے میں دُور دُور تک نکل جاتے ہیں۔ بالخصوص ان مکانوں کا جائزہ لینے کے لئے جن میں دن کے وقت کوئی سرگرمی نظر آتی ہو۔ کبھی کبھی خاص تیز جھڑپیں بھی ہو جاتی ہیں۔

...... اس سیکٹر میں ہم جرمنوں کے اس قدر قریب ہیں کہ آپس میں باتیں بھی ہو جاتی ہیں۔ اگلے روز ایک لمبے تڑنگے جرمن افسر نے انگریزی میں پکار کر کہا:-

"ہیلو انڈین" تم اپنے گھروں کو واپس کیوں نہیں چلے جاتے"

ہم العالمین سے یہاں تک گھر جانے کے لئے نہیں آیا" ہماری طرف سے ایک پُرانے آزمودہ کار صوبیدار نے جواب دیا۔

...... کینیڈین ڈویژن کے ساتھ ہمارے تعلقات اب اتنے گہرے دوستانے کی صورت اختیار کر گئے ہیں کہ ان کے ٹینکوں کو ہم "اپنے

ٹینک" اور ہماری انفنٹری کو وہ "اپنی انفنٹری" کہتے ہیں اور باہمی بول چال کے لئے ہم نے انگریزی - اردو - اور اطالوی الفاظ کے ایک عجیب و غریب ملغوبے سے ایک نئی زبان پیدا کر لی ہے۔"

# نامور سپہ سالار

## روسی جرنیل

روس کے نامور سپہ سالاروں میں ذیل کے جرنیلوں نے بڑا نام پیدا کیا ہے

۱ - کونیف ( Konief )

۲ - واتوتن ( Vatutun )

۳ - مالنووسکی ( Malinowisky )

۴ - ژوکوف ( Zokove )

۵ - روکوسووسکی ( Rokosowisky )

۶ - تالبوکن ( Talleukhin )

۷ - ٹموشنکو ( Timo Shanko )

۸ - بڈنی ( Budeny )

۹ - ورونوف ( Voronov. )

## جرمن جرنیل

جرمن اپنی فوج اور فوجی روایت کی ایک طویل اور شاندار تاریخ رکھتا ہے - دوسری جنگ عالمگیر کے آغاز پر جرمن فوج کی عددی قوت کے بارے میں مختلف کتابوں میں مختلف اعداد ملتے ہیں - "جرمن جنرل سٹاف" کے والٹر کورلٹز کا بیان ہے کہ جنگ شروع ہونے سے پیشتر جرمنی کے پاس ۹۰ ڈویژن فوج لیس کھڑی تھی - جنگ کے ساتھ ساتھ یہ فوج بڑھتی اور پھیلتی گئی چنانچہ ایک بیان کے مطابق فرانس پر جرمن نے ۱۱۰ ڈویژن سے کی تھی - جرمن جرنیل ویسٹ پھل نے جو اعداد اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۴۴ء کی جرمن آرمی لسٹ میں ۲۲۴۰ جرنیلوں کے نام درج تھے - جرنیلوں کی اس تعداد سے فوج کی تعداد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے -

بہرحال جرمنی کے جن فیلڈ مارشلوں اور جرنیلوں نے افریقہ۔ اٹلی۔ فرانس۔ اور روس کے محاذوں پر نمایاں شہرت پائی ان میں سے بعض چیدہ چیدہ کے اسماء ذیل میں درج ہیں۔

## جرمن ہائی کمان

فیلڈ مارشل کیٹل اور فیلڈ مارشل جوڈل۔ ہٹلر کے خاص چیف آف سٹاف کے منصب پر فائز تھے۔ ان کے علاوہ یکے بعد دیگرے کئی فیلڈ مارشل اور جرنیل ہائی کمان میں متعین و برطرف ہوتے رہے۔

## نامور فیلڈ مارشل

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ وان رن اسٹیڈ | ( | ) |
| ۲۔ وان لیب | ( | ) |
| ۳۔ وان | ( | ) |
| ۴۔ بین سٹین | ( | ) |
| ۵۔ وان کلج | ( | ) |
| ۶۔ ماڈل | ( | ) |
| ۷۔ گوڈرین | ( | ) |
| ۸۔ کسل رنگ | ( | ) |
| ۹۔ رچینو | ( | ) |
| ۱۰۔ رومیل | ( | ) |
| ۱۱۔ وان کلسٹ | ( | ) |
| ۱۲۔ ریشس | ( | ) |
| ۱۳۔ ویچ | ( | ) |

۱۴۔ دان لُش ( )

۱۵۔ مین سٹین ( )

## ممتاز جرنیل

۱۔ کربول ( )

۲۔ بوشٹیر ( )

۳۔ کلیمن ( )

۴۔ نہرنگ ( )

۵۔ دان تھاما ( )

۶۔ ریکے ( )

۷۔ دان سپونگ ( )

۸۔ سٹومی ( )

۹۔ دیرسٹ ( )

۱۰۔ ارنہم ( )

۱۱۔ سپرڈیل ( )

۱۲۔ مانٹی فل ( )

۱۳۔ بوبیوس ( )

۱۴۔ زیگلر ( )

۱۵۔ فیورسٹن ( )

۱۶۔ میبی ( )

۱۷۔ سٹرمان ( )

۱۸۔ ہالڈر ( )

۱۹۔ نرٹ زیلر ( )

۲۰- ولیٹ پال ( )

۲۱- بلیو منٹرٹ ( )

## امریکی جرنیل

جرمنوں یا انگریزوں کے مقابلہ میں امریکہ کی فوجی روایات کچھ زیادہ قابل توجہ نہیں سمجھی جاتیں مگر اس جنگ میں امریکی فوج کی صفوں میں سے بعض اس پایہ کے سپہ سالار اُبھر کے سامنے آئے کہ دنیا دنگ رہ گئی - ان میں جنرل آئزن ہاور - جنرل میک آرتھر - جنرل مارشل - جنرل مارک کلارک - جنرل بریڈلے - جنرل سٹل ویل - جنرل پیٹیاں اور ایک حد تک جنرل رج وے (Ridgway) تاریخ کی عظیم ترین عسکری شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں -

ذیلی کمانداروں میں سے جن جرنیلوں نے شہرت حاصل کی ان میں جنرل ٹرسکوٹ (Trascot) جنرل کیز (Keys) جنرل ڈیور - جنرل سوینی - جنرل میک فاٹر - جنرل ہیوڈرم - جنرل گرنتھر - جنرل بیڈل سمتھ - جنرل لی - جنرل وان فلیٹ اور فریڈن ٹول کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں -

## اطالوی جرنیل

اٹلی اور اتحادیوں کی جنگ زیادہ تر افریقہ اور اٹلی میں رہی - افریقی محاذ پر اطالوی سپہ سالار اعلیٰ مارشل گریزیانی، ڈیوک آف اوستا اور مارشل بڈاگلیو تھے -

۱۹۴۱ء میں مسولینی نے ایک تقریر میں بتایا تھا کہ مارشل گریزیانی کی قیادت میں چودہ ہزار افسر اور تقریباً ساڑھے تین لاکھ فوج افریقہ کے میدان میں اتاری جا چکی ہے - یہ وہی ٹڈی دل ہے جس کو جنرل ویول اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ شکست دیتے رہے تھے - کمانداروں میں مندرجہ ذیل اطالوی جرنیلوں

کے نام تذکروں میں ملتے ہیں ۔ (          )

(۱) کاؤنٹ شوران (          )

۲۔ جنرل زمبونی (          )

۳۔ جنرل گیری بالڈی (          )

۴۔ جنرل بالڈاسر (          )

۵۔ جنرل کیولیرو (          )

۶۔ جنرل باربستی (          )

۷۔ جنرل گنڈین (          )

۸۔ مارشل باسٹکو (          )

۹۔ جنرل ڈی سٹیفانس (          )

روم کی ہائی کمان میں جنرل رعاٹا (          ) سب سے قابلِ ذکر شخصیت ہیں۔ کم از کم جرمن جرنیلوں کی یادداشتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

جن اطالوی جرنیلوں کا افریقی محاذ سے تعلق نہ تھا مگر کسی نہ کسی طرح انہوں نے شہرت حاصل کی۔ ان میں یہ لوگ نمایاں تھے۔

(۱) جنرل ناوارینی (          )

(۲) جنرل مینکلی (          )

(۳) جنرل ایمبروسو (          )

(۴) جنرل گلوریا (          )

## انگریز جرنیل

برطانیہ میں عظیم سپہ سالاری کی کبھی کمی نہیں رہی۔ ہر بڑی جنگ کی طرح اس جنگ میں بھی برطانیہ نے بعض اس پایہ کے سپہ سالار پیدا کئے ہیں جن کا نام

تاریخ نے اپنے صفحات میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کرلیا ہے۔ فیلڈ مارشل ویول۔ فیلڈ مارشل منٹگمری۔ فیلڈ مارشل الیگزینڈر۔ فیلڈ مارشل آکنلیک۔ فیلڈ مارشل سلم۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غیر فانی سپہ سالاروں کی اس مایہ ناز فہرست میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔ یہ اُن خوش نصیب قائدینِ جنگ میں سے ہیں جن کو کم و بیش رومیل کی طرح سے افسانوی قبولیت حاصل ہوئی۔

ان کے علاوہ فیلڈ مارشل ایلن بروک۔ جنرل سرجان ڈل۔ جنرل لارڈ گورٹ۔ جنرل گاٹ۔ جنرل ہنری میٹ لینڈ ولسن۔ جنرل پرسیول (ملایا) جنرل گیفرڈ۔ جنرل رچی۔ جنرل پلاٹ (سوڈان)۔ جنرل راب فیلڈ مارشل جان ھارڈنگ۔ جنرل آیورلیس۔ جنرل رونلڈ ایڈم۔ جنرل ھاروک (HARROCK) جنرل سٹاپفورڈ۔ جنرل ڈیمپسی مائلز۔ جنرل کنگھم۔ جنرل کلوپر۔ جنرل مکریری۔ جنرل ادکانر اور صفِ اوّل کے بعض دوسرے جرنیلوں نے بھی بڑا نام پایا اور صرف نام ہی نہیں پایا بلکہ جنگ کی قائدانہ روایات کو نیا آب و رنگ بھی عطا کیا۔

برٹش انڈین آرمی کے جرنیلوں میں سے اگرچہ آکنلیک کے سوا کوئی دوسرا جرنیل کسی پوری آرمی یا پورے محاذِ جنگ کی کمان پر تو فائز نہ ہو سکا اور خود آکنلیک کو بھی برٹش انڈین آرمی کی وابستگی کی بنا پر بعض افسوسناک تلخیوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ڈویژن اور کور کمانڈر کے درجہ تک سابق برٹش انڈین آرمی نے کئی ایسے جرنیل مہیا کئے ہیں جو جنگ کے بہترین سپہ سالاروں میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے جنرل فرینک میسروی۔ جنرل گریسی۔ جنرل بوچر۔ جنرل ہیتھ۔ جنرل ڈوڈلے رسل۔ جنرل برگز۔ جنرل ریس۔ جنرل ٹکر۔ جنرل لاک ہارٹ جنرل ریڈ۔ جنرل ہانسرگ اور جنرل کرسٹن کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ✽

# جاپانی جرنیل

مشرقِ بعید کی جاپانی کمان کا سپہ سالارِ اعلیٰ فیلڈ مارشل کاؤنٹ ٹروچی تھا جس کا ہیڈ کوارٹر سیگاؤں میں تھا۔ ذیلی سپہ سالاروں میں مندرجہ ذیل جرنیل قابلِ ذکر تھے۔

۱۔ لفٹیننٹ جنرل ناگانو (جاوا)

۲۔ لفٹیننٹ جنرل ناکامورا (جاوا)

۳۔ لفٹیننٹ جنرل یاماشیٹا (ملایا)

۴۔ لفٹیننٹ جنرل اٹاگاگی (سنگاپور)

برما کی جاپانی مہم کے نامور جرنیل یہ تھے :۔

۱۔ لفٹیننٹ جنرل حنایا (چیف آف سٹاف)

۲۔ لفٹیننٹ جنرل کیمورا ( )

۳۔ لفٹیننٹ جنرل ٹناکا ( )

۴۔ لفٹیننٹ جنرل ہرتھا ( )

۵۔ لفٹیننٹ جنرل کاٹامورا ( )

۶ میجر جنرل حمارا ( )

۷۔ میجر جنرل نمادا ( )

۸۔ میجر جنرل یوشیدا ( )

۹۔ میجر جنرل یاماگوچی ( )

۱۰۔ ایڈمرل سباٹو ( )

۱۱۔ لفٹیننٹ جنرل اداچو ( )

## فرانسیسی جرنیل

اس جنگ کے نامور فرانسیسی سپہ سالاروں میں فیلڈ مارشل گیملن۔ فیلڈ مارشل دیگان۔ فیلڈ مارشل پیٹاں۔ جنرل ڈی گالے۔ جنرل جیراڈ۔ جنرل جوئن۔ جنرل کوئٹس۔ جنرل بارے۔ جنرل نوگس۔ جنرل بوساں اور ایڈمرل ڈارلان نے شہرت حاصل کی۔

# پیغامات

## چڑھتا ہوا سورج

امپھل (آسام) کی لڑائی میں جاپانی کمانڈر جنرل ساکورائی (Sakurai) نے ذیل کا "آرڈر آف ڈے" جاری کیا تھا۔

"تم ایک ناقابلِ تسخیر فوج ہو۔ ہندوستان پر چڑھتے ہوئے سورج کا پرچم لہرانے کا دن اب دور نہیں ہے۔ ہندوستان کے لوگ جاپانیوں کی بدولت غلامی سے نجات پانے کے لئے تمہارے منتظر ہیں۔ گذشتہ چھ مہینے سے تم جو مشکلات اٹھا رہے تھے وہ اسی وقت اور اس معرکے کے لئے تھیں۔"

## آئزن ہاور کا پیغام

یورپ کے ساحل پر حملہ آور ہونے سے قبل سپہ سالارِ اعلیٰ جنرل آئزن ہاور نے مندرجہ ذیل پیغام اپنی فوجوں کے نام جاری کیا تھا:۔

"آپ عنقریب اس لڑائی میں کودنے والے ہیں جس کے لئے گذشتہ اتنے مہینوں سے ہم کوشاں تھے۔ دنیا کی آنکھیں اس وقت آپ پر لگی ہوئی ہیں۔ حریت پسند انسانوں کی آرزوئیں اور دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اپنے ان بہادر ساتھیوں کے اشتراکِ عمل کے ساتھ جو دوسرے محاذوں پر سرگرمِ کار ہیں آپ جرمن فوج اور نازی ظلم و تشدد کو مٹا کر یورپ کی نجات اور خود اپنی آزادی کے استحکام کا موجب بننے والے ہیں۔

آپ کا کام آساں نہیں ہے۔ غنیم تربیت یافتہ اور کیل کانٹے سے لیس ہے۔ تجربہ کار بھی ہے۔ وہ یہاں وحشیوں کی طرح لڑے گا۔ مگر اب ۱۹۴۴ء طلوع ہو چکا ہے۔ ۱۹۴۰ء۔ ۴۱ کی جرمن کامرانیوں کا زمانہ بیت چکا۔ اتحادی قومیں جرمن قوت کو کھلے مقابلوں میں عظیم و فیصلہ کن شکستیں دے چکی ہیں۔ ہمارے فضائی اقدامات دشمن کی قوت کو ہوا اور زمین دونوں جگہ کچل چکے ہیں۔ وطن میں

ہمارے قومی محاذ پر سازوسامان۔ گولہ بارود اور تربیت یافتہ سپاہیوں کے لامحدود وسائل ہماری پشت پر ہیں۔ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا ہے۔ دُنیا کے آزاد انسان شانہ بشانہ آخری فتح کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

## منٹگمری کے پیغامات

اسی موقع پر جنرل منٹگمری نے ذیل کا پیغام دیا۔

"اس عظیم الشان موقع پر میں اتحادی فوج کے ہر سپاہی کی خوش بختی کے لیئے دُعا کرتا ہوں۔

ہمارے واسطے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ آزادی کی خاطر —— اس بھرپور جد وجہد میں حصہ لینے کے لیئے جو تاریخ میں لازوال رہنے والی ہے ہمیں منتخب کیا گیا ہے۔ ہمارے سامنے ایک عظیم اور نیک مقصد ہے۔ آؤ ہم دُعا کریں کہ خداوند کریم و برتر کی تائید اس لڑائی میں ہمارے ہتھیاروں کے شامل حال ہو۔ میں ہر سپاہی کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اس محاربہ میں اپنی کامیابی پہ پورا اعتماد ہے۔ ایک مشہور سپاہی کا قول ہے :-

"جو آدمی جیت یا ہار کے لیئے قسمت کو آزماتا نہیں وہ یا تو قسمت سے بہت زیادہ خائف ہے یا اس کے صحرا ہمت ہی چھوٹے ہیں"۔

خوش قسمتی تمہارے ساتھ ہو۔ جاؤ۔ یورپ کے میدانوں میں اپنے شکار کی تلاش میں پھیل جاؤ۔

اٹلی میں افریقہ کی فاتح مشہورِ عالم آٹھویں فوج کو الوداع کہتے ہوئے منٹگمری نے ذیل کا پیغام دیا تھا۔

"........ میں آپ کو انتہائی افسوس سے بتاتا ہوں کہ آٹھویں فوج سے میرے جُدا ہونے کا وقت آگیا ہے۔ مجھے اب انگلستان میں برطانوی فوجوں کی کمان سنبھالنے کا حکم ملا ہے۔

یہ جدائی میرے لئے جو معنی رکھتی ہے۔ میں اس کے اظہار سے قاصر ہوں میں ان افسروں اور جوانوں سے بچھڑ رہا ہوں جو گذشتہ مشکل و سنگین مگر کامیاب و کامگار یلغاروں میں میرے ساتھی تھے۔ اور جنکی شجاعت و فرض شناسی کی میرے دل میں بجید قدر ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس عظیم الشان فوج کی جلیل القدر صفوں میں۔ میں بہت سے دوست چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں نہیں جانتا آپ میری جدائی کو محسوس کرینگے یا نہیں، مگر میں آپ کی جدائی کو اس شدت سے محسوس کروں گا کہ میں واقعی بیان نہیں کر سکتا۔

ہم نے جتنے معرکے بھی ایک ساتھ لڑے ہیں کسی ایک میں بھی ہم ناکام نہیں رہے۔ جو مہم ہمارے سپرد ہوئی ہم سر کرتے چلے گئے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ کامیابی آپ ——— افسروں اور سپاہیوں کی فرض شناسی اور تعاون کا نتیجہ تھی۔ میں تنہا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اس کا نتیجہ میرے اور آپ کے درمیان ایک باہمی اعتماد کی صورت اختیار کر گیا ہے اور کمانڈر اور فوج کا باہمی اعتماد ایک بیش قیمت موتی ہے۔

دل بھاری ہو تو کلام دشوار ہو جاتا ہے۔ صرف اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ بھی ہے اس کو تمہیں نے بنایا ہے ——— اس کا نام دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا ہے ——— اس کے اچھے نام اور بلند روایات کو زندہ رکھو!"

یکم جنوری ۱۹۴۴ء کو مسٹر چرچل نے فیلڈ مارشل منٹگمری کی آٹوگراف کی کتاب میں ذیل کے الفاظ لکھے :-

"قاہرہ کے دروازے سے چل کر۔ افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ بڑھتی اور پھر سسلی میں سے ہوتی ہوئی آٹھویں فوج کی غیر فانی پیش قدمی اب اپنے فیروزمند سپاہیوں کو روم کے دروازے پر لے آئی ہے۔ منظر بدل کر بہت وسیع ہو چکا ہے۔ ایک عظیم کام کی تکمیل نے ایک دوسرے عظیم فرض کی تکمیل کے امکانات سامنے کر دئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ جذبہ ہمیشہ کامران رہے گا۔

## مسٹر چرچل کی تقریر

سقوطِ سنگاپور کے فوراً بعد مسٹر چرچل نے برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے ایک یادگار تقریر کی تھی۔ ملایا اور سنگاپور کا نقصان برطانیہ کے لئے اس جنگ کا عظیم ترین المیہ تھا۔ برطانوی رائے عامہ اور بالخصوص پارلیمنٹ میں مسٹر چرچل کے خلاف شدید جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن اس تقریر کے بعد جب رائے شماری ہوئی تو ۴۶۴ ووٹ مسٹر چرچل کے حق میں نکلے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اظہارِ اعتماد کے لئے یہ سب سے بڑی اکثریت ہے جو زمانۂ جنگ میں بالخصوص شکست و ناکامی کے تاریک دور میں کسی وزیر اعظم کو کبھی نصیب ہوئی ہے۔

ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ اس موقع پر مجھے ایوان کا اعتماد حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ رفتارِ جنگ پر بحث و تبصرہ کے لئے تین دن وقف کر دئے گئے ہیں۔ ہر رکن کو پوری آزادی ہے کہ وہ موجودہ حکومت یا اس کے ارکان کے خلاف جو کچھ محسوس کرتا ہے، صاف صاف کہدے۔ کیا آپ اس سے زیادہ آزادی کی توقع کر سکتے ہیں؟ کیا جمہوریت کا اس سے بلند تر اظہار کہیں ممکن ہے؟ بہت کم ملک ہونگے جو اس طرح زندگی اور موت کی کشمکش میں سے گزر رہے ہوں اور پھر آزادیٔ اظہارِ خیال کی اتنی آزادی انہیں میسّر ہو؟۔

......اس عرصہ میں بہت سے واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ آخری خبر مشرق بعید سے متعلق ہے۔ ابھی اور بہت سے واقعات رونما ہوں گے۔ اس "بدخبری" میں ہم سے غلطیاں بھی ہوئی ہونگی کہ ایسے تباہ کن واقعات غلطیوں کے بغیر رونما نہیں ہو سکتے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ واقعات سمندر کی لہروں کی طرح ہماری طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے آپ کے اعتماد کی

ضرورت ہے۔ میں ایوان سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ دو چیزوں پر اصرار کرے گا۔

(۱) پوری آزادی سے بحث

(۲) ووٹ کے استعمال میں کامل دیانتداری۔

پھر ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم کہاں ہیں؟ بیرونی ملکوں میں ہمارے دوستوں اور دشمنوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہم کہاں ہیں؟

اگر کوئی آنریبل ممبر عوام کے مفاد میں حکومت توڑے جانے کا مطالبہ کرنا چاہتا ہو تو وہ بڑی صفائی سے ایسا کہہ سکتے ہیں۔

میں نے مستقبل کے متعلق پیش گوئی کرنے کی کبھی جرأت نہیں کی۔ میرا پیغام اب بھی وہی ہے۔ یعنی۔ خون۔ محنت اور پسینہ۔ اس میں اب آپ میری کوتاہیوں۔ غلطیوں اور ناکامیوں کو بھی شامل کر لیں۔ مگر اس کے باوجود اگر میں اس وقت ایوان سے اعتماد کا مطالبہ کر رہا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے بادلوں کے پیچھے روشنی کی شعاعیں نظر آ رہی ہیں۔"

## نسل کی عزّت

سنگاپور کی لڑائی نازک ترین ساعتوں میں سے گزر رہی تھی۔ ۱۰ر فروری ۴۲ ۱۹ء کو مسٹر چرچل نے کمانڈرِ اعلیٰ جنرل ویول کے نام ذیل کا پیغام بھیجا۔

"میں سمجھتا ہوں آپ ان احساسات سے بخوبی واقف ہیں جن کے ساتھ ہم سنگاپور کے واقعات کو دیکھ رہے ہیں۔ چیف آف امپیریل جنرل سٹاف کی اطلاع کے مطابق پرسیول (کمانڈر ملایا کمان) کے پاس ایک لاکھ سپاہی موجود ہیں جن میں سے ۳۳ ہزار انگریز ہیں۔ میرے خیال میں جاپانیوں کے پاس اتنی فوج نہیں ہوگی۔ گویا تعداد میں ہم ان سے زیادہ ہیں۔

اس موقع پر اپنے سپاہیوں کو بچانے یا شہر کو بچانے کا کوئی خیال دامنگیر نہ ہونا چاہیئے۔ لڑائی آخری ساعت تک لڑی جائے۔ اٹھارھویں ڈویژن کے

کے لیئے یہ ایک موقع ہے کہ وہ تاریخ میں اپنے لئے ایک بلند مقام حاصل کرلے کمانداروں اور سنیئر افسروں کو اپنے سپاہیوں کے دوش بدوش میدانِ جنگ میں کام آجانا چاہیئے۔ اس وقت برٹش فوج کا وقار خطرے میں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کسی لغزش، کسی کمزوری کو معاف نہیں کرینگے۔ یہ ہمارے ملک اور ہماری نسل کی عزت اور شہرت کا سوال ہے۔"

## مارک کلارک

اٹلی میں چوتھا۔ آٹھواں اور دسواں انڈین ڈویژن امریکی سپہ سالار جنرل مارک کلارک کی کمان میں بھی لڑتے رہے تھے۔ لڑائی کے خاتمہ پہ جنرل کلارک نے ان ڈویژنوں کی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"جنگ میں ان ڈویژنوں کے کارنامے لائق تحسین ہیں۔ ایک طاقتور دشمن کے مقابلے میں اور ایک ایسے علاقے میں جو جغرافیائی لحاظ سے دشمن کی مدافعانہ جنگ کے لئے بحد سازگار تھا۔ یہ سپاہی بڑی کامیابی سے مصروفِ کارزار رہے۔ کوئی رکاوٹ انہیں زیادہ عرصہ تک روک سکی نہ ان کے حوصلوں کو پست کرسکی۔

.... کسینو کے معرکوں۔ روم کی فتح۔ ارنو کی وادیوں اور فلورنس کی تسخیر کے سلسلہ میں ان کا نام ہمیشہ لیا جائے گا۔ میں ان تینوں عظیم ڈویژنوں کے بہادر سپاہیوں کو سلام کرتا ہوں۔"

## رومیل کی تقریر

فیلڈ مارشل رومیل اگرچہ تقریریں کم کرتا تھا مگر ۱۹۴۲ء کے موسمِ بہار میں جب ٹیونس کی فیصلہ کن لڑائی جاری تھی اور جنگ کا پانسہ اتحادیوں کے حق میں پلٹ رہا تھا۔ رومیل نے اپنی فوج کو براہِ راست مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

اگر ٹیونس ہمارے ہاتھ سے چلا گیا تو سمجھ لو کہ افریقہ میں ہمارے دن ختم ہو گئے۔

رومیل ان دنوں بیمار تھا اور سپاہیوں کو خطاب کرنے کے لئے خاص طور پر ہسپتال سے میدانِ جنگ میں آیا تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ جرمن سپاہیوں پر رومیل کی تقریر کا زبردست اثر پڑا اور اگرچہ وہ آٹھویں فوج کی یلغار کو روک نہ سکے مگر اس بے جگری سے لڑے کہ یہ معرکہ افریقہ کے شدید ترین معرکوں میں شمار ہوتا ہے۔

## ہٹلر کی تقریر

۲۸ دسمبر ۱۹۴۴ء کو ہٹلر نے اپنے تمام اعلیٰ سپہ سالاروں اور ڈویژن کمانڈروں کو برلن میں جمع کر کے ان کے سامنے ذیل کی تقریر کی تھی۔ یہ تقریر ہٹلر کی بہترین اور یادگار تقریر سمجھی جاتی ہے:-

".... اس وقت جرمنی کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ آیا جرمنی زندہ باقی رہنا چاہتا ہے یا نہیں۔ یہ جنگ سیاسی مسائل۔ جغرافیائی حدود۔ یا طرزِ حکومت وغیرہ ہی کا فیصلہ نہیں کرے گی۔ جرمنی کی زندگی کا فیصلہ بھی کر دے گی۔ ہمارے دشمنوں کی فتح تمام یورپ کو کمیونزم کے آغوش میں پھینک دیگی اور جرمنی کے لئے کمیونزم کے جو معنی ہیں آپ سب اس سے واقف ہیں۔ گذشتہ واقعات کے برعکس یہ محض طرزِ حکومت ہی کی تبدیلی کا نام نہیں۔ طرزِ حکومت تو ایک تبدیل ہونے والی چیز ہے۔ آپ کی زندگی ہی میں کئی طرز کی حکومتیں آئیں اور چلی گئیں۔ مگر یہاں تو سرے سے حیاتِ قومی کا سوال ہے۔ ہماری زندگی اور موت کا سوال۔ جوہرِ حیات کو باقی رکھا جائے یا اسے تباہ ہونے دیا جائے؟ ــــ جوہرِ حیات؛ جس کے مٹ جانے سے قوم مٹ جاتی ہے۔

یہ کشمکش جو اب جاری ہے دراصل زندگی کے دو نظریوں کا تصادم

ہے۔ ایسی آوزیزش مدتوں تک جاری رہتی ہے یہ فریڈرک اعظم کے زمانے کی کوئی لڑائی نہیں۔ فریڈرک اعظم کے وقت یہ سوال تھا کہ جرمنی کس طرح یورپ کی ایک اہم وعظیم قوت بن سکتا ہے۔ اب جرمنی کو ایک عظیم یورپی قوت کی حیثیت سے اپنی اہمیت منوانے کی ضرورت نہیں رہی۔ جرمنی اس وقت اپنی زندگی کے واسطے لڑ رہا ہے۔ اس جنگ کے فیصلے پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے۔ شکست کی صورت میں جرمنی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ جرمنی کے بعض علاقے جرمنوں سے خالی کرالئے جائیں گے۔

آپ چرچل کو پارلیمنٹ میں یہ کہتے ہوئے سُن چکے ہیں کہ جنوبی پرشیا پومرانیا۔ اور سیلیشیا کے بعض علاقے پولینڈ کے حوالے کر دئے جائیں گے اور وہ پھر روس کے ساتھ حصہ بخرا کرلیگا۔ اس صورت میں تقریبًا سوا کروڑ جرمنوں کو اپنا گھربار چھوڑنا ہوگا۔ یہ ایک ممتاز سیاستدان کا سوچا سمجھا ہوا بیان ہے۔ آج سے کچھ مدت پہلے ممکن ہے کہ ہم اسے محض پروپیگنڈا سمجھتے لیکن اب ہم جانتے ہیں کہ یہ بیان سرکاری حیثیت اور ذمہ داری رکھتا ہے۔ اگرچہ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ خاتمہ جنگ کے بعد یقینًا یہی کچھ ہوگا کیونکہ جرمنی کی شکست کی صورت میں برطانیہ اس قابل نہیں رہے گا کہ وہ کمیونزم کو کہیں بھی روک سکے۔ اگر چرچل یہ سمجھتا ہے کہ وہ بالشویزم کو یورپ میں کہیں روک سکے گا تو یہ اس کی خوش فہمی ہے۔ بالشویزم کو نہ امریکہ روک سکتا ہے نہ برطانیہ۔ تاہم وہ تنہا ملک جس کی قسمت کا قطعی فیصلہ اس جنگ پر موقوف ہے، جرمنی ہے۔ ہم یا تو زندہ رہیں۔ یا شکست کی صورت میں، مکمل تباہ ہو جائیں گے۔

مگر میرے ان جملوں کے یہ معنی ہرگز نہ لئے جائیں کہ میں جنگ کے انجام کی طرف سے مایوس ہو گیا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کا راستہ خود پیدا کیا ہے میں شکست کے لفظ سے ناواقف ہوں۔ میں سخت ترین آزمائشوں میں سے گذر چکا ہوں۔ ان جملوں سے صرف یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ میں جو اس شدت

دیوانگی کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا حامی ہوں تو کیوں ہوں؟ اور کیا وجہ ہے کہ کوئی چیز مجھے ہراساں یا بددل نہیں کرنے پاتی؟ مجھے کوئی چیز لڑتے۔ لڑتے جانے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ جب تک جنگ کا پانسہ ہمارے حق میں پلٹ نہیں جاتا۔ میں برابر لڑے جاؤں گا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں ان معاملات پر خالص فوجی اعتبار سے بھی غور کرنا چاہیئے۔ تاریخ اس سوال کے جوابات سے بھری پڑی ہے۔ روم کی مثال دیکھئے۔ کینے ( Cannee ) کی لڑائی کے بعد جب فوجی مدافعت کے لحاظ سے روم بظاہر ختم ہو چکا تھا۔ جب سارے حلیف اور دوست چھوڑ چکے تھے۔ روم کی محافظ فوج تک نیست ونابود ہو چکی تھی۔ اور دشمن روم کے دروازے پر کھڑا تھا محض سینٹ کی مردانہ وار مدافعت کی وجہ سے روم بچ گیا۔ یہ غیر متزلزل قیادت کا معجزہ تھا۔ خود جرمنی کی تاریخ میں سات سالہ جنگ کو لیجیئے۔ تیسرے ہی سال میں بصیرت جنگ کے نزدیک جنگ ہاری جا چکی تھی۔ اور عام انسانی سوجھ بوجھ کے مطابق واقعی کامیابی کا کوئی امکان نظر نہ آتا تھا۔ پونے چار لاکھ جرمن پورے یورپ کے سوا پانچ کروڑ باشندوں کے خلاف نبرد آزما تھے۔ مگر با ایں ہمہ دنیا نے دیکھا کہ میدان جرمنوں کے ہاتھ رہا۔

یاد رکھئے دشمن بھی خون اور گوشت کا بنا ہوا عام آدمی ہوتا ہے۔ اس کے بھی اعصاب ہیں اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ ہماری طرح اپنی موت وحیات کے لئے لڑ رہا ہو۔ مثلاً اگر برطانیہ اس جنگ میں ہار ہو جائے تو یہ اس کے لئے کچھ ایسی فیصلہ کن شکست نہیں ہو گی اسے جو نقصان پہنچنا تھا۔ پہنچ چکا۔ امریکہ کو بھی کوئی خاص سیاسی یا نسلی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ مگر جرمنی کی زندگی کا سوال اس سے وابستہ ہے۔ یہ بات آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ آپ موجودہ دور اور ۱۹۱۸ء کے جرمن نوجوان کا تقابل کر کے دیکھئے اُس وقت کے شہروں اور آج

کے شہروں کا موازنہ کیجئے۔ آج پوری جرمن قوم متحد و غیر متزلزل ہے۔ ۱۹۱۸ء میں جرمنوں نے بلا وجہ ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

فوجی صورتِ حال کیا ہے؟ دُنیا کی بڑی بڑی لڑائیوں میں اس سے بھی زیادہ نازک حالات پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اس وقت تو ہم جرمنی اور بعض ملحقہ علاقوں کی دفاعی جنگ لڑ رہے ہیں۔ جرمنی سے بھی زیادہ رقبہ ہمارے ہاتھ میں ہے اور ہماری فوج بھی صفحۂ زمین کی مضبوط ترین قوت ہے۔ روس۔ برطانیہ اور امریکہ ہمارے خلاف صف آرا ہیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اکیلے اکیلے ہم ان تینوں کو آسانی سے ختم کر سکتے تھے تاہم جرمن فوج اور جرمن لوگوں پر ہم بھروسہ کر سکتے ہیں۔

حرب و ضرب کے معاملے میں (فرانس کی طرف) مغربی محاذ پر ہم اب مدافعت ترک کر کے جارحانہ کارروائیاں کر رہے ہیں۔ کیونکہ اب دھاوا پیش قدمی ہی جنگ کا پانسہ پلٹ سکتے ہیں۔ دفاعی اسلوبِ جنگ میں گھٹ کر رہ جانے کا اندیشہ ہے۔ دھاوے میں اتنا جانی نقصان نہیں ہوتا جتنا کہ اکثر لوگ عموماً سمجھتے ہیں۔ یہ نظریہ غلط ہے کہ دھاوا ہر حالت میں دفاع کی نسبت مہنگا پڑتا ہے۔ ہم اس بات کا خود تجربہ کر چکے ہیں۔ ہم نے آج تک جتنی دفاعی لڑائیاں لڑی ہیں وہ بہت زیادہ خوں ریز ثابت ہوئی ہیں۔ اس کے برعکس دھاوے یا حملے میں ہم ہمیشہ فائدے میں رہے۔ نئے پیش نظر حملے کے بارے میں بھی میری رائے یہی ہے۔ بدقسمتی سے اگرچہ نئے حملے سے متوقع نتائج پورے نہیں ہو سکے تاہم ہماری حالت کافی بہتر ہو گئی ہے۔ اس حملے نے دشمن کے تمام منصوبے درہم برہم کر دئے ہیں۔ وہ اپنی تمام فوجوں کو نئے سرے سے ترتیب دینے اور تھکی ماندی پلٹنوں کو صف اوّل میں جھونکنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس کی جنگی چالیں اُکھڑ گئی ہیں۔ دشمن ملکوں میں قومی لیڈروں پر جرح و تنقید کا لب و لہجہ تیز و تلخ ہوتا جا رہا ہے۔ ذہنی طور پر دشمن

سخت پریشان ہے۔ وہ خود اعتراف کر چکا ہے کہ اگست سے پہلے پہلے بلکہ شاید اگلے سال کے اختتام تک جنگ کے ختم ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ دو ہفتے قبل یہ صورت نہ تھی۔ یہ سب محض ایک جارحانہ کارروائی کا نتیجہ ہے جس میں ابھی ہمارے بہت سے ڈویژن شریک بھی نہیں ہوئے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ دفاعی جنگ ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ دشمن کا جانی نقصان کم ہوگا۔ سازوسامان کے لئے ہماری ضرورت بڑھ جائیگی۔ رفتہ رفتہ ہمارے ذرائع آمدورفت محدود ہو کر رہ جائیں گے۔ حالات ایسے ہیں کہ دشمن کا نقصان کم ہوگا اور ہمارا زیادہ۔ جنگ پر اس کا ناگوار اثر پڑنا یقینی ہے۔ نیا بڑا حملہ ایک زبردست دھاوے۔ یلغار کی صورت میں ہوگا۔ یہ چیز ہمارے وسائل سے بعید نہیں۔ یہ درست ہے کہ ہمارے بعض ڈویژن تھکے ماندے ہیں۔ مگر دشمن بھی کچھ تازہ دم نہیں ہے۔ عموماً کہا جا رہا ہے کہ سپاہیوں کو آرام کا وقفہ دینا چاہیئے۔ صاحبان۔ موجودہ زمانہ حرکت ورفتار کا زمانہ ہے۔ آجکل رفتار ہی سب کچھ ہے۔ اگر اس وقت ہم نے دشمن کو حواس درست کرنے کی مہلت دے دی تو کامیابی کے نصف امکانات جاتے رہیں گے۔ ہمیں ۱۹۱۸ء کے واقعات سے سبق لینا چاہیئے۔ ۱۹۱۸ء میں مختلف حملوں کے درمیانی وقفے بہت طویل ہوتے تھے۔

"تیاری کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے۔ مجھے اس قصے میں پڑے اب گیارہ برس ہو چکے ہیں۔ میں ہمیشہ یہی دیکھتا آیا ہوں کہ اگر "نیوی" تیار ہے تو "آرمی" تیار نہیں۔ "آرمی" تیار ہے تو "ائر فورس" کو مہلت چاہیئے۔ بہرحال اب تو ہمیں یہ بات جان لینی چاہیئے کہ ان حالات میں ہم کسی کام کے لئے کبھی بھی "پورے تیار" نہیں ہو سکتے۔ ہمارے پاس بے اندازہ وقت نہیں ہے وقت اور واقعات ہمارا انتظار نہیں کرینگے۔

اس حملے نے جرمنوں کے لئے زیادہ آزادی کے ساتھ سانس لینے کی

گنجائش پیدا کر دی ہے۔ ہمیں اس گنجائش کو مزید وسعت دینی ہے محض اسی خیال سے کہ ہم دھاوا کر رہے ہیں۔ جرمن لوگ یکبارگی چمک اٹھے ہیں اور جب ہمیں کامیابی ہوگی۔ اور کیوں نہ ہوگی؟ جبکہ ۱۹۴۱ء میں روس کے مقابلے میں ہماری موجودہ حالت نسبتاً بہتر ہے ۔۔۔ تو پھر آپ دیکھیں گے کہ جرمن عوام بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کریں گے۔ میرا ایمان ہے کہ جرمنوں سے بہتر دنیا میں کوئی قوم نہیں ہے۔ حضرات میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ اس نئے حملے کو آپ دلی تعاون۔ سچی لگن۔ حب الوطنی کی بے پناہ تپش اور دل و دماغ کی پوری صلاحیتوں کے ساتھ کامیاب بنائیں۔ اس کی کامیابی ہماری کامیابی کی ضمانت ہوگی۔

آخر میں ایک بات اخفاء راز کے متعلق۔ مجھے توقع ہے کہ ہر وہ شخص جسے اس منصوبے کا علم نہیں ہونا چاہیئے اس راز سے بے خبر رہے گا۔ اور جس کے لئے اس کا علم ضروری ہے اسے صرف اسیقدر بتایا جائے گا جس قدر جاننا اس کیلئے واقعیً ضروری ہے۔ نیز یہ کہ جو شخص اس راز سے واقف ہے۔ اس کو کسی ایسے محاذ پر ہرگز نہ بھیجا جائے جہاں اس کے پکڑے جانے کا اندیشہ ہو۔

## ترقّی و سفارش

جو افسر ترقّی کے معاملہ میں خودغرضی سے کام لے وہ اعلیٰ مناصب کا اہل نہیں ہوتا۔

(آئزن ہاور)

---

جنرل جارج مارشل نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست سے (جو کسی دوست کی سفارش لے کر ان کے پاس پہنچے تھے) کہا:۔

"اگر تم واقعیً اس شخص کے دوست ہو تو میرے سامنے اس کا نام بھی نہ لو۔"

---

## عزم و حوصلہ

رومیل کی فوجیں طبروق میں دندنا رہی تھیں۔ اتحادی ملکوں پر غم واندوہ کی تاریک گھٹائیں چھا چکی تھیں۔ مگر چرچل اور روزویلٹ قاہرہ میں بیٹھے فتح کی باتیں کر رہے۔ آخری فتح کے بعد ایک دنیا کا خاکہ بنا رہے تھے۔ (آئزن ہاور)

"مسلسل کامیابی سے حوصلہ خود بخود بلند ہو جاتا ہے۔"

(آئزن ہاور)

جنگ ہو یا امن سپاہی کو ہر حالت میں سپاہی معلوم ہونا چاہیئے۔

(ڈوگلس میکارتھر)

## لڈل ہارٹ کے اقوال

(۱) اگر امن کی آرزو ہے تو فنونِ جنگ کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

(۲) مستقبل کی جنگ پر ایک سپاہی سے زیادہ ایک سائنس دان کی نظر سے غور کرنا ہوگا۔

(۳) کسی ملک کی خارجہ پالیسی اس ملک کی دفاعی سکیم کے تحت ہونی چاہیئے۔

(۴) محض تعداد کا نام فوج نہیں۔

(۵) جنگی منصوبے کا دارومدار واقعات و حالات پر ہونا چاہیئے۔ خواہشات و توقعات پر نہیں۔

## اسلوبِ جنگ

جنگ میں رفتار و حرکت کے نظریہ نے حرب و ضرب کا سارا اسلوب ہی بدل ڈالا ہے۔ (جرمن سپہ سالار گوڈرین)

## فیصلہ

اقدامی جذبہ و کارروائی کے بغیر جنگ جاری تو رہ سکتی ہے۔ جیتی نہیں جا سکتی۔
(فیلڈ مارشل رومیل)

## فوجی منصوبہ

ہر ملک کو اپنے باشندوں کے طور طریقوں اور عادات و خصائل کے مطابق جنگ لڑنی چاہیئے۔ بعض قوموں کا مزاج حملے کے لئے سازگار ہوتا ہے۔ بعض کا دفاع کے لئے۔
(گیوبرٹ جس کی کتاب نپولین میدانِ جنگ میں بھی اپنے ساتھ رکھتا تھا)

## منٹگمری کے اقوال

(۱) اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اس جنگ میں کامیابی کی سب سے بڑی وجہ کیا تھی تو میں جواب دوں گا "مورال"

(۲) "بلند مورال" ڈسپلن۔ عزتِ نفس اور اعتماد سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ اعتماد جو سپاہی کو اپنی ذات میں ہوتا ہے۔ اپنے کمانڈر میں ہوتا ہے۔ اپنے اسلحہ میں ہوتا ہے۔

(۳) متذبذبین کے لئے جنگ کی صف میں کوئی جگہ نہیں۔

(۴) سپاہی کو اتنا ہی کام دو جتنا کہ وہ کر سکتا ہو۔

(۵) ایک سپاہی کی حیثیت سے ہمیشہ یہ میرا اصول رہا کہ میں اپنی فوج کو پوری طرح اپنے اعتماد میں رکھوں۔ حملہ کرنے سے پہلے میں اس بات کا اطمینان کر لیتا تھا کہ میرے سپاہی اُس ڈھنگ سے خوب واقف ہو چکے ہیں جس کے ساتھ میں انہیں لڑوانا چاہتا ہوں۔ نیز جنگ کی "سکیم" میں جو حصہ انہیں ادا کرنا

ہے اُسے اچھی طرح جانتے ہیں۔

..... کامیابی۔ اعتماد حاصل کرنے کا موثر ترین ذریعہ ہے ..... ایک پرجوش قوم ہی ایک پُرجوش فوج پیدا کر سکتی ہے۔

..... جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کا موجود ہونا لازمی ہے۔

(۱) جنگ کی تکنیک سے واقفیت۔

(۲) بنیادی محرکات پر دائمی نظر

(۳) جسمانی اور ذہنی بےخوفی

(۴) متوازن قوتِ فیصلہ۔

(۶) تدبیر (Strategy) اور تزویر (Tactics) چاہے کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں بلند حوصلے (مورال) کے بغیر کامیابی مشکل ہے۔ مورال ایک بیش قیمت موتی ہے۔

## جارحانہ جذبہ

میدانِ جنگ میں سپاہی کو جسمانی اور افسر کو جسمانی اور ذہنی دونوں لحاظ سے معرکہ جُو (Agressive) ہونا چاہیئے۔

(لفٹننٹ جنرل گارٹن بینٹ)

## اچھا کمانڈر

کمانڈر کی حیثیت و صلاحیت کا اندازہ نتائج سے نہیں، اس بات سے لگانا چاہیئے کہ اُس نے کوشش میں تو کوئی کسر نہیں رکھی۔

(چرچل)

## وضاحت

کسی قسم کا بھی نظام ہو اس میں کسی نہ کسی کو حکم دینا ہوگا۔ اس حکم کو بحث وتمحیص کا موضوع نہ سمجھنا چاہیئے۔ حکم اس لئے دیا جاتا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ البتہ جہاں کہیں ممکن ہو اگر اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ ایسا حکم کیوں دیا گیا ہے تو یہ بہتر ہوگا۔۔۔۔ اپنے سپاہیوں کو اس چیز کا عادی بنائیے کہ وہ اس زنجیر کے ساتھ جس کا ایک حلقہ وہ خود بھی ہیں کسی قدر دُور تک دیکھ سکیں۔

(فیلڈ مارشل سر ولیم سلم)

## جمود

جمود اور قدامت پسندی فوج کے لئے سخت مضر ہیں۔

(جنرل میکارتھر)

## حُکم

ہمیشہ صاف۔ دو ٹوک اور با معنی حکم دو۔ سپاہی آپ کے ذہنی رجحان کو نہیں پڑھ سکتا۔۔۔۔۔ آپ اپنے حکم کی ذمہ داری میں شامل ہیں۔

(ریو ستر ملی تار۔ بولیویا)

فتح آسان پسپائی مشکل

## ہٹلر کے اقوال

(۱) وہ لوگ جو اڑھائی لاکھ مارک سے زیادہ روپیہ یا املاک رکھتے ہیں عموماً بزدل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جنگ وانقلاب کے مخالف ہوتے ہیں۔

(۲) جو ملک رقبہ میں چھوٹا ہے وہ دیر تک جنگ جاری نہیں رکھ سکتا چاہے اس کی آبادی کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔

(۳) جنگ میں وقت کی طرح واقعات بھی کسی کا انتظار نہیں کرتے۔

## جنرل فرانسس ٹکر

(۱) جنگ میں تجربہ کی قیمت پر دانائی حاصل کرنا ایک مہنگا سودا ہے۔

(۲) جنگ میں اگر ناگہانیت (Surprise) کا عنصر بروئے کار لانا ہے تو وہ بھرپور۔ مکمل اور زبردست ہونا چاہیئے۔

(۳) یہ معلوم کرنے کے لئے کہ زمانہ امن میں ایک فوج جس نہج کی تربیت پا رہی ہے زمانۂ جنگ میں وہ تربیت واقعی مفید و کارگر ثابت ہوگی۔ صرف ایک ذریعہ ہے۔ وہ یہ کہ نئے رجحانات۔ نئے خیالات اور نئی نئی تجاویز پر ہمیشہ۔ متواتر اور آزادانہ غور و فکر ہوتا رہے۔ کیونکہ امن کے زمانہ میں ہم اپنے "خوفناک ہتھیاروں" کو فی الواقع کسی دشمن کے خلاف استعمال نہیں کر سکتے۔

(۴) محصور ہو جانے والی فوج بالعموم تباہ ہو جاتی ہے۔

اس جنگ میں ایک بات ابھر کر سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ جدید

(۵) جنگ سرحدات کی جنگ نہیں۔ یہ جنگ ایک ملک کے اندرونی علاقوں سے دوسرے ملک کے اندرونی علاقوں میں لڑی جاتی ہے

(لفٹنٹ جنرل سر فرانسس ٹکر)

## جنگ

جنگ کا نام ہی مشکلات وخطرات کو دعوت دینا ہے۔

(فیلڈ مارشل لارڈ ویول)

## جاپانی جرنیل کی تقریر

جاوا میں جاپانیوں نے وسط اگست ۱۹۴۵ء میں ہتھیار ڈالے تھے۔ ہتھیار ڈالنے سے قبل جاوا کی جاپانی فوج کے کمانڈر لفٹنٹ جنرل ناگانو (Nagano) نے محب الوطن

انڈونیشی رضاکاروں کو جمع کر کے ذیل کی تقریر کی :-

"..... میرے عزیز افسرو اور سپاہیو ! میرے لئے یہ الوداعی تقریر بہت مشکل ہے - چار سال ہوئے حکومتِ جاپان نے ایشیا کی برتری اور ایشیائیوں کی سربلندی کے لئے اپنی فوج ان علاقوں میں بھیجی تھی - خود میری "سولھویں فوج" کو یہاں آئے تین برس ہو چکے - اس عرصہ میں انڈونیشی لوگوں نے ہمارے ساتھ جو تعاون ، اور سخت سے سخت حالات کا جس خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کیا ہے - جاپان ان واقعات کو ہمیشہ شکر گذاری کے ساتھ یاد رکھے گا - میں اپنی طرف سے اور اپنے افسروں کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں -

..... بین الاقوامی حالات اور وحشیانہ ایٹم بم کی تباہ کاریوں کے باعث ہمارے شہنشاہ اتحادیوں سے گفتگوئے صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں - افسوس کہ حالات اس رُخ پر آ گئے - ہمیں انڈونیشیا کے لوگوں کے ساتھ جو ایشیا کی آزادی کے واسطے ہمارے دوش بدوش مصائب کا سامنا کرتے رہے ہیں ، دلی ہمدردی ہے - مجھے آپ سے ہمدردی ہے - میری آنکھوں میں اس وقت آپ کے لئے اشکوں کا ایک طوفان امنڈا چلا آ رہا ہے - میری دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں -

(انڈونیشیا کا جنم از ڈیوڈ ویل)

## فیلڈ مارشل موڈل

۴ ستمبر ۱۹۴۴ء کو جب بلجیئم میں انٹورپ کا معرکہ قتال گرم تھا اور جرمنوں کی حالت سخت ابتر ہو رہی تھی جرمن سپہ سالار فیلڈ مارشل موڈل نے اپنی فوج کے نام ایک پیغام میں کہا :-

..... میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم پر یہ بہت ہی نازک وقت آن پڑا ہے - اس وقت ہمارا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ ہم فیوہرر (ہٹلر) کو نئی فوج اور نئے ہتھیار بہم پہنچانے کے لئے وقت مہیا کریں -

——— نئی فوج اور نئے ہتھیار ضرور آئیں گے۔ بہادر سپاہیو! ابھی فیوہرر کو یہ مہلت مہیا کرنی ہے۔"

## انگریز سپاہی

جون ۱۹۴۳ء میں فیلڈ مارشل ویول جب ہندوستان کے وائسرائے مقرر ہوئے تو ایک پیغام میں انگریز سپاہی کے متعلق انہوں نے کہا:-

"...... میں اس مراسلہ میں انگریز سپاہی کو خراجِ تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں۔ گذشتہ جنگوں کی طرح اس جنگ میں بھی اُس نے ثابت کر دیا کہ وہ دنیا کا بہترین سپاہی ہے۔ اس نے اتنی فتوحات حاصل کی ہیں کہ اپنی فتح کے متعلق اسے کبھی کوئی شبہ ہی نہیں ہوتا ——— فتح کے راستے میں وہ اتنی تباہیوں اور شکستوں کا سامنا کر چکا ہے کہ کوئی ناکامی اس کا حوصلہ پست نہیں کر سکتی۔ اس نے صحراؤں۔ جنگلوں۔ میدانوں پہاڑوں نئے حالات اور نئے ہتھیاروں میں حیرت انگیز مفاہمت۔ حوصلے اور تحمل کا مظاہرہ کیا ہے۔

...۔ سپاہی کی خصوصیت چاہے کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ کسی فوج کی قطعی اور آخری اہمیت کا دارومدار اس کے رجمنٹل افسروں کی قیادت و قابلیت پر ہوتا ہے۔ اور برٹش آرمی میں یہ قیادت اب بھی اُس کے شاندار سپاہیوں کے شایانِ شان ہے۔ مستقبل میں برٹش فوج کے افسروں کے انتخاب کا چاہے جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے مگر یہ بات ہمیشہ ملحوظ نظر رہے کہ لیڈر شپ کا موجودہ معیار اور افسر و ماتحت کے باہمی تعلقات کی موجودہ نوعیت برقرار رہے۔ (ہتھیار اور انسان)

## شہنشاہِ جاپان کا اعلانِ جنگ

شہنشاہِ جاپان ہیرو ہیٹو کے اعلانِ جنگ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:-

.... ہم شہنشاہ جاپان جو صدیوں سے جاپانی شہنشاہوں کی لڑی میں

سے ہیں۔ اللہ کے فضل وکرم سے اپنی وفادار رعایا کے نام ذیل کا فرمان صادر کرتے ہیں۔

ہم امریکہ اور انگلستان کے خلاف اعلانِ جنگ کر رہے ہیں۔ شاہی فوج بحریہ اور فضائیہ کے افسرو اور جوانو انتہائی مستعدی کے ساتھ جنگ میں کود جاؤ۔ ہماری حکومت تمہاری ضروریات کا ایمانداری کے ساتھ خیال رکھے گی۔ ایک ایک شخص اپنا فرض ادا کرے۔ پوری قوم، پوری قوت کے ساتھ اپنے نصب العین کی طرف بڑھتی جائے اور حصولِ مقصد کی راہ میں کوئی غلطی نہ ہونے پائے۔

جاپان جب تک خون اور فولاد کا راستہ نہ اختیار کرے گا مشرقی ایشیا کی مصیبت ختم نہیں ہو سکتی۔"

(سقوطِ سنگاپور از جنرل گارڈن بینٹ)

## جدید جنگ

(۱) موجودہ جنگ پوری قوم کی جنگ ہوتی ہے۔ جس میں پوری قوم کی پوری سیاسی اقتصادی۔ اور ذہنی قوتِ فیصلہ کن نتائج پیدا کرتی ہے۔

(۲) موجودہ جنگ میں اصل چیز تعداد نہیں "جوہر" ہے

(جرمنی جرنیل ہالڈر)

## میکارتھر

فوج کے لئے سب سے مشکل کام ایک ملک فتح کر کے اس پر تسلط قائم رکھنا ہے۔

(جنرل میکارتھر)

## اپنا تجربہ

ڈویژنل کمانڈر کی حیثیت سے میں معاملات پر اس طرح غور کرتا تھا کہ اگر

میں بریگیڈیئر ہوتا تو ان احکام پر کس طرح عمل کرتا؟ اور بریگیڈیئر کی کمان کرتے ہوئے بٹالین کمانڈر کے نقطہ نظر سے سوچتا تھا۔

...... جنگ میں سب سے زیادہ تشویشناک لمحات وہ ہوتے ہیں جب عملاً کچھ ہو نہیں رہا ہوتا مگر "بہت کچھ" ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔

(جنرل برگس)

## جنرل پیٹان کے اقوال

(۱) ایک اچھے سپاہی میں ضبط عزت نفس اور فرض شناسی کے جوہر کا ہونا لازمی ہے۔

(۲) ایک آدمی کو دوسرے آدمی کی اطاعت فطرتاً خوش نہیں آتی۔ سرشت کے اس رجحان پر ڈسپلن ہی سے قابو پایا جا سکتا ہے۔

(۳) اگر دلیر آدمی سے مراد ایسا آدمی ہے جو خوف سے ناواقف ہو تو میں نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ میرے نزدیک بہادر آدمی وہ ہے جو خوف کے علی الرغم اپنے آپ کو قائم رکھتا اور خطرے کے سامنے سینہ سپر رہتا ہے۔

(۴) جدید جنگ دفاعی انداز حرب سے نہیں جیتی جا سکتی۔ میں ذاتی طور پر مورچہ بندیوں کا قائل نہیں۔ خواہ مخواہ کی مشقت۔ بیکار تکان۔ لیکن اگر مورچے بنائے جائیں تو وہ درختوں کے نیچے نہ بنائے جائیں کہ بم جب درختوں سے آکر ٹکراتا ہے تو اس کے ٹکڑے سیدھے زمین پر آتے ہیں۔

(۵) توپچیوں کی پناہ گاہ توپ کے بالکل قریب ہونی چاہیئے۔ ہلاک ہونے کا اندیشہ ہر حالت میں مساوی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ توپ چلتی رہے۔

(جنرل جارج پیٹان)

## رومیل کے اقوال

(۱) سپاہی کی بہترین خدمت اس کی عسکری تربیت ہے۔

(۲) سپاہی کو غلط توقعات کبھی مت دلاؤ۔ وہ سچ اور جھوٹ کی بُو سونگھ لیتا ہے۔

(۳) ایک اچھا کمانڈر صرف سٹاف کے ساتھ ہی نہیں اُلجھا رہتا بلکہ وہ کمان کی عملی جزئیات پر بھی گہری نظر رکھتا ہے۔ میدانِ جنگ میں وہ شطرنج کے کھیل کی طرح نہیں بڑھتا بلکہ میدانِ جنگ کی جغرافیائی جزئیات کا پورا پورا ذاتی علم رکھتا ہے ——— اور ——— اس کا دل سپاہی کے دل کے ساتھ ساتھ دھڑکتا ہے۔

(۴) جدید جنگ میں میدانِ کارزار میں پہلی گولی چلنے سے بھی پہلے فوج کا کوارٹر ماسٹر جنگ کا فیصلہ صادر کر دیتا ہے۔ جدید جنگ میں پٹرول اور گاڑیوں کے بغیر سپاہی اور ہتھیار دونوں بیکار ہیں۔

(فیلڈ مارشل رومیل)

دوسرے کے ساتھ مل کر لڑنے کی بہ نسبت دوسروں کے خلاف لڑنا کہیں زیادہ آسان ہے۔

(نپولین)

اٹلی کی شکست پر ہم نے اپنے سرفروشوں کی قبروں کی زمین کے علاوہ اٹلی سے کوئی اور مطالبہ نہیں کیا۔

(مارک کلارک)

## لارڈ ویول

(۱) واضح فضائی برتری کے بغیر حملہ کرنا خودکشی کرنا ہے۔

(۲) کمانڈر جتنا وقت دفتر سے باہر اپنے سپاہیوں کے ساتھ بسر کرے گا اتنا ہی اچھا ہے۔

(۳) جس سپہ سالار کو تقریر کرنے میں ملکہ حاصل نہ ہو اسے سپاہیوں کے سامنے تقریر نہیں کرنی چاہیئے۔ اس سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوگا۔

(۴) شاعر پیدا ہوتا ہے سپاہی بنایا جاتا ہے۔

(فیلڈ مارشل ویول)

# متفرقات

## ایک لطیفہ

ذیل کا لطیفہ عموماً میجر جنرل ریڈ ( Reid ) کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جنرل ریڈ سٹاف افسروں کے ہمراہ کہیں سے گذر رہے تھے کہ ایک مرا ہوا خچر راستے میں پڑا دیکھا جو کسی بارودی سرنگ سے ٹکرا گیا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر جنرل ریڈ نے کہا:۔

"یہ وہ خچر ہے جس نے اپنی زندگی میں دو جرنیلوں۔ چار بریگیڈیئروں۔ دس کرنیلوں بیس میجروں۔ تیس کپتانوں لاتعداد سپاہیوں اور ایک بارودی سرنگ کو دولتی ماری تھی۔"

## خدا پرستی کی وجہ

جنرل گوئن گینڈ ( Guin Gand ) یونان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

——— "یونان ایک نہایت غریب ملک معلوم ہوتا ہے معیارِ زندگی نہایت پست ہے۔ لوگ خدا و مذہب کی طرف بڑے مائل ہیں۔ ممکن ہے اس کی وجہ ان کی غریبی ہو۔"

## سب جائز

مسٹر چرچل افریقی محاذ پر منٹگمری کے پاس آئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے میس میں برانڈی موجود نہ تھی۔ ایک افسر کو فوراً اسکندریہ دوڑایا گیا مگر وہاں سے بھی ایک مقامی کشید کے سوا کچھ دستیاب نہ ہو سکا۔ ناچار یہی مقامی شراب بڑھیا لیبل کی بوتل میں ڈال کر مسٹر چرچل کو پلا دی گئی اور وزیر اعظم خوب چسکتے رہے۔

بعد میں جب انہیں اصل ماجرا سنایا گیا تو مسٹر چرچل نے کہا "محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔"

## بوتل کا معاوضہ

امریکی فوج میں سازوسامان کی فراوانی کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

ایک امریکی ڈویژن کے "ذخیرے" کا کوئی افسر ایک انڈین یونٹ میں آیا اور ہندوستانی افسر سے کہا کہ اگر وہ وسکی کی ایک بوتل دے سکیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اُس دن اتفاقاً امریکنوں کے ہاں شراب کا توڑا ہو گیا تھا۔ ہندوستانی افسر نے ایک بوتل کے بجائے بوتلوں کا ایک پورا بکس اُٹھا کر امریکن کو دے دیا۔

دوسرے دن امریکی افسر ایک نئی جیپ گاڑی لیئے ہوئے آپہنچا اور کہا۔ یہ جیپ ہماری طرف سے تحفتہً قبول کریں۔" (ایک روایت)

یہ واقعہ اگر درست نہ بھی ہو تو کم از کم امریکی فوجیوں کی خوشحالی۔ ان کی فراخدلی اور بے نیازی پر روشنی ضرور ڈالتا ہے۔ (مرتب)

## سلم کا لطیفہ

فیلڈ مارشل سر ولیم سلم جو برما کے فاتح اور بعد میں برطانیہ کے چیف آف امپیریل جنرل سٹاف کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ارٹریا میں بریگیڈ کمانڈر تھے۔ ایک دن اپنے افسروں اور عہدیداروں (این۔سی۔او) کے ساتھ باتیں کر رہے تھے کہ ایک عہدیدار نے کہا۔

"جناب والا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ ہم آپ کے قدم بہ قدم کہیں بھی چلے جائیں گے۔"

"اس خوش فہمی میں نہ رہنا" بریگیڈئر سلم بولے۔ "میں پیچھے سے تمہارا تعاقب کروں گا۔"

فیلڈ مارشل سلم اصلاً چھٹی گورکھا رائفلز سے تعلق رکھتے تھے۔ اس جنگ میں

ان کی گور کھالی ٹوپی نے بھی بڑی شہرت پائی ۔

## رُومان

امریکی فوج کے ایک پُرانے افسر کرنل چمبرن ۱۸-۱۹۱۷ء میں فرانس میں رہ چکے ہیں۔ اس دوران میں نوجوان چمبرن کا چومونٹ کے قصبہ کی ایک خوبصورت و نوخیز لڑکی سے دوستانہ ہو گیا تھا۔ جنگ ختم ہوئی تو بیشتر "جنگی دوستیوں" کی طرح یہ دوستی بھی ختم ہو گئی۔

۱۹۴۴ء میں جب جنرل پٹیان کی امریکی فوج فرانس میں پیش قدمی کر رہی تھی تو بوڑھا کرنل چمبرن بھی اس کے ہمراہ تھا۔ چومونٹ کا قصبہ فتح ہوا تو کرنل چمبرن کے دل میں عہدِ رفتہ کے وہ تمام نقوش یکبارگی اُبھر آئے۔ اور اس نے اپنی محبوبہ کو تلاش کرنا شروع کیا۔ کرنل چمبرن نے پولیس کے ایک سپاہی سے اُس خاتون کے متعلق پوچھ گچھ کی تو اُس نے جواب دیا۔ وہ زندہ ہے مگر اب تو کافی بوڑھی ہو چکی ہے۔

"محبت کبھی بوڑھی نہیں ہوتی" یہ کہہ کر کرنل چمبرن آگے بڑھ گئے۔

## شراب کا جہاز

لارڈ گورٹ کی برطانوی فوج فرانس میں جرمنوں کے خلاف صف آرا تھی۔ برطانیہ کے لوگ اپنے فرزندوں کے لئے دھڑا دھڑ تحائف بھیج رہے تھے۔ تحائف کے ضمن میں ایک شخص نے اخبار میں لکھا کہ ہمیں تیل لے جانے والا ایک پورا جہاز شراب سے بھر کر اپنے "لڑکوں" کے لئے بھیجنا چاہیئے۔

## دُعا کر سکتا ہوں

اٹلی میں گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ پانچویں فوج کے ایک امریکی ڈویژن کی حالت

سخت ابتر تھی۔ اس کیفیت میں سپہ سالار اعلیٰ (مارک کلارک) اور ڈویژن کمانڈر (میجر جنرل ڈیوی) کے درمیان ٹیلی فون پر ذیل کی گفتگو ہوئی:۔

کلارک :۔ "آپ اب کیا کر رہے ہیں۔ کیا کر سکتے ہیں؟"

ڈیوی :۔ کچھ بھی نہیں۔ میں صرف دُعا کر سکتا ہوں۔"

(بعد میں ڈیوی صاحب کو کمان سے علیحدہ کر دیا گیا تھا)

## کونیف کے لطیفے

جنگ ختم ہونے پر جب آسٹریا کو روسی۔ امریکی۔ برطانوی اور فرانسیسی چار مختلف منطقوں میں تقسیم کر دیا گیا تو مارشل کونیف اور جنرل مارک کلارک علی الترتیب روسی اور امریکی منطقوں کے نگران تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کونیف اور کلارک آسٹریا کی سیاسی پارٹیوں پر گفتگو کر رہے تھے کہ ایک خاص کمیونسٹ لیڈر کا تذکرہ آگیا۔ کلارک بولے:۔

"مجھے وہ شخص سخت ناپسند ہے۔ وہ کمیونسٹ ہے۔"

اس پر کونیف نے کہا:۔

"مجھے بھی سخت ناپسند ہے۔ وہ آسٹروی کمیونسٹ ہے۔"

ایک دوسرے موقع پر جنرل کلارک نے اپنے سیکرٹری کے ہاتھ ایک نہایت نادر پستول تحفہ کے طور پر مارشل کونیف کو بھیجا۔ مارشل نے تحفہ قبول کر لیا مگر کلارک کو قبولیت یا شکریے کی کوئی رسید نہ بھیجی۔ نہ بعد کی ملاقاتوں میں کبھی اس کا تذکرہ ہی کیا۔ ناچار ایک روز کلارک نے پوچھ ہی لیا:۔

"مارشل میں نے آپ کو ایک پستول بھیجا تھا۔"

"ہاں مل گیا تھا"

"مگر آپ نے کوئی اطلاع نہیں دی۔"

"اطلاع کیا دیتا، آپ نے اُس کے ساتھ گولیاں تو بھیجی ہی نہیں۔"

# مردِ صحرا ـــ آکنلک

افریقہ میں ابھی روشنی کی کوئی کرن نمودار نہیں ہوئی تھی۔ جنرل ویول اگرچہ کمال حوصلے اور کمال تدبیر کے ساتھ ان صحراؤں میں اتحادی فوج کا "رابطہ جسم وجاں" برقرار رکھے ہوئے ہوئے تھے۔ اور جہاں کہیں حالات انہیں اجازت دیتے وہ اطالوی صفوں کو توڑتے پگھلاتے ہوئے آگے بھی گذر جاتے۔ مگر رومیل کی "افریقہ کور" کے میدان میں اُترنے کے بعد حالات سخت ابتر دکھائی دے رہے تھے۔ اتحادیوں کی صحرائی فوج جس میں ہندوستانی عنصر غالب حیثیت رکھتا تھا عملاً ایک بوکھلائی ہوئی بدحواس فوج تھی۔ رومیل ایک افسانوی شخصیت بن چکا تھا۔

ان حالات میں مشرق وسطیٰ کی کمان اعلیٰ جنرل سر کلاڈ آکنلک کے سپرد کی گئی۔ اس کمان کی حدود اس وقت پورے مشرقِ وسطیٰ حتیٰ کہ ایران تک پھیلی ہوئی تھیں۔

ہندوستانی سپاہیوں کے لئے آکنلک کا نام نیا نہ تھا۔ میرٹھ برگیڈ کے کمانڈار کی حیثیت سے برگیڈیئر آکنلک اپنی انسانی ہمدردی۔ وسیع المشربی اور ہندوستانی سپاہی سے بے اندازہ محبت کی وجہ سے فوجی حلقوں میں کافی مقبول ہو چکے تھے۔ اور بعد میں جب ہندوستان کے کمانڈر انچیف مقرر ہوئے تو اپنی انہیں خوبیوں کی وجہ سے آکنلک مقبولیت و محبوبیت کے اس مقام پر پہنچ گئے جو اُن سے پہلے غالباً کسی انگریز کمانڈر انچیف کو نصیب نہیں ہو سکا۔ فوجی چھاؤنیوں کی بارکوں میں ہندوستانی سپاہی اکثر کہا کرتے تھے۔ "آکنلک انگریز ہے مگر اس کے سینے میں ہمارا دل دھڑکتا ہے۔"

ہندوستانی سپاہیوں کو جب معلوم ہوا کہ آکنلک اس کمان کے سپہ سالار ہو کر آرہے ہیں تو اُن کے چہرے یکبارگی کھل گئے۔ آنکھیں چمک اُٹھیں۔ دوسرے اتحادی سپاہیوں کی نسبت میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر ہر ہندوستانی سپاہی نے یُوں محسوس کیا جیسے لیبیا اور ارٹیریا کے تپتے ہوئے صحراؤں میں اس نے اچانک کوئی سرسبز و شاداب نخلستان پا لیا ہو۔ جیسے کسی بے آسرا لاوارث بچے کو آسرا مل گیا ہو۔

اور واقعی جب آکنلک وہاں آئے تو قاہرہ کے حسین و جمیل ایوانوں میں سستائے بغیر وہ سیدھے صحرا میں سپاہیوں کے پاس پہنچے۔ یقیناً اُن کی شخصیت دوسرے برطانوی سپاہیوں کے لئے بھی حوصلہ و ہمت کا سرچشمہ تھی مگر ہندوستانی سپاہی کی کیفیت مختلف تھی۔ خود آکنلک بھی جب ہندوستانیوں میں ہوتے تو یُوں محسوس کرتے جیسے "اپنوں" میں آ گئے ہوں۔ ایک عجیب بے تکلفی اور بے ساختہ محبّت کے ساتھ جوانوں میں گھومتے پھرتے۔ جہاں جہاں ممکن ہوتا ایک ایک سپاہی سے بات چیت کرتے۔ اس کا حوصلہ بڑھاتے۔ اور جب کھُلے چھت کے موٹر میں کھڑے صفوں کے بیچوں بیچ وہ گذر جاتے تو ہندوستانی سپاہی اُن پر محبت اور عزّت سے لبریز ایسی نظریں نچھاور کرتے تھے جو محض قومی قائدین ہی کے لئے مخصوص ہو سکتی ہیں۔ ہندوستانیوں کو آکنلک سے محبت تھی۔ آکنلک کے لئے وہ بڑی سے بڑی قربانی کو بھی کم سمجھتے تھے۔ وہ اُس کی پرستش کرتے تھے محبوبیّت کے اعتبار سے آکنلک برطانیہ کا رومیل تھا۔

رومیل کی طرح محاذ جنگ کے ہندوستانی سکٹروں میں آکنلک کے متعلق بھی طرح طرح کی افسانوی افواہیں معرضِ بحث میں رہتی تھیں۔ یہ افواہیں کچھ اس قسم کی ہوتی تھیں۔ "آکنلک نے چرچل کو صاف کہہ دیا ہے کہ میں اس محاذ پر صرف ہندوستانی سپاہی چاہتا ہوں" —— یا —— "آج فلاں بات پر آکنلک نے جنوبی افریقہ کے جرنیل کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ کاش تمہارے سپاہی ہندوستانی سپاہیوں کی طرح ہوتے" —— یا —— "فلاں محاذ پر آکنلک نے کہا۔ اے کاش یہاں میرا انڈین ڈویژن ہوتا" —— ظاہر ہے اس قسم کی افواہیں عموماً محض و خالص افواہیں ہوتی تھیں۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آکنلک کے آنے کے بعد ہندوستانی سپاہی ایک نئے اعتماد کے ساتھ سینہ تان کر چلنے لگا تھا۔ آکنلک کی اس بے پناہ مقبولیت کی ایک وجہ اُن کی اُردو دانی بھی تھی۔ وہ صاف ستھری، رواں دواں اُردو بولتے تھے اور تقریر کرتے وقت

اُن کی باتیں سپاہی کے دل میں اُترتی جاتی تھیں۔

## ایک تبصرہ

"میجر جنرل گن گینڈ" جو مشرقِ وسطیٰ میں آکنلک اور بعد میں منٹگمری کے چیف آف سٹاف رہے ہیں۔ ایک موقع پر آکنلک کی نسبت لکھتے ہیں:۔

"آکنلک جب قاہرہ آئے تو اُن کی آمد تازہ تازہ ہوا کے جھونکے کی طرح تھی۔ اُن کی شخصیت متاثر کن تھی۔ اُن سے ملنا آسان تھا۔ وہ ایک بیحد چوکنا اور سمجھدار جرنیل تھا۔ وہ ایک محبوب شخصیت تھے۔ ان کی انسانی ہمدردی کا پہلو بہت نمایاں تھا۔"

جنرل گن گینڈ کے نزدیک آکنلک میں البتّہ ایک نقص تھا کہ وہ فوجی معاملات میں بہت سے لوگوں سے مشورہ لیتے تھے۔ اُن کی رائے میں سپہ سالار کو اپنی صلاح و مشورت "محض اپنے مشیروں تک محدود رکھنی چاہیئے۔"

لیکن بعض دوسرے اہل الرائے کے نزدیک آکنلک کا سب سے بڑا وصف یہی تھا۔ وہ عموماً رات کے کھانے کے بعد کانفرنس کرتا۔ سٹاف افسروں کو جمع کرتا۔ مسئلہ زیرِ نظر پر ایک ایک سنیئر افسر کی رائے معلوم کرتا اور پھر اپنا حکم لکھوا دیتا۔ آخری فیصلہ بہر حال اُس کا اپنا ہوتا تھا۔

## جنرل ہیڈ کوارٹرز

آکنلک کے مصر میں آنے تک جنرل ہیڈ کوارٹر قاہرہ میں تھا۔ اور جنرل ہیڈ کوارٹر کا ہے کو تھا یہ سمجھئے کہ قاہرہ میں ایک اور قاہرہ آباد تھا۔ سٹاف افسر آرام ہی نہیں عیاشی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ قاہرہ کے ریستوران ناچ گھر اور شراب خانے اتحادی افسروں سے بھرے رہتے تھے۔ قاہرہ کی زندگی دیکھ کر یہ باور کرنا مشکل تھا کہ یہاں سے چند میل پر آگ اور خون کا دریا بہہ رہا

ہے اور ان سٹاف افسروں کو دیکھ کر یہ قیاس کرنا ناممکن تھا کہ یہ "بلانوش" یہاں دراصل لڑنے کے واسطے آئے تھے۔ دوسری طرف محاذ جنگ پر سپاہی نہایت سخت و سنگین زندگی بسر کر رہے تھے خود برطانیہ کے عوام موت کے سائے میں بیحد مشکل حالات میں سے گذر رہے تھے۔

آکنلک کو جو اصلاً ایک "سپاہی قسم" کا سپہ سالار تھا یہ بات پسند نہ آئی چنانچہ آتے ہی اُس نے ہیڈ کوارٹر کو قاہرہ سے اُٹھا کر صحرا میں لا پھینکا لیکن قاہرہ کا ہیڈ کوارٹر کچھ اس قدر پھیل چکا تھا کہ اُس کا سمیٹنا ایک مستقل انتظامی مسئلہ بن گیا۔ اگرچہ بعد میں منٹگمری نے بھی آکنلک کی روش کو قائم رکھا تاہم آکنلک مشرقِ وسطیٰ کا پہلا کمانڈر انچیف تھا جو سپاہیوں کے دوش بدوش صحرا کے سینہ پر خیمہ گاڑ کر اُس میں رہتا تھا۔

## چرچل اور آکنلک

افریقہ میں رفتارِ جنگ اور طریقِ جنگ کے بارے میں مسٹر چرچل اور فیلڈ مارشل آکنلک کے درمیان سخت اختلاف رائے کا پتہ چلتا ہے طبرق کی شکست کے بعد اس اختلاف میں خاصی تلخی بھی پیدا ہو گئی۔ اور (غالباً) اسی اختلاف کی بنا پر ۱۵ اگست ۱۹۴۲ء کو آکنلک سے مشرق وسطیٰ کی کمان لے کر فیلڈ مارشل الیگزینڈر کے سپرد کر دی گئی۔

مسٹر چرچل۔ فیلڈ مارشل ایلن بروک اور برطانوی کابینۂ جنگ رومیل پر فوری جوابی حملہ کرنے کے حامی تھے۔ آکنلک اس کے برخلاف حملے میں عجلت برتنے کے قائل نہ تھے۔ ایک دوسرا اختلاف جنرل سرنیل رچی کی کمان کے بارے میں تھا۔ مسٹر چرچل چاہتے تھے کہ جنرل آکنلک آٹھویں فوج کی کمان جنرل رچی سے لے کر براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے لیں مگر آکنلک کو ماتحت کمانڈر کے اختیارات میں یہ مداخلت گوارا نہ تھی۔ (اگرچہ بعد میں انہیں

یہ کرنا پڑا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ آکنلک ۔ رومیل کو العالمین پر روکنے میں کامیاب ہو گئے ) بہرحال وزیر اعظم اور سپہ سالار میں اختلاف رائے کی یہ داستان بڑی دلچسپ ہے ۔ اس سلسلہ میں مسٹر چرچل اور آکنلک کے درمیان جو خط و کتابت ہوتی رہی اور جسے مسٹر چرچل نے اپنی کتاب " دوسری جنگ عالمگیر " میں نقل بھی کیا ہے ۔ پڑھنے کے لائق ہے ۔ چند اقتباسات ذیل میں درج ہیں ۔

## آکنلک بنام چرچل

۲۳ جنوری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہت ممکن ہے رومیل کے الغزالہ فتح کر لینے سے انگلستان میں تشویش محسوس کی جا رہی ہو ۔ مگر اس بات کے امکان کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ رومیل ناخوشگوار حالات میں گھر جائے گا ۔ ۔ ۔ ۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں اس وقت ہماری سب سے بڑی ضرورت بن غازی کی ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ جنرل رچی ۔ رومیل پر موثر وار کرنے کے لئے موزوں موقع کی تاک میں ہیں ۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں ۔

۲۴ جون ۱۹۴۲ء ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دشمن اگلے محاذ پر کافی جمعیت مجتمع کرنے اور اسے برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گیا ہے ۔ رومیل نے ایک مرتبہ پھر بھرپور وار کیا ہے ۔ اور پار سال کی طرح اپنی ابتدائی کامیابیوں سے حوصلہ پا کر وہ بہت آگے نکل آیا ہے ۔ حالات اگرچہ میرے حسب توقع صورت پذیر نہیں ہوئے تاہم مجھے اُمید ہے کہ میں آخر کار حالات کو اپنے ڈھب پر لے آؤں گا ۔

## چرچل بنام آکنلک

۲۵ جون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بن غازی اور درنا کے انخلاء سے مجھے سخت تشویش ہوئی ۔ یقیناً مجھے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ حالات ایسی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں ۔ کیا آپ کو واقعی کسی بڑی شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے ؟ ۔ کیا ہمارے

نئے ٹینک جرمن ٹینک کے مقابلے میں بیکار ثابت ہوئے ہیں؟ میں محسوس کرتا ہوں یہ بہت بڑا بحران ہے جو میرے لئے قطعاً غیر متوقع ہے۔ آخر اتنی جلدی انہیں کیا ہو گیا؟ کیا وجہ ہے کہ چوتھا انڈین ڈویژن بن غازی میں کھڑا نہ ہو سکا۔؟

## آکنلک کا جواب

"..... میں کل قاہرہ سے پرواز کر کے آٹھویں فوج (جنرل رچی) کے محاذ پر گیا تھا۔ پوزیشن اطمینان بخش نہیں ہے۔ دشمن نے کل ہماری صفوں کو کچھ اور پیچھے دھکیل دیا ہے۔ جنرل رچی نے چوتھے انڈین ڈویژن کو اب براہ راست اپنی کمان میں لے لیا ہے اور اسے زبردست جوابی حملے کا حکم دے دیا ہے۔"

بن غازی کی شکست پر تبصرہ کرتے ہوئے:۔

"..... میں سمجھتا ہوں ہمارے ٹینک دشمن کے ٹینکوں کی تاب نہیں لا سکے۔ ہماری ناکامی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہماری فوج بہت وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دشمن کے ریلے کو ایک نقطے پر سمٹ کر روک نہ سکی۔

..... بن غازی کے جانے کا مجھے بڑا قلق ہے مگر یہ نقصان عارضی ہے۔ جنرل رچی اور میں رومیل کے ارادوں کو خوب سمجھ رہے ہیں۔"

## آکنلک کی زبانی

جنگ کے چند سال بعد فسٹ پنجاب رجمنٹ ری یونین (جہلم) کی تقریب پر مجھے فیلڈ مارشل موصوف سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو میں یہ داستان خود ان کے سامنے بھی لے بیٹھا۔ فیلڈ مارشل اس وقت رجمنٹل سنٹر کی پریڈ گراؤنڈ میں ذرا فرصت سے کھڑے ایک عجیب محبت آمیز محویت

کے عالم میں اُس میدان کے ذرّے ذرّے کا جائزہ لے رہے تھے جہاں آج سے نصف صدی پہلے نوجوان آکنلک نے برٹش انڈین آرمی کے ساتھ اپنی فوجی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ اپنا مقصد بیان کیا اور ڈرتے ڈرتے آٹھویں فوج کے کمانڈر جنرل نیل رچی کے قضیہ پر جو اس جنگ کا ایک ایسا نزاعی موضوع ہے جس پر آکنلک کو برٹش ہائی کمان کی تلخی و خفگی مول لینی پڑی تھی۔ فیلڈ مارشل سے خاص وضاحت کی درخواست کی۔

میرا سوال سُن کر پہلے تو وہ کچھ اس طرح خاموش رہے گویا میری بات سُنی ہی نہیں۔ پھر کچھ اس انداز سے ٹہلنے نکل گئے جیسے اس سوال پر خفا ہو گئے ہیں۔ میں دل میں کانپ اُٹھا۔ ایک معمولی کپتان کے لئے ایک فیلڈ مارشل وہ بھی آکنلک ایسے عظیم فیلڈ مارشل کی خفگی کا احساس جتنا لرزہ انگیز ہو سکتا ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ میں نے سوچا گھبراہٹ میں شاید میں اپنے مفہوم کو شائستگی کے ساتھ ادا نہیں کر سکا۔ میں خوف و ندامت کی اس کیفیت میں بُت بنا کھڑا تھا کہ فیلڈ مارشل نے کچھ دُور جا کر پلٹ کر میری طرف دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے مجھے بُلایا۔ میں دوڑتا ہوا پہنچا۔ مُسکرا کر بولے۔

"میں سمجھتا تھا تم میرے ساتھ ساتھ آ رہے ہو"۔

اُن کی مسکراہٹ اور گفتگو کی نرمی و شفقت سے میری جان میں جان آ گئی تو اُن کے پوچھنے پر میں نے اپنے سوال کو پھر دہرایا۔ بولے:۔

"سانحے کے بعد سبھی عقلمند ہوتے ہیں"۔ ان کی طرف سے اگرچہ میرے سوال کے جواب میں یہ ایک جملہ ہی بہت کافی تھا مگر میری پھٹی پھٹی نظروں کا تقاضا سمجھتے ہوئے فیلڈ مارشل نے مزید وضاحت سے کام لیا۔ فرمایا ——

"جنرل رچی" کو میرا پورا اعتماد حاصل تھا۔ وہ ٹھیک لڑ رہا تھا یا غلط اس کا صحیح اندازہ اور فیصلہ میں ہی کر سکتا تھا نہ کہ وہ لوگ جو میدانِ جنگ سے ہزاروں میل دور بیٹھے تھے۔ میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ محض گھبراہٹ یا پریشانی میں

اچھے کمانڈر کو الگ کر دیا جائے۔ ایسا کرنے سے فوج کے اعتماد اور حوصلے پر ضرب پڑتی ہے۔"

اس کے بعد میں نے فیلڈ مارشل منٹگمری کے متعلق ایک نوکیلا سا سوال پوچھا۔ جس کے جواب میں مجھے پھر ایک معنی خیز مسکراہٹ اور خاموشی سے دوچار ہونا پڑا۔ میں سمجھا شاید معاملہ پھر چوپٹ ہو گیا مگر دو چار قدم ٹہلنے کے بعد فیلڈ مارشل لوٹ آئے۔ بولے — "میں فیلڈ مارشل منٹگمری کی صلاحیتوں کا بڑا مداح ہوں۔"

وہ اتنا کہہ پائے تھے کہ فسٹ پنجاب سنٹر کے انگریز کمانڈنٹ کرنل مرسے خدا معلوم ری یونین کے کس جھمیلے میں دوڑے دوڑے فیلڈ مارشل کے پاس پہنچے۔ مجھے خطرہ پیدا ہوا کہ میری گفتگو آگے نہ بڑھ سکے گی۔ لیکن میری خوش قسمتی کہ فیلڈ مارشل نے مجھے ٹالنے کے بجائے کرنل مرسے کو ٹال دیا۔ دراصل منٹگمری کے موضوع پر آکنلک گفتگو کے "موڈ" میں آ گئے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بوڑھا فیلڈ مارشل ماضی کی یادوں میں ڈوب گیا ہے۔ جیسے وہ جہلم میں نہیں بلکہ العالمین کے محاذ پر کھڑا ہے۔ اُن کے باوقار چہرے پر سن وسال کی اُبھرتی ہوئی لکیروں میں جواب زیادہ نمایاں ہوتی جا رہی ہیں ایک عجیب ہیجان چھلک رہا تھا۔ ان کے ٹہلنے اور گفتگو کرنے کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ وہ کوئی دس منٹ تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ لب لباب یہ تھا کہ منٹگمری اس جنگ کے زیرک اور ہوشیار سپہ سالاروں میں سب سے خوش قسمت سپہ سالار ہے۔ اس کے بارے میں اپنی اچھی ذاتی رائے کے ثبوت میں فیلڈ مارشل نے بتایا کہ رچی کے بعد جب آٹھویں فوج کے نئے کمانڈر کی تقرری کا سوال پیدا ہوا تو گاٹ اور منٹگمری کے نام انہوں نے ہی تجویز کیے تھے۔ منٹگمری کی قائدانہ زندگی میں یہ واقعہ زبردست اہمیت رکھتا ہے۔ اگر آکنلک ان کو خاص طور پر طلب نہ کرتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ منٹگمری

موجودہ عزت شہرت کو حاصل کر بھی سکتے ؟ بلکہ کچھ عجب نہ تھا اگر وہ جزائر برطانیہ ہی کی کسی جنوبی یا شمالی کمان کو سنبھالے بیٹھے رہتے۔ مرتّب)

منٹگمری کے متعلق کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد فیلڈ مارشل نے ایک جائزہ لینے والی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا ـــــ "جنگ کے متعلق تم نے کون کون سی کتب پڑھی ہیں" میں نے بڑے فخر کے ساتھ معروف نامعروف کتابوں کی ایک لمبی فہرست فرفر سنا ڈالی۔ فرمایا ـ "ان میں سے بعض ذاتی پروپیگنڈے پر مشتمل ہیں۔ بعض صحت کے اعتبار سے محلِ نظر ہیں۔ بعض سرے سے ناقابلِ توجہ ہیں۔ اور ان میں بیشتر محض ایک نقطۂ نگاہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ تم اگر کوئی کتاب ہی لکھنے کا ارادہ رکھتے ہو تو ہر نکتہ نظر کو دیکھنا اور سمجھنا ضروری ہے۔"

یہاں اُنھوں نے بعض اُن کتابوں کے نام گنوائے جو ان کے بقول "دوسرا نقطۂ نگاہ" پیش کرتی ہیں مگر اُن میں سے سوائے ایک کتاب کے (بحرانِ صحرا) ( ) جو میجر جنرل نواب زادہ شیر علی خان صاحب کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے) کسی دوسری کتاب کا سراغ اپنے ملک میں نہ مل سکا۔

میں نے عرض کیا خود آپ کی یادداشتوں کا دُنیا بیتابی سے انتظار کر رہی ہے۔ جواب ملا۔ "دنیا کو کچھ دیر اور انتظار کرنا ہوگا" ـــــ اس "انتظار" میں کیا مصلحت، کیا مجبوری، کیا تلخی شامل ہے۔ میں اس کا کوئی اندازہ نہ کر سکا۔ ان سوالوں کا جواب غالباً فیلڈ مارشل کے قلم سے نکلی ہوئی یادداشتوں ہی سے مل سکے گا۔ میں اب ان کے لطف و توجہ کے باعث کھل کر بات چیت کرنے میں خاصہ دلیر ہو چکا تھا۔ "یادداشتوں" کے موضوع کو ذرا اور آگے چلانا چاہتا تھا کہ ٹھیک اس اثنا میں کرنل مرے پھر بھاگے بھاگے آپہنچے۔ ان سے تو خیر میں نبٹ لیتا لیکن دوسرے ہی لمحہ فسٹ پنجاب کے زرق برق

بینڈ کے ترانوں سے میدان گونج اُٹھا۔

اس مختصر کاروباری قسم کی ملاقات میں فیلڈ مارشل کی شخصیت کے متعلق کوئی واضح دو ٹوک تاثرات قلمبند کرنا میرے لئے بڑا مشکل ہے۔ البتہ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس ملاقات کے بعد میں اپنے آپ کو بھی ایک "قدرے غیر معمولی سا انسان" محسوس کر رہا تھا۔ اس عزّت و مسرت پر میں خود اپنی نظر میں بہت اُونچا ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ آکنلک کی عظمت ہی کی دلیل ہے۔ اپنی کمتری کے باوجود میں بڑے بڑے قدو قامت (عظمت کے ضمن میں) لوگوں سے ملاقاتوں کے سلسلہ میں بڑا خوش نصیب رہا ہوں۔ مگر میں نے کسی کے سامنے بھی اپنے اندر اپنی عظمت کا جاگتا ہوا احساس اتنی شدت کے ساتھ اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا۔

## کامیاب یا ناکام؟

میدانِ جنگ کے سپہ سالارِ اعلیٰ کی حیثیت سے آکنلک کامیاب ہے یا ناکام اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں۔ ان کے دامن پر ناکامی کا سب سے بڑا دھبہ بن غازی اور طبروق کی پسپائی کا ہے۔ لیکن اُس وقت کے حالات کے پس منظر میں اس ساری مہم میں نقاد کسی ایسے مقام پر اُنگلی نہیں رکھ سکتا جس کو آکنلک کی بے تدبیری سے تعبیر کیا جا سکے۔

صورت یہ تھی کہ رومیل کی افریقہ کور اپنے پورے عروج پر تھی۔ اس کے مقابل آکنلک کی آٹھویں فوج (جس کی محاذی کمان ایک دوسرے جرنیل کے ہاتھ میں تھی) دو تھکی ماندی کوروں پر مشتمل تھی۔ ہتھیار ضرورت سے کم تھے۔ ٹینک ضرور پہنچنے لگ گئے تھے مگر جرمنوں کے مارک ۳ اور مارک ۴ کے سامنے بالکل عاجز و لاچار تھے۔ آکنلک ایک وسیع کمان کا سپہ سالار تھا جس کے حدود ایران تک پھیلے ہوئے تھے اور جس کو بعد میں ایک سے

زیادہ کمانوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ مگر تعجب ہے کہ آکنلک کا اندازہ کرتے وقت لوگ بن غازی سے اس کی ایک ذیلی فوج کی عارضی پسپائی کو تو یاد رکھتے ہیں مگر دوسرے محاذوں پر اس کی بصیرت و کارفرمائی کے کارناموں کو یکسر بھول جاتے ہیں۔

آکنلک کے بارے میں ایک اور اہم بات جو اکثر مبصرین (غالباً) عمداً نظرانداز کر جاتے ہیں وہ برٹش آرمی کا رویہ ہے جو (مجموعی حیثیت سے) نوآبادیاتی فوجوں کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا۔ بات بڑی تلخ اور افسوسناک ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس حقیقت کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ نوآبادیاتی فوجوں کے سنیئر افسر —— برٹش آرمی کے سنیئر افسروں کی تنگ دلی بلکہ مجھے یہ کہنے کے لئے معاف رکھا جائے اُن کے بُغض اور بخل کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔ اس جذبے کا سب سے زیادہ خمیازہ آکنلک کو بھگتنا پڑا۔

بات صرف اتنی ہے کہ آکنلک ان بدقسمت مگر تاریخی جرنیلوں میں سے ایک ہے جن کو آغازِ جنگ میں کمان پر بُلایا گیا۔ جنگ کا ابتدائی مرحلہ ہمیشہ مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے بالخصوص برطانیہ ایسے ملک کی تاریخ میں جو خود اپنے ممتاز مبصروں کے الفاظ میں جنگ لڑنے کے لئے کبھی پوری طرح تیار نہیں پایا گیا۔ ان حالات میں کسی عظیم سے عظیم جرنیل کے کارناموں کی فہرست آکنلک کے نتائج سے بنیادی طور پر کبھی مختلف نہیں ہو سکی۔ کیا منٹگمری اور الیگزنڈر ڈنکرک میں موجود نہ تھے؟ ویول کی ایک استثنا ضرور ملتی ہے مگر یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ ویول کا مقابلہ رومیل سے نہیں تھا۔ دراصل اس نوع کے جرنیلوں کی عظمت کا اندازہ فتح و شکست سے لگانا ہی غلط ہے۔ ان کی

عظمت کا اندازہ مسٹر چرچل کے الفاظ میں اس بات سے لگانا چاہیئے کہ انہوں نے کس حوصلے کس دانائی اور کس بصیرت کے ساتھ جنگ کو برقرار رکھا۔ چنانچہ اس اصول کے مطابق مشہور مبصر سول فالز نے اپنی کتاب "دوسری جنگ عالمگیر" میں نہایت درست لکھا ہے کہ :-

"آکنلک ایک بہترین مگر بدقسمت جرنیل تھا"

# قائدِ جنگ ـــــ ہٹلر

جنگ کے بعد ہٹلر کے بارے میں یہ بات سُننے میں آئی ہے کہ وہ اسلوب جنگ کے فنی اور عملی پہلوؤں میں بہت مداخلت کرتا تھا۔ واقعات و حالات پر منطقی انداز سے بحث کرنے کے بجائے اپنے "القا" (                ) سے کام لیتا تھا۔ اختلاف رائے کو قطعاً برداشت نہ کرتا تھا۔ اور اپنے سپہ سالاروں کے فیصلوں کو اکثر رد کر دیتا تھا۔ چنانچہ اکثر جرمن جرنیلوں نے جو جنگ کے بعد زندہ بچ گئے اور جن میں ہٹلر کا مشہور چیف آف اسٹاف فیلڈ مارشل ہالڈر سب سے نمایاں ہے جرمنی کی شکست کا سب سے بڑا ذمہ دار خود ہٹلر کو ٹھہرایا ہے۔ ان جرنیلوں کے بیانات کے مطابق آخر آخر میں تو ہٹلر کی مداخلت کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ کسی محاذ کا کوئی بڑے سے بڑا کمانڈر ایک بٹالین تک کو بھی ہائی کمان (جو عملاً ہٹلر کا دوسرا نام تھا) کی اجازت کے بغیر اِدھر سے اُدھر نہیں کر سکتا تھا۔ اُونچے پایہ کی نازی پارٹی لیڈر یقیناً تصویر کے دوسرے رخ پر روشنی ڈال سکتے تھے۔ مگر جنگ کے بعد ان میں سے کوئی قابل ذکر آدمی زندہ نہیں بچا۔ خوش قسمتی سے سقوطِ برلن کے بعد خفیہ دستاویزات کا جو انبار اتحادیوں کے ہاتھ لگا اس میں ان کانفرنسوں کی ڈائری بھی شامل ہے جو ہٹلر ہر روز اپنی فوجی ہائی کمان کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ اس ڈائری کو پروفیسر گلبرٹ نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اور اگرچہ یہ روداد پوری مدت جنگ پر محیط نہیں ہے کہ بہت سے کاغذات نازیوں نے جلا دئے تھے تاہم جلے ہوئے کاغذات کے ڈھیروں میں سے جو مواد اتفاقاً سلامت رہ گیا تھا وہ بھی تقریباً آٹھ سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اور اس سے بھی جنگی قائد کی حیثیت سے ہٹلر کی شخصیت اس کی بصیرت اس کے طریقِ غور اور اپنے سپہ سالاروں کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت کو سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

ہیڈ کوارٹر

ہٹلر چانسلری کی مشہور و عظیم عمارت میں رہتا تھا۔ ڈاکٹر گوبلز کے بقول

ہٹلر کا ہیڈ کوارٹر نظر بندوں کے ایک کیمپ کی مانند تھا جس پر معتمد و سرگرم نازی دستوں کا جو "ایس ایس" کے نام سے مشہور تھے، نہایت کڑا پہرہ رہتا تھا۔

ہٹلر کے کمرے تک پہنچنے کے لئے ہائی کمان کے افسروں کو پہلے کئی تنگ و تاریک راستے اور بغلی کمروں میں سے گذرنا پڑتا تھا۔ ان راستوں پر بھی "ایس ایس" کے آدمی متعین تھے جو موقع بہ موقع ملاقاتیوں کے شناختی کاغذات کی جانچ پڑتال برابر کرتے رہتے تھے۔ ہٹلر کے دفتر سے ملحق ایک بہت بڑا ہال تھا۔ یہ سب لوگ پہلے یہاں جمع ہوتے۔ جہاں ایک مرتبہ پھر کاغذات کی پڑتال ہوتی۔ ہتھیار رکھوائے جاتے اور کاغذات رکھنے والے تھیلوں کی تلاشی لی جاتی۔ یہ روزانہ کا معمول تھا جس سے کوئی شخص بھی مستثنیٰ نہیں تھا۔

کانفرنس میں جب ہٹلر دوسری طرف سے دفتر میں داخل ہو کر اپنی کرسی پر بیٹھ جاتا تو جرنیل ترتیب مراتب کے لحاظ سے ایک کے بعد ایک ہٹلر کے سامنے آتے۔ ہٹلر کھڑے ہو کر سب سے ہاتھ ملاتا۔ استقبال کرتا۔ نازی لیڈروں میں سے گوئرنگ اور ہملر ہمیشہ ان کانفرنسوں میں موجود ہوتے۔

کانفرنس میں ہٹلر اس بات کو سخت ناپسند کرتا تھا کہ اس کے سامنے کوئی اونچی آواز میں گفتگو کرے۔ چنانچہ فیلڈ مارشل جوڈل اس معاملے میں اتنی مزاج دانی کا ثبوت دیتا تھا کہ دوسروں کے لئے بعض اوقات اُس کی بات سمجھنی دشوار ہو جاتی تھی۔

عموماً ہر روز دو مرتبہ ایسی کانفرنسیں منعقد ہوتی تھیں۔ ہٹلر اور اُس کے فوجی مشیروں کی آخری کانفرنس جس میں تقریباً تمام سپہ سالار شریک تھے، ۲۰ اپریل ۱۹۴۵ء کو ہوئی تھی۔

## اختلافات

ہٹلر اور اس کی فوجی ہائی کمان میں اکثر اختلاف رائے رہتا تھا۔ شروع

شروع میں بالخصوص ہالڈر کے دور میں یہ اختلافات بہت ہی شدید نوعیت اختیار کر گئے تھے۔ بعد میں بھی اگرچہ جرمنی کی پرانی فوجی روایات میں پروان چڑھے ہوئے فیلڈ مارشلوں کو خالص فنی و حربی معاملات میں ہٹلر کی مداخلت ناگوار گزرتی تھی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجبوری و مصلحت کے سامنے ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ان میں سے بعض ہٹلر کی جنگی بصیرت کے دل سے قائل بھی ہو چکے تھے۔ علاوہ ازیں فیلڈ مارشل جوڈل اور فیلڈ مارشل کیٹل نے جو جنگ کے پہلے دو سالوں کے بعد اختتام جنگ تک جرمن ہائی کمان کی دو مرکزی شخصیتیں تھیں۔ ہٹلر کی خوشنودی کے لئے ایسا رویہ اختیار کیا ہوا تھا کہ گویا

ہمیں تو خو ہے کہ جو کچھ کہو۔ بجا کہیئے!

ان کانفرنسوں میں ہٹلر کے سامنے جو سپہ سالار آزادی و بے خوفی کے ساتھ اظہار رائے کرتے نظر آتے ہیں ان میں رومیل اور گوڈرین بہت ممتاز ہیں۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ دونوں اس کے منظور نظر جرنیل تھے۔

ابتدا جنگ میں تو جرمن فیلڈ مارشلوں کو (مثلاً رن سٹیڈ) اس خیال سے بھی وحشت ہوتی تھی کہ ایک "سابق کارپول" ایک عظیم و عالمگیر جنگ میں ان کی رہنمائی کرے۔ جنگی منصوبوں میں رد و بدل کرے، اور ان فیلڈ مارشلوں کے فیصلوں کو ٹھکرا دے جن کے جسم میدان جنگ میں کھائے ہوئے زخموں سے داغ داغ تھے اور جن کے سینے اعزازات و امتیازات کے شاندار تمغوں سے لدے ہوئے تھے۔ لیکن ۱۹۴۱ء میں جب روسی محاذ پر جرمنوں کا بڑا گرمائی حملہ ناکام رہا تو جرنیلوں کو ہٹلر کی عسکری صلاحیتوں کا لوہا ماننا پڑا۔ اس حملہ کے بعد جاڑوں کے موسم میں اکثر جرنیلوں کا یہی خیال تھا کہ فوجوں کو پیچھے ہٹا لیا جائے۔ اس کے برعکس ہٹلر کی رائے میں مضبوطی کے ساتھ وہیں جمے رہنا ضروری تھا تاکہ جو علاقہ ہاتھ آ چکا ہے وہ ہاتھ ہی میں رہے۔ جرنیلوں کی زبردست مخالفت کے باوجود وہ اس فیصلے پر ڈٹا رہا۔

اسی نقطے سے خالص فوجی معاملات میں ہٹلر کی سرگرم مداخلت شروع ہوتی ہے۔ ورنہ اس سے قبل وہ جرنیلوں کے فیصلے اکثر و عموماً بے چون و چرا مان لیتا تھا۔ مثلاً روس اور فرانس دونوں پر وہ ۱۹۳۹ء ہی میں حملہ کر دینے کا حامی تھا۔ مگر جرنیلوں کی رائے پر عمل کرتے ہوئے اس سے باز رہا۔ البتہ روسی محاذ کے اس واقعے کے بعد اس ضمن میں بھی اسے اپنی ذات پر زیادہ اعتماد ہو گیا تھا۔ اب اسے ہائی کمان کی فیصلوں کو رد کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اختلاف رائے رکھنے والے جرنیلوں کو موقوف کر دینے میں بھی کوئی باک محسوس نہ کرتا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۴۱ء میں اس نے فیلڈ مارشل وان بروشتش ( ) اور فیلڈ مارشل ہالڈر ( ) کو یکے بعد دیگرے الگ کر دیا۔ اور اس کے بعد آخر تک یوں نظر آتا ہے کہ رومیل۔ کلج۔ اور گوڈرین کے سوا جیسے کسی میں اختلاف رائے کی جرأت ہی باقی نہ تھی۔ ان میں سے بھی کلج اور رومیل کو خودکشی کرنی پڑی

جیسا کہ کہیں اوپر تذکرہ آچکا ہے، یہ ٹھیک ہے کہ ہٹلر اختلاف رائے کو آسانی سے برداشت نہیں کرتا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے درست ہو کہ وہ دلائل سے زیادہ "اپنی اندرونی آواز" کی تعمیل کرتا تھا۔ مگر ان کانفرنسوں میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جہاں وہ دلائل و براہین کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر ثابت کرتا دکھائی دیتا ہے مثال کے طور پر ایک واقعہ دیکھیے:۔

۱۹۴۵ء کے نازک دور میں چیف آف اسٹاف (جنرل گوڈرین) نے مشورہ دیا کہ فیلڈ مارشل مین سٹن ( ) کو جسے ہٹلر ۱۹۴۴ء کے موسم بہار میں علیحدہ کر چکا تھا۔ دوبارہ محاذ جنگ پر لایا جائے۔ ہٹلر نے یہ تجویز رد کر دی اور جواباً یہ دلیل دی:۔

"اس نازک اور فیصلہ کن مرحلے پر جرمنی کو ایسے جرنیلوں کی ضرورت ہے جو بچے کھچے وسائل کے ساتھ بعجلت و موثر کاروائی کر سکیں۔ اس وقت ان فیلڈ مارشلوں کی ضرورت نہیں جو ایک بڑی فوج لے کر پورے

سازوسامان کے ساتھ لڑنے کے عادی ہیں۔"

روس میں پیش قدمی جاری رکھنے نیز مسخر علاقوں کو ہر قیمت اپنے قبضہ میں رکھنے کے حق میں وہ عموماً کہا کرتا تھا کہ ہوائی جہاز اور ٹینک کی لڑائی میں جس ملک کو علاقائی وسعت میسر نہیں وہ دیر تک لڑائی جاری نہیں رکھ سکتا۔ نیز لپسپائی کا اثر چاہے وہ بربنا مصلحت اور عارضی ہی کیوں نہ ہو سیاسی اعتبار سے غیر جانبدار و حلیف ممالک پر ناگوار ہوتا ہے۔

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کانفرنسوں پر اس کی شخصیت چھائی ہوئی تھی۔ وہ اختلاف رائے پر مشتعل ہو جاتا تھا۔ جرنیلوں کو سختی سے جھڑکتا تھا اور گفتگو کے دوران میں بعض اوقات خاصی گندی زبان استعمال کر جاتا تھا جس کو جرنیل سخت ناپسند کرتے تھے، مگر ذاتی ترقی اور وسیع قومی مفاد کے مارے خاموش رہتے۔

ان کانفرنسوں میں ہٹلر سپاہیوں کے "مورال" پر بڑا زور دیتا تھا۔ پہلی بڑی جنگ میں وہ خود ایک سپاہی رہ چکا تھا۔ چنانچہ اس حیثیت سے اپنے تجربات و مشکلات کو اکثر بیان کرتا رہتا تھا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جرمن سپاہی کی آسائش و سلامتی کا اُسے بیحد خیال بھی تھا۔ اٹلی میں جب مسولینی کے زوال کے آثار نظر آئے تو جرمن سپاہیوں کو خطرے کی زد سے نکالنے کے لئے ہٹلر نے فیلڈ مارشل کیسل رنگ کو جو حکم بھیجا اس میں لکھا:-

"جرمن سپاہیوں کو جہازوں کے ذریعے فوراً نکالا جائے۔ اگر سامان و ہتھیار چھوڑنے پڑیں تو چھوڑ دئے جائیں۔ مجھے سامان کی کوئی پرواہ نہیں۔ اصل چیز میرے سپاہی ہیں۔"

## ظرافت

اس ڈائری کی روشنی میں اگرچہ ہٹلر کی مشتعل مزاجی سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور کام کے بے پناہ دباؤ اور ایسی نازک صورتِ حالات میں مزاج کا چڑچڑا پن

سمجھ میں آنے والی بات ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہٹلر ظرافت کی چاشنی سے بالکل خالی تھا۔ جہاں کہیں موقع ہوتا وہ ایک آدھ ایسا جملہ ضرور کہہ جاتا جس سے کانفرنس کھلکھلا اٹھتی تھی۔ ان حالات میں کہ موت جھپٹنے کے لئے پرتولے سامنے کھڑی تھی، بذلہ سنجی سے کام لینا معمولی دل گردہ کے آدمی کا کام نہ تھا۔ دو لطیفے سنیئے:۔

ایک کانفرنس میں کسی جرنیل کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ وہ گولہ باری کے درمیان بھی بخوف وخطر دشمن کے سامنے گھومتا پھرتا ہے۔ اس پر ہٹلر نے کہا ـــــ "میں تو اس حالت میں ضرور پناہ تلاش کروں گا ـــــ میں صرف ایک جرنیل کو جانتا ہوں جو گولوں کی دناؤں میں اس طرح آزادی وبے خوفی سے گھومتا پھرتا تھا مگر وہ بہرا تھا۔"

انگریزوں کی وہ عموماً تعریف کرتا تھا۔ کہا کرتا تھا کہ "اینگلوسیکسن اقوام میں بہترین ہیں۔ وہ لڑتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے وطن کے لئے دل وجان سے لڑ رہے ہیں۔ انگریز غالباً اسی لئے کہتے ہیں کہ امریکنوں سے جب وہ چاہیں گے نپٹ لیں گے۔"

البتہ امریکنوں کا "ذکر خیر" اس کی کانفرنسوں میں کبھی اچھے الفاظ میں نہیں آیا۔ امریکنوں کے بارے میں جرمن ہائی کمان کا نظریہ تھا کہ اکثر امریکی سپاہی جنگ میں "روپیہ کمانے" "نئے نئے تجربات حاصل کرنے یا بس نئی نئی چیزیں دیکھنے کے لئے آگئے ہیں۔"

## اصولِ جنگ

ہٹلر کسی سپہ سالار کو زیادہ مدت تک محاذ کی کمان پر رکھے جانے کا حامی نہ تھا۔ العالمین کی شکست پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک کانفرنس میں اس نے کہا:۔

"میں سمجھتا ہوں کسی شخص کو اتنی مدت تک گرانبار ذمہ داری پر نہیں رکھنا چاہیئے۔ اس سے آدمی کے حواس اور اعصاب پر نہایت برا اثر پڑتا ہے۔

جو لوگ جنگ کے پیچھے کام کرتے ہیں ان کی دوسری بات ہے، مگر جو لوگ جنگ کے درمیان بیٹھ کر جنگ کی رہنمائی کرتے ہیں وہ اس اعصابی بوجھ کو دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔ اصول یہ ہونا چاہیئے کہ ایک سپہ سالار کو زیادہ مدت تک محاذ جنگ پر نہ رکھا جائے تاکہ کوئی نیا سپہ سالار نئی امنگ، نئی قوت اور اعتماد و امتیاز کے تازہ ولولے کے ساتھ اس کی جگہ لے سکے۔

.... یہ لہر گذر جائے تو میں کئی جرنیلوں کو محض اسی وجہ سے واپس بلا لینا چاہتا ہوں۔ میں بعض فیلڈ مارشلوں کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ کچھ عرصہ "فرلو" (چھٹی) پر رہیں اور تازہ دم ہو کر لوٹیں۔"

کسی خاص عہدے کے لیے کسی افسر کے انتخاب یا ترقی کے بارے میں ہٹلر کا معیار شجاعت و قربانی اور مقصد سے پُرخلوص وابستگی تھا۔ اس معاملے میں وہ اس بات کو بھی نظر انداز کر دیتا تھا کہ اس شخص نے اس خاص شعبے کی تربیت بھی حاصل کی ہے یا نہیں۔

ایک کانفرنس میں جنرل زیٹ زلرز ( ) نے ہٹلر کو بتایا کہ چیف آف اسٹاف کی حیثیت سے اس نے ایک ایسے افسر کو جنرل اسٹاف پر مقرر کر دیا ہے جو محض ایک انتظامیہ افسر تھا اور جنرل اسٹاف کے خاص فرائض کی کوئی سابقہ باقاعدہ تربیت نہیں رکھتا مگر اس نے اپنے ڈویژن کی پسپائی کو اس خوبی کے ساتھ سرانجام دیا تھا کہ جنرل سٹاف کے باقاعدہ افسروں کو بھی حیرت ہوتی تھی ——— اس پر ہٹلر نے کہا: ———

"بہت خوب کیا۔ دلیر اور بہادر لوگوں کو چن چن کر آگے لاؤ۔ ان لوگوں کو جو سپاہی کی طرح مرنا جانتے ہیں۔ زندگی نچھاور کر سکتے ہیں۔ آخر زندگی کیا ہے؟ قوم ہی تو دراصل زندگی ہے۔ فرد کو تو ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ قوم اس کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔"

ہوائی جہاز اور ٹینک کے جدید جنگ میں جیسا کہ اس سے پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔ ہٹلر رقبہ کی وسعت کو جنگ کے لئے نہایت ضروری سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک جو ملک رقبے میں چھوٹے ہیں خواہ اُن کی آبادی کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو نہ زیادہ دیر تک جنگ جاری نہیں رکھ سکتے۔ ایک کانفرنس میں اسی نظریہ کو ذرا پھیلا کر بیان کرتے ہوئے فیلڈ مارشل جوڈل سے کہا ــــ

"........ ایک بات بالکل صاف ہے۔ وہ یہ کہ کسی ملک کے باشندوں کی تعداد کے علاوہ اس کی علاقائی وسعت اس کا طول و عرض ــــ بھی بڑی اہم بات ہے۔ ذرا چین کو دیکھو، پانچ سالوں سے برابر لڑ رہا ہے۔ ملک کا ایک حصہ دوسروں کے قبضہ میں ہے مگر بنیادی ڈھانچہ پھر بھی قائم ہے۔ لطف یہ کہ ہتھیاروں کے بغیر لڑے جا رہا ہے۔ اگر ہم مزید علاقہ حاصل نہیں کر سکتے تو ہم ختم ہو جائیں گے۔ مستقبل کی لڑائیوں میں وہی ملک بچ سکے گا جو علاقائی وسعت رکھتا ہے۔ فرانس کی بدقسمتی یہی تھی۔ ہم نے اسے ایک دھاوے میں ختم کر دیا۔ چھ ہفتوں میں دم توڑ گیا۔"

بنابریں جنگ میں وہ ہمیشہ دھاوے اور پیش قدمی کے اصول کا قائل رہا۔ اپنے سپہ سالاروں سے وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ بہترین دفاع ــــ "پیش قدمی ہے۔ خوف کو خوف ہی کے ذریعہ ختم کیا جا سکتا ہے۔"

سیاسی جوڑ توڑ میں تو خیر ہٹلر کو اپنی صلاحیت پر بہت ہی زیادہ اعتماد تھا چنانچہ جنگ کے آخری مرحلوں میں بھی ذاتی طور پر وہ مایوس دکھائی نہیں دیتا۔ اسے پورا یقین تھا کہ ایک وقت آئے گا جب اتحادیوں کے باہمی اختلافات ناقابل برداشت ہو جائیں گے۔ اس کے نزدیک دُنیا کی تاریخ میں ایسا کوئی سیاسی گٹھ جوڑ نہیں جو ندیا بدیر ٹوٹ نہ گیا ہو ــــ برطانیہ کے متعلق وہ کہا کرتا تھا کہ برطانیہ اپنی تباہی کی طرف دوڑا چلا جا رہا ہے۔

بعد کے حالات ثابت کر رہے ہیں کہ ہٹلر کی رائے کچھ ایسی غلط نہ تھی۔ مگر خود جرمنی کی قوت اتحادی گٹھ جوڑ کے برہم ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ گئی۔

## جوش و عزم

دیوانہ وار جوش اور فولادی عزم ہٹلر کی شخصیت کے دو بہت نمایاں اوصاف تھے۔ ۱۹۴۵ء کے آغاز میں بھی وہ بدستور پُر امید نظر آتا تھا۔ اس کا ایمان تھا کہ جرمن قوم اگر جوش و عزم کے ساتھ مقصد پر قربان ہوتی جائے تو یہ ہاری ہوئی بازی اب بھی جیتی جا سکتی ہے۔ ایک کانفرنس میں اُس نے کہا:۔

"۱۹۴۱ء سے میرے اعصاب پر بے پناہ بوجھ چلا آ رہا ہے۔ میری کوشش رہی کہ میں اپنے حواس بجا رکھوں اور اپنا توازن درہم برہم نہ ہونے دوں۔۔۔ یہ جنگ میرے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں۔ میں ساری دنیا سے کٹ چکا ہوں۔ پانچ سال سے میں کسی تھیٹر میں گیا ہوں نہ میں نے کوئی فلم دیکھا ہے۔ میں صرف اس جدوجہد کی رہنمائی کے لئے جی رہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں فولادی عزم و ارادے کے بغیر یہ جنگ جیتی نہیں جا سکتی۔

۔۔۔۔ ہم اس جنگ کو بہر حالت جاری رکھیں گے۔ اگر ضرورت پڑی تو ہم رائن میں بھی لڑیں گے۔ لڑتے جائیں گے۔ اس وقت تک کہ فریڈرک اعظم کے الفاظ میں ہمارا دشمن تھک کر ہتھیار چھوڑ دے ——— ہم ایک ایسے امن کے آرزومند ہیں جس سے آنے والے سو سال کے لئے جرمن قوم کا مستقبل محفوظ ہو جائے۔

"۔۔۔۔ میں اگر مر جاتا تو میرے لئے موت کے اتنے ہی معنی تھے کہ مجھے ان عظیم ذمہ داریوں۔ گراں بار تفکرات اور بیدار راتوں سے نجات مل جاتی۔ چھٹی مل جاتی ——— ایک لحظہ اور انسان ہر چیز سے بے فکر و بے نیاز گہری نیند سو جاتا ہے۔"

# ڈوگلس میکارتھر

۱۸۹۹ء میں امریکہ کی عسکری تربیت گاہ ویسٹ پوائنٹ اکیڈیمی میں ۱۹ برس کا ایک نوعمر کیڈٹ داخل ہوا، اور اکیڈیمی میں آتے ہی اس لڑکے نے اپنے ہم سبقوں سے کہہ دیا کہ وہ اس ٹرم (          ) میں سب سے اوّل آنے کا عزم رکھتا ہے ہم سبقوں نے اس کی بات ہنسی میں اُڑا دی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ارکنساس (          ) سے آنے والا یہ لڑکا غیر معمولی خوبصورت اور چُست تھا۔ تاہم یہ کون کہہ سکتا تھا کہ وہ ضرور ہی اوّل آئے گا۔ پھر اپنے متعلق کسی کا خود کوئی ایسا دعویٰ کرنا؟

لیکن چار سال بعد ۱۹۰۳ء میں جب فائنل امتحان کا نتیجہ نکلا تو یہ لڑکا واقعی اپنی ٹرم میں اوّل نکلا۔ صرف اوّل ہی نہیں بلکہ وہ پچھلے کئی سالوں کا ریکارڈ بھی مات کر گیا تھا۔ کیڈٹ نے اپنی بات پوری کر دکھائی تھی۔ یہ لڑکا ڈوگلس میکارتھر تھا۔ جس نے بعد میں جنرل ڈوگلس میکارتھر کے نام سے امریکہ کی عسکری تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔

اکیڈیمی کے زمانہ میں ڈوگلس خوبصورت ترین کیڈٹ سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ عنفوان شباب ہی میں چھ سات مختلف لڑکیوں سے اس کی دوستی بھی ہو گئی تھی۔ ان سے نسبت بھی طے ہو گئی لیکن ہر قصے میں نہ جانے کیا پیچ درمیان آپڑا کہ شادی کہیں بھی نہ ہو سکی۔

وہ اکیڈیمی کا ممتاز ترین کیڈٹ تھا۔ خوش لباس۔ خوش گفتار اور نہایت عمدہ کھلاڑی۔ دوڑ اور ورزشی مظاہروں میں بھی اس نے خاصہ نام پیدا کر لیا تھا۔ فٹ بال ٹیم کی کپتانی جو ان دنوں اکیڈیمی کا ایک بڑا اعزاز تھا۔ اسے حاصل ہوا۔

ٹرم میں اوّل آنے کے علاوہ اکیڈیمی کے ہم سبقوں سے وہ اکثر یہ بھی کہا کرتا تھا کہ وہ ایک دن امریکہ کا چیف آف اسٹاف بن کر رہے گا جو امریکی فوج میں سب سے بڑا منصب ہے۔ اتفاق دیکھئے۔ اپنی نسبت میکارتھر کی پیشگوئی بھی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ وہ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء تک امریکہ کا چیف آف اسٹاف رہا۔ چار سٹاروں والا جنرل ڈوگلس میکارتھر۔

## خاندانی سپاہی

ڈوگلس میکارتھر ۲۶ جنوری ۱۸۸۰ء کو ارکنساس میں پیدا ہوا سپاہ گری کا شوق اسے اپنے باپ کی طرف سے ورثہ میں ملا ہے۔ ڈوگلس کے والد جنرل آرتھر میکارتھر جس کا انتقال ۱۹۱۲ء میں ہوا۔ امریکہ کے نامور سپہ سالاروں میں سے تھے۔ جنرل آرتھر میکارتھر فلپائن کے پہلے امریکی گورنر تھے۔ فلپائن کی تاریخ میں آگے چل کر آرتھر کے بیٹے ڈوگلس میکارتھر نے بھی ایک تاریخی حصہ لیا۔

جنرل آرتھر میکارتھر اپنی دلیری و بے خوفی کے لئے امریکی فوج میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ وہ سترہ برس کی عمر میں فوج میں بھرتی ہوئے اور چار سال کی مدت میں لفٹنٹ کرنل بھی ہو گئے مگر امریکی جنگ کے ان چار سالوں میں چار مرتبہ زخمی ہوئے۔ جنرل آرتھر نے امریکہ کا سب سے بڑا اعزاز "کانگرس میڈل" بھی حاصل کیا۔

میکارتھر کی والدہ بھی بڑی عالی ہمت خاتون تھیں۔ وہ آخر دم تک بیٹے کے ساتھ رہیں اور ۱۹۳۵ء میں ۸۲ برس کی عمر پا کر منیلا میں انتقال کیا۔ میکارتھر کو بھی اپنی والدہ کے ساتھ بے انتہا محبت تھی۔ ہر اہم معاملے میں ان سے صلاح مشورہ کرتا۔ بیان کیا گیا ہے کہ میکارتھر جن دنوں چیف آف اسٹاف تھا دوپہر کے کھانے کے بعد بلاناغہ ایک گھنٹہ تک ماں کی خدمت میں حاضری دینے کے بعد دفتر واپس آتا تھا۔ ایسے والدین کے زیر سایہ میکارتھر کی تربیت ہوئی۔

## فوج میں

۱۹۰۳ء میں سکنڈ لفٹنٹ میکارتھر اپنے والد کی کمان میں پہلے جاپان اور پھر فلپائن میں خدمت انجام دے رہا تھا۔ جاپان اور روس کی جنگ چھڑی تو میکارتھر کچھ مدت تک جاپانیوں کی طرف سے روسیوں کے خلاف لڑتا رہا اور اس بے جگری سے لڑا جیسے سچ مچ اپنی ذاتی لڑائی لڑ رہا ہو۔

فلپائن سے واپسی پر کپتان میکارتھر کچھ مدت تک صدر جمہوریہ امریکہ کا ایڈی سی (                ) رہا۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد۔ بہترین کٹ بوٹ کی وردی اور بھرپور شباب ــــ میکارتھر مردانہ حسن و وقار کا ایک بیحد جمیل پیکر تھا۔

اتنے میں جنگ عالمگیر کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم کپتان میکارتھر کو جنرل فن سٹن (                ) کی فوجوں میں شامل دیکھتے ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں جب وہ "رین بو ڈویژن (                ) کے ساتھ فرانس کے محاذ پر لڑ رہا تھا تو وہ اس مشہور ڈویژن کا مشہور ترین افسر تھا۔ اس وقت تک اس کی شجاعت و دلاوری اور دلیرانہ رہنمائی کے چرچے امریکی فوج میں دُور دُور تک پھیل چکے تھے۔ میکارتھر کے متعلق ان دنوں اکثر کہا جاتا تھا:۔

"جرمنوں کے پاس کوئی گولی نہیں جس پر میکارتھر کا نام لکھا ہوا ہو۔"

## جنگ کے بعد

دوسری عالمگیر جنگ میں میکارتھر کی شجاعت و صلاحیت کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ وہ امریکی فوج کے کئی اعزازات یکے بعد دیگرے جیت چکا تھا۔ اور جنگ کے خاتمہ پر پہلے کرنل اور پھر بریگیڈیر بنا دیا گیا۔

خاتمۂ جنگ پر میکارتھر کو ویسٹ پوائنٹ کمپنی کا سپرنٹنڈنٹ (کمانڈنٹ) مقرر کیا گیا۔ ۱۹۲۵ء میں میجر جنرل اور ۱۹۳۰ء میں صدر ہربرٹ ہوور نے میکارتھر کو چار ستاروں والا جرنیل بنا کر امریکہ کے چیف آف سٹاف کا عہدہ دیا جس پر وہ ۱۹۳۵ء تک فائز رہا ــــ میکارتھر امریکہ کا سب سے کم عمر چیف آف سٹاف تھا۔ اور یہ امتیاز غالباً اب تک قائم ہے۔

۱۹۳۵ء میں صدر جمہوریہ فلپائن کی درخواست پر امریکی فوج سے سبکدوش ہو کر میکارتھر فلپائن چلا گیا۔ جہاں فلپینی فوج کی جدید شیرازہ بندی کا کام اس کے سپرد ہوا۔ حکومت فلپائن نے میکارتھر کو اپنی فوج میں فیلڈ مارشل کا رُتبہ دیا۔ وہ

فلپائن ہی میں تھا کہ دوسری جنگ عالمگیر چھڑ گئی اور بحرالکاہل کی امریکی کمان میکارتھر کو تفویض کردی گئی۔

دوسری جنگ کے آغاز میں اپنی تھوڑی سی قوت اور بیحد محدود وسائل کے ساتھ میکارتھر نے جس ہوشیاری دلیری اور مہارت کے ساتھ جاپانیوں کو ۸ دسمبر ۱۹۴۱ء سے مئی ۱۹۴۲ء تک بحرالکاہل کے جزیروں میں اُلجھائے رکھا۔ حرب وضرب کی تاریخ میں یہ ایک یادگار کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ مبصرین جنگ کے نزدیک اگر میکارتھر جاپانی پیش قدمی کے طے شدہ پروگرام کو یُوں درہم برہم نہ کردیتا تو دوسری جنگِ عالمگیر کی تاریخ کچھ اور طرح لکھی جاتی۔ واقعہ یہ ہے کہ میکارتھر کی جنگی بصیرت نے آسٹریلیا کو اس کی تاریخ کی عظیم ترین تباہی سے بچالیا۔

جاپان کے ہتھیار ڈالنے کے بعد اس ملک پر فاتحانہ تسلّط اس زمانے کی سرگرمیاں اور اس کے بعد کوریا میں اقوام متحدہ کی فوجوں کی قیادت ریڈیون کی ڈرامائی فتح اور پھر امریکی حکومت سے اختلاف اور نتیجۃً کمان سے دستبرداری کے واقعات ابھی اتنے تازہ اور اس قدر مشہور ہیں کہ کسی تبصرے کے محتاج نہیں۔

## شخصیّت

گذشتہ دونوں بڑی جنگوں میں جتنے بڑے سپہ سالار عام سپاہیوں کی صفوں میں سے اُبھر کر سامنے آئے اور شہرت و ناموری کی انتہائی بلندیوں پر پہنچے ہیں۔ میکارتھر کی شخصیت ان سب سے زیادہ معرضِ بحث واختلاف رہی ہے اس کی سپاہیانہ زندگی کا تمام راستہ بڑے شدّومدّ کے اختلافات سے بھرا پڑا ہے۔ چھوٹی موٹی اندرونی و مقامی بحثوں سے قطع نظر جاپان اور کوریا کے معاملات میں اس کی ذات بعض تیز و تلخ بین الاقوامی اہمیّت کے مباحث کا باعث بن گئی ہے۔ وہ بارہا بیگانوں سے زیادہ اپنوں کی طرف سے ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے اس کی شخصیت اور کردار خصوصی مطالعہ کا مستحق ہے۔ میکارتھر ایک

غیر معمولی سپہ سالار ہے۔

میکارتھر کے مختلف سوانح نگاروں نے ایک عجیب و غریب انسان کی تصویر پیش کی ہے۔ واقعات کی روشنی میں وہ ایک ایسا شخص نظر آتا ہے جس سے اگر بعض لوگ اندھا دھند محبت کرتے ہیں تو بعض بے اندازہ نفرت۔ محبت اور نفرت کے درمیان آپ اُسے کوئی مقام دے ہی نہیں سکتے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں خود اُس کا اپنا طرزِ عمل یہی ہے۔ جن افسروں نے اُس کے ماتحت کام کیا ہے وہ عموماً کہتے ہیں۔ "میکارتھر نااہلی کو کسی حد تک برداشت کر لیتا تھا۔ مگر بے وفائی و غداری کا ایک سایہ تک بھی اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھا"۔ وہ "سو فیصدی اعتماد" کا قائل ہے۔ وہ اپنی ذات پر بھی سو فیصدی اعتماد رکھتا تھا۔ خوب غور و فکر کے بعد جب وہ ایک فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر چٹان کی طرح اس کی صداقت پر جما رہتا ہے۔ اسی "خود اعتمادی" کو اُس کے بعض نقاد "خود پسندی" سے تعبیر کرتے ہیں۔

## طریق کار

لیکن اس "خود اعتمادی" کے یہ معنی نہیں کہ وہ کوئی ڈکٹیٹر قسم کا سپہ سالار تھا۔ اس کی زندگی اور اس کا طریق کار ایسے شبہات کی تردید کرتا ہے۔ اس سلسلے میں میکارتھر کے فضائی بیڑے کے کمانڈر جنرل کینی کی یہ شہادت دلچسپی سے پڑھی جائے گی۔ جنرل کینی نے فضائی بیڑے کی کمان سنبھالنے سے پہلے میکارتھر سے بعض خاص اختیارات کا مطالبہ کیا تھا۔ جس کے جواب میں میکارتھر نے کہا :-

"میری طرف سے تمہیں کھلی چھٹی ہے۔ تم جسے چاہو رکھو، جسے چاہو واپس بھیج دو۔ جہاں تک تمہارے ہوابازوں کا تعلق ہے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ ان کا لباس کیسا ہے، وہ ڈھنگ سے سیلوٹ کرتے ہیں یا نہیں۔

میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ جاپانی طیاروں کو
گراتے اور جہازوں کو غرق کرتے چلے جائیں۔"

گویا جسے اعتماد کے لائق سمجھتا اس پر کامل اعتماد کرتا تھا اور اس کو کام کرنے کا پورا موقع دیتا تھا۔ مزید برآں ماتحتوں کی معمولی کارگذاریوں پر بھی ان کی تعریفوں کے پُل باندھ دیتا۔ شاباش دیتا۔ ان کی حوصلہ افزائی کرتا۔ اور اگر توقع پوری نہ ہوتی یا کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو اس کا رویہ ہمیشہ ہمدردانہ ہوتا تھا۔ میکارتھر کا عمومی طریق کار یہ تھا کہ وہ اپنے ماتحتوں کی رہنمائی کرتے ہوئے انہیں آگے لے جاتا تھا۔ انہیں کھینچے کھینچے نہیں لئے پھرتا۔ ساتھ ساتھ لے کر چلتا تھا۔ سٹاف کے ساتھ روزمرہ کے معاملات میں بھی وہ بہت زیادہ احکامات صادر کرنے کا عادی نہ تھا۔ بلکہ باتوں باتوں ہی میں ماتحتوں پر اپنا نقطہ نظر واضح کر دیتا تھا۔ ادق سے ادق مسئلے پر وہ اس قدر صاف اور سلجھی ہوئی گفتگو کرتا کہ ماتحت کو اس بارے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا تھا کہ اس معاملے میں میکارتھر کی رائے یا خواہش کیا ہے؟

اونچی کانفرنسوں میں بھی اس کا انداز یہی تھا۔ بڑے اطمینان۔ ٹھیراؤ اور سلجھاؤ کے ساتھ بات کرتا اور مختلف و متضاد آرا کے سمندر میں بحث کو اس انداز سے فیصلہ کن مرحلہ پر لے جاتا کہ جو فیصلہ بھی ہوتا ہر کسی کو وہ اپنا فیصلہ معلوم ہوتا۔ البتہ جہاں صورتِ حال متقاضی ہوتی بعد میں انتہائی قطعیت کے ساتھ وہ اپنا فیصلہ بھی صادر کر دیتا جن میں سے بعض ممکن ہے غلط بھی ہوں لیکن اس بات پر سب کو اتفاق ہے کہ نازک ترین مرحلوں پر میکارتھر کے فیصلے ایک عظیم سپہ سالار کے شایان ہوتے تھے۔

ایک واقعی بڑے آدمی کی طرح جب اسے اپنی کسی غلطی کا احساس ہو جاتا تو اس کے اعتراف میں بھی اس نے کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

## تین باتیں

اچھی وردی اور اچھے لباس کا اسے جنون تھا۔ میدانِ جنگ میں بھی اُس کے

بوٹوں کا پالش ہمیشہ تابدار ہوتا تھا اور برجس ایسی ہوتی کہ جیسے وہ میدانِ جنگ میں نہیں بلکہ کسی مجلسی تقریب میں شامل ہے۔ اس کا قول ہے کہ "جنگ ہو یا امن ایک سپاہی کو ہر حالت میں سپاہی نظر آنا چاہیئے"۔

میکارتھر کو ہم "خوبصورت۔ دلیر۔ اور مؤثر جرنیل کہہ سکتے ہیں۔ اس کے مردانہ حسن اور وقار کا سرسری تذکرہ اُوپر آ چکا ہے۔ شجاعت و بے خوفی کے سلسلے میں اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس خوبی کی بدولت اُس نے امریکی فوج کا ہر امتیاز حاصل کیا۔ اس کا یہ وصف بڑھاپے تک پوری سپاہیانہ آن بان سے قائم تھا۔ چنانچہ جاپان ایسے "جنونیوں" کے ملک پر جب تسلط کا مرحلہ درپیش تھا تو میکارتھر پانچ سو سپاہیوں کے ہمراہ خود جاپان کے ساحل پر جا اُترا۔

جذب و تاثیر کے معاملے میں میکارتھر کی بے پناہ قوت خطابت بطور خاص قابلِ ذکر ہے۔ اس کی تقریر میں خلوص کا عنصر بہت نمایاں ہوتا ہے۔ سننے والا یوں محسوس کرتا ہے جیسے ایک ایک لفظ کے ساتھ اس کی روح کھنچی چلی آ رہی ہے۔ منیلا اور کوریا میں میکارتھر کی بعض تقریریں اس دَور کی تاریخی تقریروں میں شمار ہوتی ہیں۔ سیول میں داخلے پر میکارتھر کی تقریر کے بعد اتحادی کوریا کا صدر سنگمن ڈری جب جواب دینے کے لئے اُٹھا تو رقتِ جذبات کے باعث بول نہ سکا۔

میکارتھر کو خلوص و تاثر آفرینی کا یہ جوہر بھی اپنے جلیل القدر باپ سے ورثے میں ملا تھا۔

یہاں ڈوگلس میکارتھر کی ایک تقریر کا مختصر سا اقتباس درج کرنا دلچسپی کا باعث ہوگا۔ "زین بوڈویژن" کی برسی (۱۹۳۵ء) پر تقریر کرتے ہوئے میکارتھر نے امریکی سپاہی کو ان الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا:

"امریکی سپاہی تعریف کا محتاج نہیں۔ اسے اس کی ضرورت نہیں۔
وہ اپنی تاریخ خود لکھ چکا ہے۔ دشمن کے سینے پر خون کے حروف میں
—— لیکن جب مشکلات میں اس کی استقامت اور فتح و کامیابی

کے بعد اس کے انکسار و تحمل کو دیکھتا ہوں تو میرا دل ایک ناقابلِ اظہار جذبہ سے لبریز ہو جاتا ہے۔

اسے کسی یادگار یا مجسّے کی ضرورت نہیں۔ وہ ان شعلوں میں روشن ہے جو میرے اہلِ ملک کی روحوں میں فروزاں ہیں۔ اس کے مجسّے لوگوں کے دلوں میں نصب ہیں ـــــ آج بے اختیار مجھے وہ جری نوجوان یاد آرہے ہیں جو ہمارے ساتھ میدانِ جنگ میں گئے تھے اور وہیں کام آگئے۔ میں ان کی ولادت کی عظمت سے واقف نہیں ہوں مگر ان کی موت کی عظمت سے واقف ہوں ـــــ یہ لوگ کسی شکایت یا تامل کے بغیر موت سے ہم آغوش ہو گئے۔ ان کے دل اس یقین سے روشن تھے کہ ہم ـــــ ان کے ساتھی ـــــ مکمل فتح کی طرف بڑھ رہے ہیں۔"

یہ ہے امریکہ کا نامور ترین سپہ سالار جنرل ڈوگلس میکارتھر ـــــ ایک لائقِ پرستش ہیرو۔ ایک قابلِ مذمت شخصیت خود امریکنوں کے نزدیک۔

# افسانوی جرنیل ـــــ رومیل

"لڑائی وہیں ہے جہاں رومیل ہے اور جہاں رومیل ہے وہاں فتح ہے"۔۔۔ شمالی افریقہ کے صحرائی معرکوں میں یہ جملہ ہر جرمن سپاہی کی زبان پر تھا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جرمن افریقہ کور کو اپنے سپہ سالار فیلڈ مارشل رومیل پر اندھا دھند اعتقاد تھا۔ جرمن سپاہی رومیل پر فخر کرتے تھے۔ اس سے عشق کرتے تھے۔ "وہ ایک عجیب جادو ہے"۔

یہ ایک اور جملہ ہے جو جرمن سپاہیوں کی زبانوں پر اکثر جاری رہتا۔

اور اس "جادو" کا اقرار دشمنوں کو بھی تھا۔ لیبیا میں جب فیلڈ مارشل (اس وقت جنرل) سر کلاڈ آکنلک نے اتحادیوں کی مشہور آٹھویں فوج کی کمانِ اعلیٰ سنبھالی تو انہوں نے دیکھا کہ رومیل کا نام خود اُن کی فوج میں خوف و دہشت اور نصرت و کامیابی کی علامت بنا ہوا تھا۔ اتحادیوں کے حوصلے (مورال) کا یہ عالم تھا کہ رومیل کے پنزر (                ) دستوں کا نام سُن کر اُن کے اوسان خطا ہو جاتے تھے۔ عام سپاہیوں کے دل میں یہ خیال گھر کر چکا تھا کہ ٹیونس سے بہتا ہوا جو دریائے رواں قاہرہ کی طرف اُمنڈا آ رہا ہے وہ اب روکے نہیں رُک سکتا۔ اتحادی فوج پر یہ احساس کمتری اس قدر حاوی تھا کہ جنرل آکنلک کو آتے ہی رومیل کی نسبت اپنے کمانداروں کے نام ایک عام مراسلہ جاری کرنا پڑا۔ آپ لکھتے ہیں :-

"ہمارا دوست رومیل ہمارے سپاہیوں کے لیے بھی "جادوگر" بنتا جا رہا ہے۔ وہ اس کا بہت تذکرہ کرنے لگے ہیں۔ یہ ایک خطرناک رجحان ہے۔ رومیل ایک لائق اور ہوشیار سپہ سالار ضرور ہے مگر کسی طرح بھی فوق العادۃ شخصیت نہیں۔ اگر ایسا ہوتا۔ جب بھی ہمارے سپاہیوں کے لیے مناسب نہ تھا کہ وہ غیر فطری باتیں اس سے منسوب کرتے۔ اس وقت جو اہم بات ہمیں دیکھنی ہے وہ یہ ہے کہ لیبیا میں جب بھی ہمیں دشمن کا تذکرہ کرنا مقصود ہو تو ہم رومیل کا نام

ہرگز نہ لیں۔ مثال کے طور پر ہم انہیں جرمن یا محوری کہہ سکتے ہیں ــــ ہر وقت رومیل کے نام کی گردان کرتے رہنا ضروری نہیں۔"

## سپاہی کا سپاہی کو خراج

جنگ کے بعد وہی فیلڈ مارشل آکنلک جو برطانیہ کے چند ممتاز ترین سپہ سالاروں میں شمار ہوتے ہیں اور افریقہ کی صحرائی جنگ میں رومیل کے مدمقابل تھے۔ ایک کتاب میں (رومیل از برگیڈیر ڈیسمنڈ ینگ) اپنے سب سے بڑے حریف رومیل کی نسبت یوں رقمطراز ہیں :۔

ایک وقت تو رومیل کا نام خود ہمارے سپاہیوں میں بھی ایک طلسمی نام کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ ایسی شہرت صرف کوئی غیر معمولی سپہ سالار ہی حاصل کر سکتا ہے۔ اور رومیل واقعیٔ ایک غیر معمولی سپہ سالار تھا۔ جرمنی نے کئی اعلیٰ پایہ کے جرنیل پیدا کئے ہیں مگر رومیل سب سے ممتاز ہے۔"

اور پھر کچھ آگے چل کر :۔

"مجھے ہمیشہ محسوس ہوا کہ جرمن افریقہ کور کے جونیئر افسر پلاٹون، کمپنی اور بٹالین کمانڈر فن حرب وضرب کے داؤ پیچ میں ہمارے افسروں کی نسبت زیادہ مہارت وبصیرت رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ ہمارے آدمیوں نے بھی ماحول کے مزاج کو سمجھ لیا اور وہ جرمنوں کے دانت کھٹے کرنے لگے تھے لیکن اعلیٰ فوجی سرداروں میں ــــ رومیل تک کوئی نہیں پہنچتا۔ ہم اس کی زندگی اور طریق کار کے مطالعہ سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔"

اور پھر رومیل کے متعلق اپنے ذاتی تاثرات لکھتے ہوئے :۔

"رومیل سے میرا اپنا واسطہ ۴۲-۱۹۴۱ء میں افریقہ کے مغربی

صحراؤں میں پڑا۔ اس کی وجہ سے مجھے اور میرے ماتحتوں کو زندگی کے بعض تشویشناک لمحوں میں سے گذرنا پڑا۔ ہمارا مقصد اسے تباہ کرنا تھا اور وہ ہماری تباہی کے درپے تھا۔ اس کوشش میں کسی قسم کی رُو رعایت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ لیکن اب کہ وہ اس دنیا سے اُٹھ چکا ہے۔ ایک سپاہی کی حیثیت سے میں رومیل کو سلام کرتا ہوں۔ یقیناً اس میں ایسی خوبیاں تھیں جن کی آرزو ہر بڑے سپہ سالار کو ہوتی ہے ــ"

## دوسرا نپولین

۱۹۱۴ء اور اس کے بعد ۱۹۳۹ء کی دونوں عالمگیر لڑائیوں میں مجموعی طور پر جن جرنیلوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی اُن میں گجنسر۔ فوش۔ پٹیان۔ ہنڈن برگ۔ ہیگ پلومر۔ ایلن بی۔ الیگزنڈر۔ منٹگمری۔ آئزن ہاور۔ میکارتھر۔ آکنلک۔ ویول۔ رن سیٹڈ کے نام بہت اُونچے ہیں۔ مگر رومیل کی شہرت اور ہردلعزیزی اُس کے کارناموں اور اُس کی طلسمی شخصیت کو ان میں سے کوئی بھی نہیں پہنچ سکا۔ بعض مبصرین حرب و ضرب کی رائے ہیں نپولین کے بعد رومیل سب سے بڑا جرنیل گذرا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس رائے میں جذباتی مغالطے کا شائبہ ہو۔ نقاد ایک دوسرے سے اختلاف کرسکتے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کا کسی ایک نقطے پر جمع ہونا ہی ناممکن ہے۔ ادب اور آرٹ کی طرح فنِ حرب و ضرب میں بھی نظریاتی بحثوں کی کوئی انتہا نہیں ــ معیاروں۔ اصولوں کی کمی نہیں۔ اور ان میں سے بعض اُصولوں کی روشنی میں بعض نقاد رومیل کو "ایک احمق مگر خوش قسمت سپہ سالار بھی سمجھتے ہیں جو جنگ کے پانسہ پر اندھا دھند داؤ پر داؤ لگاتا چلا جاتا تھا" تاہم اس بارے میں ردّ و اختلاف کی گنجائش نہیں کہ گذشتہ جنگ میں ایک ہیرو کی حیثیت سے جو شہرت اُسے ملی وہ کسی دوسرے کے حصّے میں نہ آسکی ــ یہ کوئی معمولی بات نہیں ــ

## جرمن پروپاگنڈا

بعض حلقوں کے نزدیک رومیل کی یہ شہرت دراصل جرمن پروپاگنڈا کی پیداوار تھی۔ ان کے خیال میں ہٹلر اپنی طرف سے ایک ہیرو "گھڑ" کر میدانِ جنگ میں اتارنا چاہتا تھا۔ اور اس مقصد کے لئے اس نے رومیل کو منتخب کیا۔

یہ خیال درست نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہٹلر رومیل کو بہت پسند کرتا تھا مگر یہ پسندیدگی اس کے کارناموں کی وجہ سے تھی۔ کیا مسٹر چرچل الگزنڈر اور منٹگمری سے خوش نہ تھے۔؟ کیا اُن کی جنگی یادداشتوں کی چاروں جلدوں میں اُن کے تعریفی تذکرے پھیلے ہوئے نہیں ہیں؟ پھر رومیل کی سابقہ سپاہیانہ اور عام زندگی میں یہ بات صاف طور پر نظر آتی ہے کہ اونچے نازی لیڈروں کے ساتھ اس کے کوئی خاص دوستانہ مراسم و روابط نہ تھے۔ اس کے برعکس وہ بعض چوٹی کے نازی لیڈروں کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ اور نازی "سول فوج" سے اسے خاص نفرت تھی۔ مزیدبرآں جرمن کمانڈ میں کیٹل اور جوڈل ایسے بااثر فیلڈ مارشل۔ رومیل کے خلاف تھے۔ اس کی کامیابیوں سے جلتے تھے۔ اور ہٹلر کو اُس کے خلاف برابر اُکساتے رہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ رومیل نے محض اپنی حربی بصیرت اور میدانِ جنگ میں اپنی برق رفتار پیش قدمی کی وجہ سے ہٹلر کی توجہ اس کی شفقت اور سرپرستی حاصل کی تھی۔

## زندگی

آئیے اب اس عظیم الشان سپہ سالار کی زندگی پر ایک نظر ڈالیں۔

دوسری جنگِ عظیم سے پہلے جرمنی کے فوجی حلقے رومیل کو ایک اعلیٰ سپاہی کی حیثیت سے جانتے تھے۔ پہلی جنگ میں دلیری و شجاعت کے لئے وہ جرمن فوج کے بعض بڑے اعزازات بھی حاصل کرچکا تھا۔ مخصوص حلقوں میں اس کی حربی

صلاحیت و بصیرت کی بھی اتنی دھاک تھی کہ جب وہ ابھی محض کپتان تھا تو اچھے اچھے جرنیل اس سے مشورہ کرتے تھے لیکن جرمنی سے باہر اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ جنگ شروع ہوتے ہی پہلے پولینڈ کے محاذ سے پھر فرانس کے معرکے میں اس کا نام شہرت کے افق پر بڑی تیزی سے اُبھرنا شروع ہوا اور پھر افریقہ میں تو خیر یہ آفتاب اپنے نصف النہار پر جا پہنچا۔

## سفید ریچھ

رومیل ۱۵ نومبر ۱۸۹۱ء کو الم (                ) کے نواح میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس کا والد اور دادا دونوں سکول ماسٹر تھے۔ رومیل کے چار اور بھائی بہن تھے جن میں سے کوئی بھی زندگی کے کسی شعبے میں شہرت حاصل نہ کر سکا۔ گھر والے اسے پیار سے "سفید ریچھ" کہتے تھے۔

برگیڈیر ڈیسمنڈ ینگ نے رومیل کی زندگی کے جو حالات جرمنی میں جا کر معلوم کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن اور نوعمری کے زمانے کا رومیل افریقہ کور کے جنرل رومیل سے بہت ہی مختلف تھا۔ اس کے بچپنے سے یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر ایک بڑا سپہ سالار بننے والا ہے۔ اس میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ وہ کم گو تھا۔ آہستہ بولتا تھا اور سوچ سوچ کر بولتا تھا۔ طبیعت میں ناہمواری نہیں تھی مگر ہاں فطرتاً دلیر ضرور تھا۔

سکول میں وہ ایک پھسڈی طالب علم سمجھا جاتا تھا۔ کتابوں میں دلچسپی تھی نہ کھیل کُود سے شغف۔ ورزشی قسم کا گھٹا ہوا جسم بنانے کا بھی اسے کوئی شوق نہ تھا مگر جب وہ چودھویں سال میں پہنچا تو اس کی شخصیت جیسے ایکا ایکی بدلنا شروع ہو گئی۔ اب وہ تعلیم میں زیادہ دلچسپی لینے لگا۔ امتحانوں میں بہتر نمبروں سے پاس ہونے لگا اور ورزش کا شوق بھی پیدا ہو گیا

# فوج میں

سکول میں ثانوی تعلیم ختم کرنے کے بعد جب زندگی کے لئے کام کرنے کا سوال سامنے آیا تو رومیل فوج میں جا بھرتی ہوا، حالانکہ ان کے خاندان کے کسی فرد نے اس سے پہلے کبھی فوج کی ملازمت نہیں کی تھی۔ یہ گھرانا فوجی روایات سے قطعاً نابلد تھا! اعلیٰ سیاسی یا فوجی حلقوں میں ان کا قطعاً کوئی رسوخ نہ تھا۔ رومیل جب بھرتی ہو رہا ہوگا اُسے کیا معلوم تھا کہ وہ ایک دن اتنا بڑا سپہ سالار ہو گا کہ امیر کبیر جرمن خاندانوں کے بڑے بڑے جرنیل اس کے ماتحت ہوں گے۔ دراصل کسی کو بھی اس وقت ایسی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جرمن فوج میں اعلیٰ خاندانوں اور خاندانی اثر و رسوخ کا بڑا زور تھا۔ جرنیلی عہدے چند خانوادوں تک محدود تھے۔ ترقی کے زینے صرف امیر لوگ طے کر سکتے تھے۔ رومیل کو اپنا راستہ خود بنانا تھا۔ جو کچھ لینا تھا اپنی صلاحیت سے لینا تھا۔ اور اس کے لئے اس وقت کپتانی یا میجری بھی بڑی چیزیں تھیں۔

رومیل ۱۹ جولائی ۱۹۱۰ء میں رینکس میں بھرتی ہوا۔ اور جنوری ۱۹۱۲ء میں اسے افسری کمیشن مل گیا۔ اسی دوران میں وہ اپنے محکمانہ امتحانات امتیاز کے ساتھ تو نہیں مگر اوسط درجہ سے برابر پاس کرتا جا رہا تھا

افسر کی حیثیت سے اس کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ ابتدا میں رنگروٹوں کی سکھلائی کا کام اس کے سپرد ہوا۔ وہ اپنے کام میں گہری دلچسپی ضرور لیتا تھا مگر کوئی غیر معمولی بات ابھی تک نظر نہ آتی تھی۔ وہ ایک محنتی اور مستعد افسر تھا۔ بس۔ اپنے سپاہیوں کے ساتھ اس کا رویہ ہمدردانہ تھا۔ وہ خود اُن کے ساتھ کم باتیں کرتا تھا، اُن کی باتیں زیادہ سنتا تھا۔ اور اس کا یہ انداز عمر بھر قائم رہا۔ شراب سگریٹ پینے تک کا روادار نہ تھا۔ اور شام کے اندھیرے کے بعد اس وقت کے نوجوان جرمن افسر جن رنگین مشاغل میں عام دلچسپی رکھتے تھے اُسے ان مشاغل

میں قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی ـــــ اس کی زندگی میں صرف ایک ہی عورت نظر آتی ہے جو اُس کی بیوی تھی۔

رومیل کے ہم عمر افسر اسے ضرورت سے زیادہ سنجیدہ سمجھتے تھے۔ مگر سبھی اس کی عزت کرتے تھے۔ اپنی مجلسی و تفریحی سرگرمیوں سے مجبور ہو کر بسا اوقات اپنی ڈیوٹی رومیل کے سر تھوپ دیتے تھے۔

کچھ مدت تک وہ ایڈجوٹنٹ بھی رہا اور بڑا کامیاب ایڈجوٹنٹ ثابت ہوا۔ اس زمانہ میں اس نے گھوڑسواری میں خوب مہارت پیدا کر لی تھی۔

## پہلی جنگ

پہلی جنگ شروع ہوئی تو رومیل کی شخصیت چمکنے لگی۔ اس کے جوہر کھُلنے لگے۔ اس کے ساتھی افسروں کا کہنا ہے۔ وہ محض فرض کے طور پر نہیں لڑتا تھا۔ بلکہ دل وجان سے لڑائی میں کُود جاتا تھا۔ میدانِ جنگ میں وہ حیرت انگیز طور پر متوازن۔ ہوشیار اور ان تھک ثابت ہوا۔ اس کی قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ پر لوگ دنگ تھے۔ جس گھاٹی کو سر کرنے کا فیصلہ کیا اسے سر کر کے چھوڑا۔ اپنی کمپنی کے ساتھ اس نے ایسے کئی کارنامے سرانجام دئے جن کی ہر محاذ پر شہرت ہوئی۔ کئی مرتبہ زخمی ہو کر ہسپتال میں پہنچا مگر ابھی پوری طرح تندرست نہ ہوتا تھا کہ پھر میدانِ جنگ میں موجود اس کا اصل مقام میدانِ جنگ ہی تھا۔

۲۹ جنوری ۱۹۱۵ء کو فرانس کے محاذ پر آئرن کراس حاصل کیا۔ وہ افسروں سے زیادہ سپاہیوں میں مقبول تھا۔ رومیل کے ایک ساتھی (                    ) ایل ڈنگر کے بیان کے مطابق جو دوسری جنگ میں اس کا باڈی گارڈ بھی رہا۔ رومیل اس طرح دل وجان سے لڑتا تھا کہ جس بازو پر وہ ہوتا کمان افسر اس بازو سے بے فکر ہو جاتا تھا۔

یہ تھا نوجوان سپاہی رومیل۔

میدانِ جنگ میں سپاہی کی زندگی کا ایک اور رُخ بھی تو ہوتا ہے؟ پلٹن ہر وقت صفِ اوّل ہی میں تو نہیں رہتی؛ تکان اُتارنے اور تازہ دم ہونے کے لئے اُسے آرام کے وقفے بھی ملتے ہیں جو سپاہیوں کے لئے بے حد حسین و دل آویز ہوتے ہیں لیکن رومیل کی زندگی کا یہ رُخ جیسے تھا ہی نہیں۔ اسے شراب و شاہد اور شہر کے "پچھلے کوچوں" سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ان وقفوں میں بھی جنگ ہی کے نقشے اور منصوبے سوچتا رہتا تھا۔ تاہم اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ کوئی خشک روکھا پھیکا آدمی تھا۔ سپاہیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے، اُنہیں خوش رکھنے اور خوش کرنے میں اُسے خوشی حاصل ہوتی تھی۔ ویسے جنرل منٹگمری کی طرح اس کی توجہ اور دلچسپی کا سب سے بڑا مرکز خود اس کا "پیشہ" (　　　　) تھا۔ البتہ منٹگمری اپنے سکول کے دنوں میں ایک اچھا کھلاڑی بھی تھا۔

## درمیانی وقفہ

۱۹۱۹ء میں جنگ ختم ہوئی تو جرمن فوج کا شیرازہ درہم برہم ہو گیا۔ نئی محدود فوج کی ترتیب میں ہزاروں افسروں کو فوج چھوڑنا پڑی۔ مگر رومیل فوج ہی میں رہا۔ ۱۹۳۳ء میں میجر اور ۱۹۳۵ء میں لفٹننٹ کرنل بنا۔ ۱۹۳۹ء میں وہ برلیسڈن انفنٹری سکول میں انسٹرکٹر تھا۔ اس عرصہ میں اُس نے اپنے لیکچروں کا ایک مجموعہ شائع کیا جو جرمنی سے باہر دوسرے یورپی ملکوں کے عسکری حلقوں میں بھی کافی مقبول ہوا۔

جنوری ۱۹۳۳ء میں ہٹلر جرمنی کا چانسلر بنا۔ اُس وقت رومیل نے ملکی سیاسیات میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ وہ اس اصول کا سختی سے حامی تھا کہ فوج کو سیاست اور تجارت سے الگ تھلگ رہنا چاہیئے۔ یوں بھی وہ ایک پکا اور خالص سپاہی تھا۔ وہ ریستورانوں میں بیٹھ کر سیاسی مباحثے کرنے والے طبقہ میں سے نہ تھا۔ البتہ ہٹلر کے متعلق وہ کبھی کبھی کہا کرتا تھا۔ "ہٹلر نے اپنے ارد گرد جو لوگ جمع کر رکھے ہیں وہ اچھے نہیں ہیں۔"

# ہٹلر سے ملاقات

ہٹلر سے رومیل کی پہلی ملاقات ۱۹۳۵ء میں نہایت رسمی حالات میں ہوئی۔ رومیل اس وقت بٹالین کمانڈر تھا کسی سرکاری تقریب میں ہٹلر کو سلامی دینے کا فرض اُس کی بٹالین کے سپرد ہوا۔ اور اس موقع پر رسمی انداز میں ہٹلر سے لفٹنٹ کرنل رومیل کا تعارف کرایا گیا۔ رومیل نے سیلوٹ کیا۔ ہٹلر نے ہاتھ ملایا۔ رومیل کے تمغوں کو دیکھا اور بٹالین کی چستی و مستعدی پر اسے مبارکباد دی یہ تھی ہٹلر سے رومیل کی پہلی ملاقات۔

البتہ اس تقریب میں ڈاکٹر گوبلز اور ہملر سے ذرا گہری ملاقات ہو گئی۔ بعد میں گوبلز کو تو وہ پسند کرنے لگا اور ہملر سے سخت نفرت۔

۱۹۳۵ء میں وہ پوسڈم کی جنگی اکیڈمی میں چیف انسٹرکٹر مقرر ہوا تو پہلی مرتبہ فوجی ہیڈ کوارٹر کا قرب ملا۔ مگر یہ دونوں میاں بیوی پہلے کی طرح خاموش زندگی بسر کرتے رہے۔ بڑے بڑے نازیوں سے نہ زیادہ واقفیت تھی نہ یہ واقفیت کے پیچھے بھاگتے تھے۔ ان کے دوستوں شناساؤں کا دائرہ کم و بیش اپنے ہم رُتبہ افسروں تک محدود تھا۔

۱۹۳۸ء میں پورے کرنل کے عہدہ کے ساتھ رومیل جنگی اکیڈمی کا کمانڈنٹ بنا دیا گیا۔ اس سے قبل کچھ مدت تک وہ ہٹلر کی حفاظتی بٹالین کا کمانڈر بھی رہا۔ اس دوران میں ہٹلر اس کی شخصیت سے کافی متاثر ہوا۔

رومیل کی موت کے بعد جو کاغذات اس کے ہاں سے برآمد ہوئے ہیں اُن میں ہٹلر کے متعلق رومیل کے بعض تاثرات بھی شامل ہیں۔ رومیل نے لکھا ہے کہ "ہٹلر ایک مقناطیسی شخصیت کا مالک ہے۔ اسے جرمن قوم کی رہنمائی کے سلسلے میں اپنی ذات پر بے اندازہ اعتماد ہے۔ اگر یہ شخص قوم کو فتح تک نہ لے جا سکا تو اسے تباہی تک لے جانے میں بھی تامل نہ کرے گا۔"

## دوسری جنگ

۲۲ اگست ۱۹۳۹ء کو رومیل میجر جنرل بنایا گیا۔ اور یکم ستمبر کو جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ رومیل اس محاذ پر موجود تھا۔

پولینڈ سے واپسی پر رومیل ایک مرتبہ پھر ہٹلر کے حفاظتی ہیڈکوارٹر کا نگران مقرر ہوا۔ یہاں پر ہر چند آرام تھا۔ نیز ہٹلر سے تقرب کے امکانات بھی روشن تھے مگر "سپاہی رومیل" کی روح میدانِ جنگ کے لئے تڑپ رہی تھی۔ چنانچہ اس کی درخواست پر مشہور ساتویں پنزر ڈویژن کی کمان رومیل کو سونپ دی گئی۔

۱۹۴۰ء میں بلجیئم پر جرمن حملے کی رہنمائی اسی ڈویژن کے سپرد تھی۔

بلجیئم کی لڑائی کا ایک واقعہ ہے:۔

حملہ جاری تھا۔ بلجیئم کی فوج اور عام شہری بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ گھر گھر مورچہ بنا ہوا تھا۔ جرمن دستوں کو ایک قصبہ تک پہنچنے کے لئے ایک سیلابی نالے پر پُل باندھنا ضروری تھا مگر اس نقطے پر دشمن کی گولہ باری اتنی شدید تھی کہ جرمنوں کے پاؤں جمنے نہ پاتے تھے۔ اس عالم میں رومیل سپاہیوں کا ایک دستہ لے کر وہاں پہنچا۔ اور سپاہی جب تک پل باندھتے رہے وہ خود بھی چھاتی چھاتی پانی میں نالے کے اندر کھڑا رہا۔ ان کی ہمت بندھاتا رہا۔ سامان اٹھا اٹھا کر دیتا رہا ——— ڈویژن کمانڈر کا صفِ اول سے بھی آگے دشمن کے عین سامنے جا کر اس طرح گھومنے پھرنے کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور نہ عام طور پر وہ ایسا کرتے ہیں مگر رومیل سب سے مختلف تھا۔ وہ اپنے ماتحتوں کو کبھی کوئی ایسا کام نہیں بتاتا تھا جسے وہ خود نہ کر سکتا ہو ——— حملہ کے وقت بسا اوقات رومیل سب سے پہلے ٹینک میں خود ہی ہوتا تھا۔

## افریقہ میں

شروع شروع میں ہٹلر افریقہ میں جرمن فوج بھیجنے کے خلاف تھا لیکن

جب ویول کے ہاتھوں اطالوی جرنیل گریزیانی کا بُرا حال ہونے لگا تو اگرچہ جرمن ہائی کمانڈ اب بھی افریقہ میں جرمن کمک بھیجنے کے خلاف تھا لیکن ہٹلر نے رومیل کی سرکردگی میں کچھ فوج وہاں بھیج ہی دی۔ یہی فوج آگے چل کر "جرمن افریقہ کور" کے نام سے مشہور ہوئی :۔

اس موقع پر ہٹلر اپنے دوست مسولینی کے نام ایک خط میں لکھتا ہے :۔

"ڈوچے ــــ میں آپ کا بڑا شکر گذار ہوں کہ آپ نے اپنے بکتر بند دستوں کو رومیل کے ماتحت کر دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی توقعات کو ٹھیس نہ لگنے دے گا۔ اور بہت جلد آپ کے سپاہیوں کی محبت اور وفاداری کا مرکز بن جائے گا۔"

اس کے بعد افریقہ میں رومیل کے عروج و زوال کی داستان اتنی مشہور ہے کہ اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

شمالی افریقہ میں جرمن جنگ کی رُوداد دراصل رومیل اور جرمن ہائی کمان کے درمیان مسلسل کشمکش کی ایک افسوسناک کہانی ہے۔ رومیل کو اپنی مہم کی کامیابی کا یقین تھا۔ اس نے اس یقین کو بڑی حد تک پورا بھی کر دکھایا۔ مگر دوسری طرف جرمن ہائی کمان اس مہم کو محض دفع الوقتی سمجھتی رہی۔

حالات یہ تھے کہ ہائی کمان میں کیٹل اور جوڈل، دونوں ذاتی طور پر رومیل کے خلاف تھے۔ اُس سے حسد کرتے تھے۔ گورنگ اس کا بدترین دشمن تھا۔ رومیل جرمنی سے ہزاروں میل دُور افریقہ میں بیٹھا تھا۔ ہٹلر سے کبھی ملاقات بھی ہوتی اور وہ مزید کمک بھیجنے کا وعدہ بھی کرتا تو جوڈل اور کیٹل حائل ہو جاتے۔ رومیل شروع سے لے کر آخر تک مزید سامان اور مزید سپاہیوں کے لئے چلّاتا رہا مگر ہائی کمان نے اسے صرف تین ڈویژن پر ٹرخائے رکھا۔ حالانکہ روسی محاذ پر دو سو ڈویژن لڑ رہے تھے۔ العالمین کے مورچوں پر اگر رومیل کو کچھ بھی کمک مل جاتی تو مبصرینِ جنگ کا خیال ہے کہ وہ قاہرہ پہنچ جاتا۔

افریقہ کی لڑائی کے زمانے میں رومیل کے انہماکِ جنگ۔ اس کے اعتمادِ طریقِ جنگ اور عادات و اطوار کے متعلق سینکڑوں افسانے زبان زدِ عام تھے جن میں سے جستہ جستہ واقعات اس کتاب کے پہلے حصے میں قارئین کی نظر سے گذر چکے ہیں۔ کچھ اور پیش ہیں۔

رومیل طبروق کی فتح کے درپے تھا۔ جرمن ہائی کمان اس حملے کے خلاف تھی۔ رومیل نے روم جا کر فیلڈ مارشل جوڈل کو ٹیلیفون کیا:۔

رومیل:۔ "تم چاہتے ہو کہ میں طبروق کا خیال چھوڑ دوں۔ میں اس بات پر نہایت بیزار اور مایوس ہوں۔"

جوڈل:۔ "مگر آکنلک کے جوابی حملے کی صورت میں جرمن فوج کی سلامتی کی کیا ضمانت ہوگی؟"

رومیل:۔ "جرمن فوج کی سلامتی کی سب سے بڑی ضمانت رومیل خود ہے"

——— اور جوڈل نے طبروق پر حملے کی اجازت دے دی۔

طبروق کی اسی لڑائی میں رومیل اپنے ٹرک میں ایک رات ایک ہندوستانی بریگیڈ کے درمیان بسر کر گیا تھا۔ اور اس سے پہلے ایک ایسے ہسپتال میں جا نکلا تھا جو انگریزوں کے قبضہ میں تھا اور جس میں انگریز اور جرمن زخمی بھرے پڑے تھے مگر وہ بڑے اطمینان سے زخمیوں کو دیکھتا ہوا گذر گیا۔

رومیل جنگی قیدی پکڑنے کا زیادہ مشتاق نہ تھا۔ وہ کہا کرتا تھا میرے پاس قیدی پکڑنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ چنانچہ صحرا میں بعض موقعوں پر ایسا ہوا کہ اس کی ہدایات کے مطابق ہتھیار رکھوانے کے بعد قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا لیکن نہ جانے کیوں انگریز جرنیل کننگھم کو پکڑنے کا اسے بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ صحرا میں دُور سے چند برطانوی اسٹاف کاریں دکھائی دیں تو رومیل ایک دستہ لے کر خود ہی ان کے تعاقب کو نکل پڑا۔ اگرچہ برطانوی سٹاف کاریں ہاتھ نہ پڑ سکیں اور خدا معلوم اُن میں جنرل کننگھم تھا بھی یا نہیں مگر رومیل اسی دھن میں دور تک ان کا تعاقب کرتا چلا گیا۔

## حسرت ناک انجام

افریقہ کے بعد بھی اگرچہ رومیل فرانس اور نارمنڈی کے محاذوں پر لڑتا رہا لیکن اب اس کا دل اس جنگ سے اُٹھ چکا تھا۔ ایک زیرک جرنیل کی حیثیت سے وہ سمجھ چکا تھا کہ جرمنی جنگ ہار چکا ہے۔ اور اب جنگ جاری رکھنے کا مطلب جرمن قوم کی مکمل اور بے مقصد تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ وہ مختلف ذرائع سے جرمن ہائی کمان اور خود ہٹلر کو جنگ بند کرنے کے مشورے بھی دیتا رہا۔ مگر ہٹلر پاگل کی طرح لڑنے کے حق میں تھا۔

۲۰ جولائی ۱۹۴۴ء کو ہٹلر کی جان لینے کی جو ناکام کوشش کی گئی۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس سازش میں رومیل بھی شامل تھا۔ اب ہٹلر رومیل کے درپے ہو گیا۔ جوڈل کیٹل وغیرہ پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے۔ چنانچہ جیسا کہ واقعات بیان کیے جاتے ہیں، پھانسی اور رسوائی کی دھمکی دے کر رومیل کو زہر کھا کر خودکشی کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور یوں جرمنی کا یہ سب سے بڑا سپہ سالار اپنے حسرتناک انجام تک جا پہنچا۔

یہ سچ ہے کہ سپہ سالاروں کی عظمت کو آخری فتح ہی سے ناپا جاتا ہے اور اس لحاظ سے رومیل اپنی تمام کامیابی کے باوجود ایک ناکام سپہ سالار قرار دیا جائے گا۔ لیکن دُنیا میں جب تک شجاعت و مردانگی کا نام زندہ ہے اس نام کے ساتھ رومیل اور اس کی "جرمن افریقہ کور" نام بھی زندہ رہے گا۔

# دوسرا ولنگٹن ـــــ منٹگمری

سیاستدانوں میں سے انڈونیشیا کے ڈاکٹر سلطان شہریار اور جرنیلوں میں سے فیلڈ مارشل منٹگمری کو دیکھنے پر مجھے سخت "مایوسی" ہوئی لیکن پھر عجیب بات کہ ملاقات اور گفتگو کے بعد دونوں کی عظمت کا معترف بھی ہونا پڑا۔

فیلڈ مارشل منٹگمری کو میں نے ۱۹۴۶ء کے آخر یا ۱۹۴۷ء کے آغاز میں سنگاپور میں دیکھا۔ منٹگمری اس وقت برطانیہ کے چیف آف امپیریل جنرل سٹاف کی حیثیت سے مشرق بعید کے دفاعی استحکامات کا معائنہ کر رہے تھے تاکہ کسی اور نئی جنگ کی صورت میں گذشتہ جنگ کی طرح برطانیہ کہیں ناتیاری کے عالم میں نہ پکڑا جائے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اتنی دُور اندیشی وہمہ مستعدی کے باوجود برطانیہ کو آج تک جب بھی کسی جنگ سے دوچار ہونا پڑا ہے وہ کبھی جنگ کے واسطے تیار نہیں تھا۔

## شُہرہ آفاق

منٹگمری کا ان دنوں بڑا شُہرہ تھا۔ وہ اس جنگ کا کامیاب ترین برطانوی سپہ سالار تھا۔ حلیف اور دشمن تمام نامور سپہ سالاروں کے ایک پورے ہجوم میں وہ غالباً تنہا جرنیل تھا جس نے بلا مبالغہ جتنے بھی معرکے لڑے کسی ایک میں بھی شکست نہیں کھائی۔ جس نے افریقہ کے صحراؤں میں رومیل ایسے حریف کے چھکے چھڑا دیے۔ جس نے ایک سال کی مدت میں وہ سب کچھ جسے ویول اور آکنلک دے بیٹھے تھے دوبارہ حاصل کر لیا۔ بلکہ جتنا کھویا اس سے بہت زیادہ چھین لیا۔ جس کی مشہور عالم آٹھویں فوج العالمین سے چلی ہے تو اس برق رفتاری سے بڑھتی گئی کہ پھر اٹلی کے سینے تک اسے کوئی طاقت روک نہ سکی۔ ایک سال کے عرصہ میں تند و تیز مدافعت و مزاحمت کے درمیان ۱۸۵۰ میل کی پیش قدمی کا ریکارڈ ایک ایسی مثال ہے جسے اس دَور کا کوئی سپہ سالار مات نہیں کر سکا۔

پھر یہ وہی منٹگمری تھا کہ ادھر یورپ کے ساحل پر جب اُترا تو ہٹلر کے آہنی استحکامات اور رَن سٹیڈ، کلج اور رومیل ایسے مایہ ناز جرمن فیلڈ مارشل اُس کی

فاتحانہ یلغار کو روک نہ سکے ـــ منٹگمری اس جنگ کی ایک عظیم الشان شخصیت تھا ایسی شخصیت جس کے ساتھ حرب و ضرب کی سینکڑوں روایات وابستہ ہو جاتی ہیں۔ یہی منٹگمری سنگاپور آ رہا تھا اور ملایا کے فوجی حلقے ایک تاریخی سپہ سالار کو ایک نظر دیکھنے کے لئے چشم براہ تھے۔ ؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

## امید و بیم

ہم دو تین پاکستانی سپاہی بھی اس عظیم و نامور جرنیل کو ذرا قرب سے دیکھنے کی آرزو رکھتے تھے۔ لیکن بہت "جونیئر" ہونے کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ ؎

بیٹھے رہیں گے دل میں تمنا لئے ہوئے

البتہ ایک بات سے قدرے تسلی ہوتی تھی کہ منٹگمری یہاں آئے تو وہ تقریر ضرور کریں گے کہ اپنے اس شوق و شغف کے لئے وہ "الزام و غلط فہمی" کی حد تک مشہور تھے۔ ہمارا قیاس ٹھیک نکلا معلوم ہوا کہ فیلڈ مارشل موصوف سنگاپور کے عظیم و طویل سلیٹی رنگ کے "ایوانِ بلدیہ" میں افسروں سے خطاب کریں گے۔ لیکن اس "صلائے عام" کے ساتھ ایک بہت بڑا "اگر" بھی تھا۔ یہ سعادت صرف کرنیلوں اور اُن سے اُونچے رتبہ کے افسروں کے لئے مخصوص تھی۔ اس "اگر" نے ہماری امیدوں پر گھڑوں پانی ڈال دیا۔ ہمارے حلقوں کا اس وقت یہ عالم تھا۔ کہ

"سرخ فیتہ" تو خیر کوئی آسمانی چیز معلوم ہوتی تھی ہم میں میجر بھی خال خال ہی نظر آتا تھا۔

اپنی بساط کے مطابق ہم نے داخلے کا اجازت نامہ حاصل کرنے کی خاطر بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر بقول غالب "کوئی امید بر نہ آئی" لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ امید کا سرچشمہ اکثر نا امیدی کی سرحد پر جا کر پھوٹتا ہے۔ یہی ہمارے معاملہ میں

ہوا۔ ٹھیک اس وقت کہ مایوسی کے عالم میں فیلڈ مارشل منٹگمری کو دیکھنے کی بجائے ہم کوئی فلم دیکھنے کا پروگرام طے کر رہے تھے کہ برطانوی فوج کے شعبۂ تعلقاتِ عامہ کے کرنل آئیورصاحب کی طرف سے اجازت نامے آ گئے۔ ہمیں انڈین تعلقاتِ عامہ کے نمائندوں کی حیثیت سے مدعو کر لیا گیا تھا۔ ع

رکھ لی مرے خدا نے مری بے کسی کی شرم

## دھان پان جرنیل

سنگاپور کا یہ تاریخی ہال جس میں کچھ مدت پہلے جاپان کے جنرل ٹوجو۔ کاؤنٹ تروچی اور "شیرِ ملایا" یاماشیٹا کے اعزاز و اجلال میں استقبالیے منعقد ہوتے رہے تھے اور پھر جس کے سرمئی کشادہ زینوں پر کھڑے ہو کر ایڈمرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہمارے سامنے جاپانیوں سے ہتھیار رکھوائے تھے آج فیلڈ مارشل سر برنارڈ منٹگمری کے اعزاز میں بھرا ہوا تھا۔ جنوب مشرقی ایشیائی کمان کے تقریباً سب اکابر جرنیل۔ برگیڈیر اور کرنیل جمع تھے۔ ہال لال فیتوں۔ سفید مونچھوں اور سرد و گرم زمانہ میں سے نکلے ہوئے دو دو ٹھوڑیوں والے تجربہ کار چہروں سے لبریز تھا۔ ایک کونے میں ہم لوگ بھی دبک گئے۔

ٹھیک وقت پر کمانڈر انچیف جنرل سر نیل رچی کی معیت میں فیلڈ مارشل تشریف لے آئے۔ گرمی کی رُت تھی۔ یوں بھی ملایا کا موسم کچھ ایسا ہے کہ سردی میں بھی گرمی رہتی ہے۔ فیلڈ مارشل معمولی خاکی نیکر قمیض پہنے ہوئے تھے۔ سر پر وہی مشہور "سیاہ بیری" تھی جس کے بغیر منٹگمری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ شانوں پر فیلڈ مارشل کا "چکر" لگا ہوا تھا۔ لیکن سینے کے امتیازات و اعزازات غائب تھے۔

میں اپنے اس احساس کو چھپانا نہیں چاہتا تھا کہ منٹگمری کی پہلی جھلک میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے خاصی مایوس کن تھی۔ درمیانہ قد۔ اکہرا غیر متاثر کن جسم۔ چھوٹی خشخشی مونچھیں جو ابھی پوری سفید بھی نہ تھیں۔ رخسار کی کسی قدر اُبھری ہوئی

ٹھڈی کے پیچھے دور کہیں دو تیز اور روشن چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ شخصیت کے اعتبار سے منٹگمری میں کوئی خاص، کوئی غیر معمولی بات قطعاً نظر نہ آئی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم ایسا منٹگمری دیکھنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ مجھ پر تو کچھ اس قسم کی کیفیت طاری تھی جس میں مایوسی اور حیرت کے جذبات ملے جلے ہوں۔ کہ۔

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

اور واقعی ہم اس وقت یہی سوچ رہے تھے کہ یہ کیسا منٹگمری آگیا ہے؟ ہم اکثر انگریز سپہ سالاروں کو دیکھ چکے تھے۔ ویول۔ آکنلک۔ مونٹ بیٹن۔ سٹاپفورڈ۔ ڈیمپسے مائلز۔ کرسٹسن۔ اور دوسری صف کے بالخصوص انڈین آرمی کے جرنیلوں میں سے میسروی۔ ٹکر۔ برگس۔ ریڈ۔ ایلن ہارٹلے۔ ہیتھ۔ رسل۔ گریسی۔ ریس اور بہتیرے دوسرے نظر سے گذرے تھے۔ بیشتر کی ظاہرا شخصیت کچھ اس قسم کی تھی کہ تعارف کے بغیر دل خود بخود گواہی دینے لگے کہ ہاں واقعی یہ کوئی جرنیل ہے۔ خود اس اجتماع میں سر نیل رچی اور سنگاپور کے کمانڈر میجر جنرل کاکس کا کلہ ٹھلہ دیدنی تھا۔ جنرل رچی تو پورے منظر پر چھائے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں لارڈ گورٹ۔ ایلن بروک۔ آئرن سائیڈ۔ الیگزینڈر۔ وغیرہ ہم کی تصویروں نے ذہن وخیال میں جو پس منظر پھیلا رکھا تھا۔ منٹگمری اس میں کچھ "فٹ" نہیں بیٹھتے تھے۔ دراصل ہم اپنے خیال میں برطانیہ کے سب سے بڑے اور سب سے کامیاب فاتح سپہ سالار منٹگمری کی جو تصویر لئے بیٹھے تھے وہ اس منٹگمری سے بہت مختلف تھی جو اس وقت ہمارے سامنے موجود تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمیں معلوم نہ ہوتا کہ ہم منٹگمری کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اور اگر وہ فوجی وردی میں نہ ہوتے تو ہمارے لئے یہ باور کرنا مشکل تھا کہ یہ جو صاحب تشریف لائے ہیں واقعی منٹگمری ہیں۔ العالمین کی شہرت والے فیلڈ مارشل منٹگمری۔ عام شہری لباس میں وہ ملایا کے ایک خوشحال "ربڑ پلانٹر" یا برطانوی عہدِ حکومت میں کسی صوبے کے منجھے ہوئے چیف سیکرٹری سے چنداں مختلف نہ تھے۔ بادی النظر میں منٹگمری کے چہرے سے غیر معمولی انسانی عظمت کے آثار بھی مترشح نہیں ہوتے۔

کم از کم میں نے ان کی شخصیت سے یہی اثر لیا۔ میرے نزدیک محض دیکھنے میں ان کی شخصیت ایسی نہیں جس کی نسبت حالی کے الفاظ میں کہا جا سکے۔ ع

خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

بہر حال یہ تھے فیلڈ مارشل منٹگمری۔

## غیر معمولی شخص

لیکن منٹگمری نے جس وقت خطاب شروع کیا تو جیسے ہمارے ذہن و خیال پر سے پردے اُٹھنے شروع ہو گئے۔ ایک ایک جملے۔ ایک ایک لفظ میں ایک نیا۔ ایک عظیم۔ ایک غیر معمولی شخص جھلک رہا تھا۔ اس کی بے پناہ شخصیت آفتاب کی طرح طلوع ہو رہی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی آہنی گرفت ہم سننے والوں کے جسم و جان پر لحہ بہ لحہ مضبوط تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ حتیٰ کہ خطاب کے خاتمہ پر ہمارے دل یہ کہہ رہے تھے کہ آج ہم نے واقعی ایک بڑے آدمی کو دیکھا۔ ایک غیر معمولی آدمی کو سُنا۔

منٹگمری نے اس صحبت میں حرب و ضرب کی فنی بحثوں پر کوئی لمبی چوڑی تقریر نہیں کی تھی۔ اُنہوں نے دنیا بھر میں برطانیہ کی دفاعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے عزم اور طریقِ کار کا جائزہ لیا تھا۔ منٹگمری نے واقعات و حالات کا اس خوبی سے جائزہ لیا اور مسائل و حلِ مسائل پر اس صفائی کے ساتھ روشنی ڈالی کہ مجھ سا اناڑی بھی ساری بات سمجھ رہا تھا۔ اُسے اپنے فن پر عبور حاصل تھا۔ طرزِ گفتگو صاف اور سیدھا تھا۔ بات میں سلجھاؤ تھا۔ اپنی ذات میں اعتماد تھا۔ لہجے میں قطعیت تھی۔ اور اس کی شخصیت میں (جو اب بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی) کشش تھی۔ بے پناہ کشش۔

منٹگمری نے ایک گھنٹہ یا اس سے کچھ کم خطاب کیا ہوگا۔ مگر اس عرصہ میں اس نے "سپاہی" کی روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ سننے والوں کی روح کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔

اس کا لب ولہجہ بہت زیادہ شیریں نہ تھا۔ سیاسی مقررین کی طرح محض "زیبِ داستان" کے لئے وہ کسی رنگ آرائی سے کام نہیں لے رہا تھا۔ نہ ان معنوں میں وہ کوئی بڑا خطیب ہی ہے۔ اس کا لب ولہجہ وہی تھا جو برطانیہ کے چیف آف امپیریل جنرل سٹاف کا ہونا چاہیئے۔ بلکہ میں کہوں گا ضرورت سے کچھ زیادہ ہی کرخت و درشت تھا۔ مگر وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس سے اس کے فن کی بے پناہ محبت جھلک رہی تھی۔ اس میں سپاہی کی عظمت تھی۔ قیادت کی چمک تھی۔ شخصیت کا اعتماد تھا۔ اور اس اعتماد کی قوت تھی۔ وہ ایک ایک لفظ ناپ ناپ اور تول تول کر بول رہا تھا۔ ایک ایک لفظ سپہ سالار منٹگمری کی بھرپور زندگی کے تاریخی تجربات میں سے چھن چھن کر نکل رہا تھا۔

میں عرض کر چکا کہ اس کی تقریر دلچسپ یا چٹخارے دار نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود اثر و کیفیت کا یہ عالم تھا کہ ایوان بلدیہ سنگاپور میں بیٹھے ہوئے ان بوڑھے سفید سفید مونچھوں والے جرنیلوں کرنیلوں کی آنکھوں میں سے ایک عجیب و غریب چمک کا لاوا اُبل اُبل کر باہر آ رہا تھا۔ اس دن میں نے پہلی مرتبہ اپنی آنکھوں سے یہ بات دیکھی کہ منٹگمری کس طرح اصلاً میدانِ جنگ کا سپہ سالار ہے اور کس طرح وہ اپنے ماتحتوں کو کہیں بھی لے جا سکتا ہے۔

## زندگی و کردار

فوجی حلقوں میں ایک مشہور مقولہ عموماً منٹگمری سے منسوب کیا جاتا ہے کہ ——— "کوئی شخص بیک وقت بہترین شوہر اور بہترین سپاہی نہیں بن سکتا" ——— مجھے نہیں معلوم کہ یہ قول واقعیٔ منٹگمری کا ہے یا نہیں کہ وہ خود کیسے "شوہر" ثابت ہوئے۔ لیکن ایک سپاہی کی حیثیت سے اس میں کوئی کلام نہیں کہ اُن کی ساری زندگی اپنے پیشے سے گہری وابستگی اور اپنے فن سے بے پناہ محبت کے جذبہ سے لبریز نظر آتی ہے۔ "سپہ گری" اُن کی زندگی کی واحد دلچسپی رہی ہے۔

یہ بات کچھ سپہ سالار منٹگمری کے ساتھ ہی وابستہ نہ تھی۔ نو عمر معمولی افسر کی حیثیت سے

بھی وہ اپنے اس "جنوں" کے لیے خاصی شہرت رکھتا تھا۔ فوجی بارکوں اور افسر میسوں (کی صحبتوں میں بھی نوجوان منٹگمری بالعموم فن سپاہگری) ہی پر گفتگو کیا کرتا تھا۔ اُسے اپنے پیشے کے ساتھ ابتدا ہی سے غیر معمولی شغف تھا۔ ۱۹۳۳ء میں جب منٹگمری کوئٹہ کے سٹاف کالج میں متعین تھے تو ان کا گھر احباب کی دعوتوں کا ایک محبوب مرکز تھا۔ دوست اکثر کہا کرتے تھے منٹگمری کے ہاں ہم لذیذ کھانے کھاتے اور مفید باتیں سیکھتے ہیں۔"

منٹگمری کی یہ عادت ہمیشہ اُن کے ساتھ رہی۔ سپہ سالار کی حیثیت سے وہ جہاں ہوتے نوجوان افسروں کے ساتھ باتوں باتوں میں فن اور پیشے کے رموز وغوامض پر روشنی ڈالتے چلے جاتے۔ ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ اگر کسی نوجوان نے "سپاہی" بننا پسند کیا ہے تو پھر وہ اس کی روح میں سما جائے۔ اپنے فن میں مہارت تامہ پیدا کرے۔ منٹگمری کسی معاملے میں بین بین رہنے کا قائل نہیں ہے۔ اور خود اس کی زندگی اس معیار کی ایک روشن مثال ہے۔ ۱۹۳۹ء میں جب برگیڈیر سے ترقی پاکر وہ فرانس میں لارڈ گورٹ کی فوج میں ایک ڈویژن کے کمانڈار مقرر ہوئے اور کچھ مدت کے بعد برطانیہ کے وزیر جنگ مسٹر ہور بلیشا معائنہ کے لئے آئے تو منٹگمری کا ڈویژن بہترین قرار دیا گیا تھا۔ یاد رہے (فیلڈ مارشل لارڈ) الیگزنڈر بھی اُس وقت میجر جنرل تھے اور اُسی محاذ پر ایک دوسرے ڈویژن کے کمانڈار تھے۔

## عادات واطوار

طبیعت وعادت کے لحاظ سے منٹگمری ایک بیحد باقاعدہ اور با اصول شخص ہے باقاعدگی کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ عین میدانِ جنگ میں بھی اپنے معمولات میں فرق نہ آنے دیتا تھا۔ محاذ جنگ اور پھر صحرائی محاذِ جنگ میں "آفیسرز میسوں" کی حالت لازماً ابتر ہو جاتی تھی مگر منٹگمری اس کا قائل نہ تھا۔ چنانچہ منٹگمری کے

آنے کے بعد آٹھویں فوج کے ہیڈ کوارٹر میں سب سے شاندار خیمہ "آفیسرز میس" ہی کا ہوتا تھا۔ ساری فوج میں سے ڈھونڈ کر بہترین باورچی وہاں جمع کئے جاتے۔ برتن۔ چادریں۔ چھری کانٹے۔ ایک ایک چیز نہایت نفیس۔ نہایت اعلےٰ شاندار۔ باوقار۔

مہمانوں کے لئے ایک الگ خیمہ تنا رہتا تھا۔ اپنے میس میں اجنبیوں کی موجودگی منٹگمری کو ناگوار گذرتی تھی۔ ناشتے پر وہ سگرٹ نوشی تک کو برداشت نہیں کرسکتا۔

منٹگمری دراصل فطرتاً سپاہگری کے لئے موزوں تھا۔ کوئی چیز اسے پریشان نہیں کرتی۔ کوئی واقعہ اس کے توازن کو درہم برہم نہیں کرسکتا۔ میدانِ جنگ میں ایسے واقعات بارہا ہوئے کہ دشمن کا گولہ بہت ہی قریب آن پھٹا۔ دوسرے لوگ بوکھلا گئے مگر منٹگمری نے آنکھ اُٹھا کر اس طرف دیکھا تک نہیں۔ —— منٹگمری ہر عظیم سپاہی کی طرح دلیر اور بے خوف تھا۔ اس کی نسبت اکثر کہا جاتا تھا —— "منٹگمری بارود کی خوشبو سونگھ کر خوش ہوتا ہے۔"

## پیغامات

تحریر و تقریر میں اُسے خاص ملکہ حاصل ہے۔ امریکی پریس نے اگرچہ اسی بنا پر اُس پر شہرت و نمائش طلبی کا الزام بھی لگایا مگر یہ واقعہ ہے کہ منٹگمری نے اپنے پیغامات سے اپنی فوج کا خون گرم اور حوصلہ بلند رکھنے میں بڑا کام لیا۔ سپہ سالار کی حیثیت سے وہ دراصل کمانڈر اور سپاہی کے درمیان براہ راست رابطے کا زبردست حامی ہے۔ وہ کمانڈر کے لئے یہ بات ضروری سمجھتا ہے کہ کمانڈر شہرت اور صورت دونوں طرح سے اپنے سپاہیوں میں روشناس ہو۔

بہرحال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منٹگمری کو تقریر کرنے اور پیغامات دینے کا بڑا شوق تھا۔ اس جنگ میں جتنے پیغامات منٹگمری نے دئے کسی دوسرے سپہ سالار نے

نہیں دئے۔ وہ تقریر و تحریر سے کام لینا جانتا تھا۔ اس کے پیغامات صاف دل آویز۔ خوبصورت اور دل میں اُتر جانے والے ہوتے ہیں۔ برطانیہ کے مشہور اخبار "لندن ٹائمز" نے ایک مرتبہ منٹگمری کے پیغامات کے بارے میں ایک مستقل اداریہ لکھا تھا جس میں ان کے اسٹائل اور اثر آفرینی کی بڑی تعریف کی گئی تھی۔ پریس کے ساتھ یوں بھی بحیثیت مجموعی منٹگمری کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے۔ وہ جنگی نامہ نگاروں کا محبوب ترین جرنیل تھا۔ منٹگمری کے ہیڈ کوارٹر میں پریس کانفرنسوں کا سلسلہ چلتا ہی رہتا تھا۔ پیغامات برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ اخبار نویس خوش ان کا خدا خوش۔

منٹگمری کے اکثر سٹاف افسر بیان کرتے ہیں کہ منٹگمری اپنے پیغامات خود لکھتا تھا۔ اس کی ذاتی ڈاک دوسرے تمام سپہ سالاروں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتی تھی اور لطف یہ کہ ایک ایک خط پر ذاتی توجہ دیتا تھا۔

## عسکری نظریات

طریق جنگ کے اعتبار سے منٹگمری کو اس جنگ کا "ولنگٹن" کہا جا سکتا ہے۔ اسی کی طرح تیز۔ تند۔ مضبوط۔ ذہین اور حوصلہ مند۔

لڑائی کی صورت میں منٹگمری تقریباً روزانہ اپنے ماتحت کمانداروں سے ملتا تھا۔ چنانچہ ہر روز کئی گھنٹے سفر میں گذرتے تھے وہ بٹالین کمانداروں تک سے ذاتی رابطہ رکھنے کا حامی تھا اور ہمیشہ اسی ٹوہ میں رہتا تھا کہ کسی جگہ پر کوئی غلط آدمی تو موجود نہیں ہے۔ وہ اس بات پر بڑی سختی سے کاربند تھا کہ ہر آدمی اپنی موزوں جگہ پر ہو۔ خود پرلے درجے کا مردم شناس تھا۔ چنانچہ اس کی نسبت عموماً کہا جاتا ہے کہ ماتحتوں کے انتخاب میں منٹگمری نے کبھی دھوکا نہیں کھایا۔

اپنے ماتحتوں کو بلاوجہ کبھی پریشان نہیں کرتا تھا۔ میدانِ جنگ میں خود ان سے ملنے جاتا۔ خود نہ جا سکتا تو اپنے "افسرانِ رابطہ" کے ذریعے معلومات حاصل

کرلیتا مگر کمانداروں کو زحمت نہ دیتا۔ اپنے کمانداروں کے اطمینان و یکسوئی کا اس قدر خیال رکھتا کہ بڑے بڑے نامی گرامی مہمانوں تک کو میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت نہ دیتا۔ اس کی رائے میں معزز مہمانوں اور ملاقاتیوں کی آمد و رفت سے کماندار کی یکسوئی میں خلل پڑتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ دلچسپی کے ساتھ سنا جائے گا کہ منٹگمری نے ایک مرتبہ کینیڈا کے جنرل میکناٹن کو سسلی جانے سے روک دیا۔ اس واقعہ نے اس قدر طول کھینچا کہ بدمزگی کینیڈا اور برطانیہ کی حکومتوں تک جا پہنچی۔ مگر منٹگمری اپنی بات پر ڈٹا رہا۔

(یہ وہی جنرل میکناٹن ہیں جنہوں نے بعد میں مجلسِ اقوامِ متحدہ کی طرف سے تصفیہ کشمیر کے سلسلہ میں ایک فارمولا پیش کرکے شہرت پائی)

ایک "آرمی گروپ" کے چیف انجینئر انگلس صاحب پر بھی منٹگمری کے ہاتھوں یہی ماجرا گذرا۔ منٹگمری نے حکم دے رکھا تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر باہر سے کوئی آدمی سسلی کے محاذِ جنگ پر نہیں جا سکتا۔ انگلس صاحب نے اپنی شخصیت و اہمیت کی وجہ سے اجازت نامہ لینے کی ضرورت نہ سمجھی اور ایک کشتی لے کر سسلی کے ساحل پر جا اُترے مگر ساحل پر منٹگمری کا مندرجہ ذیل حکمنامہ اُن کا منتظر تھا۔

"ابھی واپس ورنہ گرفتار کر لئے جاؤ گے"

منٹگمری اس معاملے میں اتنا سخت گیر تھا کہ وہ بڑے سے بڑے آدمی کی پروا نہ کرتا تھا۔

طریقِ جنگ کے ضمن میں منٹگمری ہر وقت ایک تازہ دم جمعیتِ محفوظ (     ) رکھنے کے اصول کا قائل تھا۔ لڑائی میں وہ اگلے مورچوں میں زیادہ ساز و سامان اور ضرورت سے زیادہ متفرق آدمی رکھنے کا مخالف تھا۔

## سپہ سالار منٹگمری

جنگ میں فتح و کامرانی کے سلسلے میں سپہ سالار منٹگمری جن باتوں پر ہمیشہ

زور دیتا تھا ان میں سے مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

(۱) لیڈرشپ

(۲) سازوسامان

(۳) تربیت

(۴) حوصلہ (مورال) (جو متذکرہ بالا باتوں کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے)

منٹگمری کے نزدیک ایک مثالی کمانڈر میں ذیل کی صفات کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) سپاہی اس کی عزت کرتے ہوں اور اس پر اعتماد رکھتے ہوں۔

(۲) وہ اپنے سپاہیوں کا "ہیرو" ہو۔

(۳) وہ اپنے سپاہیوں کو خوب جانتا ہو۔ اور سپاہی اسے خوب جانتے ہوں۔

(۴) اپنے سپاہیوں کا مزاج شناس ہو۔

(۵) صحیح اور متوازن قوتِ فیصلہ رکھتا ہو۔

## منٹگمری کی کمزوریاں

منٹگمری اس دور کا مثالی سپہ سالار سمجھا جاتا ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ میدانِ جنگ کا کامیاب ترین جرنیل ہے۔ مگر بہرحال انسان ہے اور انسانی کمزوریوں سے خالی نہیں۔ بلکہ اس لحاظ سے نقادانِ حرب وضرب نے منٹگمری کی شخصیت پر بڑی شد و مد سے بحث کی ہے اور منٹگمری کے امریکی نقادوں کا لہجہ تو بہت زیادہ تیز تلخ ہے۔

اس کی حد سے بڑھی ہوئی "خود اعتمادی" کو عموماً اس کا سب سے بڑا عیب بتایا جاتا ہے۔ الزام یہ ہے کہ کسی مسئلہ پر اپنی رائے قائم کر لینے کے بعد وہ کسی دوسرے کی بات مانتا ہی نہیں۔ حالانکہ انسان بعض اوقات غلط فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔

مگر اس کے برعکس منٹگمری کا قول ہے کہ جو شخص ہر اُس آدمی کا فیصلہ قبول کرے

جواسے سب سے آخر ملا ہو تو وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ کسی جنگ کی قیادت کر سکے۔
منٹگمری اس اصول پر اس شدت سے کاربند تھا کہ اپنے سپہ سالار جنرل آئزن ہاور کے ساتھ بھی اس کے زبردست اختلافات رہتے تھے اور لچک و گنجائش کا فریضہ عموماً آئزن ہاور ہی کو ادا کرنا پڑتا تھا۔

منٹگمری کی صاف گوئی عیب کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ خود دوسروں سے اکثر اختلاف رائے کرتا تھا لیکن دوسروں کا اختلاف رائے آسانی سے برداشت نہیں کرتا تھا۔ اظہارِ خیال یا تبصرہ کرتے ہوئے احتیاط سے کام نہیں لیتا تھا۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ماتحت جرنیلوں کے اختیارات میں بے جا مداخلت کرتا تھا۔ لیکن اس ضمن میں منٹگمری کے چیف آف سٹاف گن گینڈ کی رائے یہ ہے کہ "ماتحتوں سے اس کا سلوک منصفانہ تھا۔ جو لوگ اس سے ناخوش ہیں ان میں نااہلوں کی اکثریت ہے ——— بہرحال اس میں کوئی کلام نہیں کہ "مداخلتِ بیجا" کی "مد" میں منٹگمری نے کبھی کوئی بدمزگی پیدا نہیں ہونے دی۔

سپہ سالار منٹگمری کے متعلق ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ وہ بڑے حزم و احتیاط کے ساتھ لڑتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ جنگ کے اُن امکانی خطرات سے ہمیشہ کنی کتراتا رہا جنہیں جنگ میں بعض اوقات قبول کرنا چاہیئے۔ امریکی نقاد اُس کے برعکس اپنے جنرل پیٹان (                    ) کو پیش کرتے ہیں جو خطرات میں گھس کر فتح حاصل کرتا تھا۔

کانفرنسوں میں اس کا رویّہ کچھ اس قسم کا ہوتا تھا کہ بس فیصلے صادر کرتا چلا جا رہا ہے۔

فنی اعتبار سے یہ اعتراضات کس حد تک درست ہیں۔ میں اپنی طرف سے اس بارے میں کوئی رائے دینے کا اہل نہیں ہوں۔ لیکن "خطرات سے پہلوتہی کرنے والا اعتراض بہ نظر ظاہر سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ مجھے تو یہ اعتراض کچھ عجیب سا لگتا ہے۔
جہاں تک "جائز خطرات" قبول کرنے کا سوال ہے انگریز جرنیلوں میں سے غالباً

منٹگمری ہی وہ جرنیل ہے جس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ منٹگمری نے آٹھویں فوج کی کمان سنبھالتے ہی ایک پیغام میں کہا تھا:۔

"متذبذین کے لئے اب یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔ آئندہ پسپائی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ پسپائی کا خیال دل سے نکال دو۔ ہم جہاں ہیں اس زمین پر جم کر لڑیں گے۔ پیچھے ہٹنے کا تصور ذہن سے خارج کر دو"

ایک اور روایت کے مطابق منٹگمری نے آٹھویں فوج کے ہیڈکوارٹر میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے جو حکم دیا تھا۔ وہ یہ تھا:۔

"پسپائی کے متعلق جتنی اسکیمیں بنائی گئی ہیں تلف کر دی جائیں"

اور منٹگمری کا یہ قول محض قول ہی نہیں رہا۔ اُس نے اپنے عزم و ارادے کو اس شان سے عملی جامہ پہنایا کہ دُنیا دنگ رہ گئی۔ جنگ ختم ہوئی تو دُنیا نے دیکھا منٹگمری اس جنگ کا تنہا سپہ سالار تھا جس نے سینکڑوں معرکے لڑے لیکن ایک میں بھی شکست نہیں کھائی۔ ظاہر ہے جنگ کے امکانی خطرات کو قبول کئے بغیر اتنا بڑا کارنامہ ہرگز انجام نہ پا سکتا تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اس نوع کے خطرات دو ڈھ کر مول نہیں لیتا تھا جن کا نتیجہ یقینی شکست یا تباہی ہو۔ یہ اُس کی خوبی ہے نہ کہ برائی۔

# عجیب و غریب جرنیل — وِنگیٹ

۱۹۴۳ء میں بھارت کے جنگل میں ایک وسیع بکھرے ہوئے فوجی کیمپ میں اُلجھے ہوئے بالوں اور بے ترتیب قرمزی رنگ کی داڑھی والا عجیب وغریب ہیئت وصورت کا ایک شخص بہت عام دکھائی دیتا تھا۔ وہ ایک نکر پہنے ہوئے وسطی ہند کے اس خوفناک جنگل میں جو درندوں کا ایک پسندیدہ گھر تھا شب وروز نہایت بے فکری کے ساتھ اِدھر اُدھر گھومتا رہتا تھا۔ وہ گھٹے ہوئے جسم کا ایک متوسط العمر انگریز تھا جس کے چہرے کے آب ورنگ کو وسطی ہند کے تمتماتے ہوئے سورج اور دریائے سونار کے گدلے پانی نے بڑی حد تک "ہندوستانی" بنا دیا تھا۔ بعض اوقات جب وہ وسطی ہندوستان کے باشندوں کی طرح صرف دھوتی باندھے ہوئے بارکوں میں نکلتا تو یوں معلوم ہوتا جیسے سچ مچ بنارس یا متھرا سے کوئی جفادری پانڈا سادھو فوجی کیمپ میں آنکلا ہو۔

یہ اس کیمپ اور اس کیمپ میں پڑی ہوئی فوج کا کمانڈار ——— ونگیٹ تھا۔ میجر جنرل ونگیٹ، جس کی عدیم النظیر شجاعت وپامردی کو تاریخ نے اپنے سینے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کرلیا ہے۔ برما میں جاپانی فوجوں پر جس کی چھاپہ مار کارروائیوں کو وہ افسانوی شہرت نصیب ہوئی کہ جنگ کی پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے اسی ونگیٹ کے متعلق ایک موقع پر کہا تھا ———

"ونگیٹ پہلا شخص ہے جس نے یہ ثابت کیا کہ ہم جاپانیوں کو ان کے اپنے اسلوب جنگ میں بھی شکست دے سکتے ہیں۔"

## ونگیٹ مہم

ونگیٹ مہم بھی خود ونگیٹ ہی کی طرح عجیب وغریب تھی۔ اس مہم کا مشن یہ تھا کہ ونگیٹ ایک مختصر سی جمعیت کے ساتھ برما میں جاپانی صفوں کے پیچھے جا اُترے اور عقب سے جاپانیوں پر حملہ کرے۔ انہیں پریشان وبدحواس کرے۔ یہ دراصل اس جنگ میں اپنی قسم کا پہلا تجربہ تھا جس کا خیال خود ونگیٹ ہی

کو سوجھا۔ شروع شروع میں تو ونگیٹ نے جس کسی پر اپنا خیال ظاہر کیا۔ اُس نے اُسس کو پاگل سمجھا، فاترالعقل گردانا۔ ونگیٹ عرصہ تک اپنی سکیم کے پلندے بغل میں دبائے نئی دہلی کے عظیم وطویل جنرل ہیڈکوارٹر کی غلام گردشوں میں چکر کاٹتا رہا مگر کسی نے اس کی بات پر کان نہیں دھرے۔ بلکہ اُلٹا اُس کا مذاق اُڑایا لوگ کہتے۔ "عجیب بے معنی۔ ناممکن العمل سکیم لئے پھرتا ہے۔" لیکن اسی زمانہ میں وینگیٹ کو جو اس وقت برگیڈئر تھا برطانیہ جانے کا موقع ملا۔ وینگیٹ پر تو اس سکیم کا گویا جنون سوار تھا۔ برطانیہ پہنچتے ہی اپنی تجویز مسٹر چرچل کے سامنے جا رکھی۔ بوڑھے چرچل نے سرگرم۔ جواں ہمت اور پرجوش وینگیٹ کی حوصلہ افزائی کی اور اُن کی وساطت سے یہ بات جنرل ویول تک پہنچی جو اس وقت ہندوستان کے برطانوی کمانڈر انچیف تھے۔ ویول بڑے زیرک سپہ سالار تھے۔ پاگل وینگیٹ نے جب اپنی اسکیم پھیلا سلجھا کر ویول کے سامنے رکھی تو بات ویول کی سمجھ میں آگئی۔ اور اُنہوں نے وینگیٹ کو اپنی سکیم پر عملدرآمد کرنے کا موقع دے دیا۔ اس طرح یہ عجیب وغریب مہم جو "وینگیٹ مہم" کے نام سے یاد کی جاتی ہے معرض عمل میں آئی۔

## پتھاریہ کا جنگل

وینگیٹ جو ابھی برگیڈئر تھا اپنی مختصر سی جمعیت کو لے کر پتھاریہ کے جنگلوں میں چلا گیا جہاں اس نے کچھ مدت اپنے افسروں اور سپاہیوں کو جنگل کی لڑائی بالخصوص چھاپہ مار کارروائیوں کی سکھلائی دی اور پھر امریکی فضائی بیڑے کی مدد سے یہ کفن بردوش قافلہ برما کے سینے میں جا اُترا۔ وینگیٹ ۱۹۴۳ء اور ۱۹۴۴ء میں دو مرتبہ اپنی مہم لے کر برما گیا۔ پہلی مہم کے وقت وہ برگیڈئر تھا اور اس کی فورس کا نام ۷۷۔ انڈین انفنٹری برگیڈ تھا۔ دوسری مرتبہ وہ میجر جنرل بن چکا تھا اور اُس کی فوج کا نام "تیسرا انڈین ڈویژن" تھا۔

اس وقت لڑائی کا وہ دور جا رہا تھا کہ جاپانیوں کا جو قدم اُٹھ رہا تھا آگے ہی

پڑ رہا تھا۔ پورے مشرقِ بعید کو اپنے قدموں تلے روندتے ہوئے جاپانی فوج اب ہندوستان کی سرحدوں پر امنڈی چلی آ رہی تھی۔ اس عالم میں وینگیٹ کے مٹھی بھر سپاہیوں نے عقب سے ہو کر برما میں پھیلی عظیم الشان جاپانی فوج پر حملے شروع کئے اور واقعات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جاپانی فوج کو ہراساں کرنے، اس کی یکسوئی درہم برہم کرنے میں ونگیٹ کو اپنے مقاصد میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اس مہم کی "تزویری اہمیت" اور عمومی رفتارِ جنگ پر اس کے بلاواسطہ اثرات کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر یہاں اس تفصیلی جائزے کا موقع نہیں۔ مجھے صرف اس عجیب و غریب لیڈر کی شخصیت کا ایک سرسری جائزہ پیش کرنا مقصود ہے۔ البتہ مختصراً اتنا کہہ دینا بے محل نہ ہوگا کہ اثرات و نتائج سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی اس مہم کے سپاہیوں اور خود ونگیٹ نے جان فروشی و جان سپاری کی ایسی ایسی مثالیں پیش کی ہیں۔ مقصد اور فرض کی دھن میں ایسے ایسے مصائب سے گزرے ہیں کہ اس کے تذکرے سے بھی ہول آتا ہے ——— دوسری مہم میں خود ونگیٹ بھی ہلاک ہو گئے۔

## عجیب و غریب

ونگیٹ واقعی ایک عجیب و غریب جرنیل تھا۔

عادات۔ و اطوار۔ طریق و دستور ہر لحاظ سے عجیب و غریب۔ ونگیٹ مہم کے دو افسروں لفٹننٹ کرنل فرگوسن اور فلپ سٹیسی نے اپنی کتابوں "ماورائے چندون" (                    ) اور "واپسی براستہ رنگون" (                    ) میں اس مہم کے تذکرے میں اپنے عجیب و غریب لیڈر کی نسبت بعض نہایت دلچسپ باتیں قلمبند کی ہیں۔ بعض دوسری متفرق یادداشتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ونگیٹ ایسے کمانداروں میں سے نہیں تھا جو کبھی کسی کو دکھائی ہی نہیں دیتے۔ اس کے برعکس وہ ایک بیتاب روح رکھنے والا رواں دواں آدمی

تھا۔ ابھی یہاں ابھی وہاں۔

جہاں میں اہلِ ہمت صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر نکلے اُدھر ڈوبے۔ اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے

ونگیٹ کی اس فطرت و عادت کا یہ نتیجہ تھا کہ ساری فورس کا ایک ایک سپاہی ہر وقت چوکس رہتا تھا۔ سپاہی اور افسر عموماً کہا کرتے تھے "ونگیٹ ہر وقت ہر کہیں موجود ہے"

## احکامات

فیلڈ مارشل منٹگمری کی طرح ونگیٹ کو بھی نئے نئے احکامات و پیغامات لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ اور منٹگمری کی طرح ونگیٹ بھی اپنے احکامات و پیغامات بالعموم خود ہی لکھتا تھا۔

احکامات کے ضمن میں ونگیٹ نے اپنی فورس میں جو ہدایات جاری کر رکھی تھیں اور جن کی خلاف ورزی وہ کبھی برداشت نہیں کرتا تھا ان میں ذیل کی ہدایات خاص طور پر توجہ کے لائق ہیں:۔

۱۔ سلوٹ بہت کم کرو۔ ایک دن میں ایک سلوٹ کافی ہے۔

۲۔ جو کام کرو دوڑ کر کرو۔

۳۔ ہر آدمی کم از کم پیاز کی ایک گانٹھ روزانہ کھائے۔

۴۔ صرف نکر پہنا جائے۔

۵۔ گفتگو کرتے وقت "قسم" کھانے کی عادت ترک کر دی جائے۔

علاوہ ازیں اِس قسم کے احکام بھی نافذ تھے کہ مثلاً جنگل میں "مارچ" کرتے وقت عام زیر درختی اور جھاڑ جھنکاڑ کو سرے سے کوئی رکاوٹ ہی نہ سمجھا جائے۔ ان سے ہٹنے بچنے یا اُنہیں اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش قطعاً نہ کی جائے بلکہ عین ان کے اُوپر سے یا اگر ہو سکے تو ٹھیک ان کے درمیان میں سے گزرا جائے۔

اس طرح بیماری وناسازی طبع کے بارے میں اُس کے نزدیک صرف دو ہی صورتیں روا تھیں کہ یا تو آدمی بیمار ہے یا بیمار نہیں ہے۔ اگر بیمار ہے تو کوئی بھی کام نہ کرے۔ اور اگر بیمار نہیں ہے تو سب کام کرنے ہوں گے۔ درمیان کی کسی حالت سے ونگیٹ سمجھوتہ نہیں کر سکتا تھا۔

"ونگیٹ فورس" میں چونکہ انگریز۔ گورکھے اور ہندوستانی سپاہی شامل تھے لہذا ونگیٹ نے ہر گورا افسر اور سپاہی کے لئے لازمی کر رکھا تھا کہ وہ گورکھالی اور اُردو زبانوں کے کم از کم آٹھ آٹھ سو الفاظ اور ان کے معنی ضرور یاد کرے۔ ونگیٹ خود اچھی خاصی اُردو بول لیتا تھا۔

## واقعات و عادات

ونگیٹ کی ایک بڑی راسخ عادت یہ تھی کہ وہ اپنے سپاہیوں کو ہرگز کبھی کوئی ایسا حکم نہیں دیتا تھا جسے وہ عملاً خود نہ کر سکتا ہو۔

ایک مرتبہ افسروں کے ساتھ جنگل میں کسی ایسے مقام کی تلاش ہو رہی تھی جہاں بیٹھ کر "کانفرنس" کی جا سکے۔ ساتھ ہی ایک طرف دریائے سونار بہتا تھا۔ سونار ویسے تو ایک معمولی سا دریا ہے مگر برسات کے زمانہ میں بڑا تیز اور خوفناک ہو جاتا ہے۔ اس دن بڑی طغیانی پر تھا۔ ونگیٹ نے دریا کی طرف دیکھا تو طبیعت لہرا گئی۔ ارشاد ہوا۔ کانفرنس دریا کے دوسرے کنارے منعقد کی جائے گی۔ اور جب افسروں کو قدرے متامل دیکھا تو سب سے پہلے خود سونار کی بپھری ہوئی لہروں میں کود گیا۔ اب کون تھا جو پیچھے رہ جاتا؟

یہی نہیں۔ سب لوگ جب دوسرے کنارے جا پہنچے تو ونگیٹ صاحب نے فرمایا "نہیں کانفرنس اُسی کنارے پر ہو گی"۔ اور یہ کہہ کر پھر دریا میں کود گیا۔ آگے آگے ونگیٹ پیچھے پیچھے افسر لہروں سے لڑتے بھڑتے چلے جا رہے ہیں۔

ایک دن چند افسر کیمپ کے کسی گوشے میں تفریح کی موڈ میں کھڑے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ ناگہاں دیکھتے کیا ہیں کہ پستول تانے ہوئے ایک سادھو گنجان جھاڑیوں میں سے لپک کر سامنے آ گیا۔ اور آتے ہی اس نے کڑک کر سب افسروں کو ہاتھ کھڑے کرنے کا حکم دیا۔ افسر بیچارے ہنستے کیا کرتے فوراً سب نے ہاتھ کھڑے کر دئے۔ لیکن جب ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سادھو کے بہروپ میں دراصل خود ونگیٹ صاحب تھے۔ وہ اپنے افسروں کو یہ سبق دینا چاہتا تھا کہ کسی وقت کسی حالت میں غیر مسلح نہ رہو۔

ایک اور واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ چند افسر ٹرک میں بیٹھے کہیں جا رہے تھے۔ ٹرک کے آگے آگے خود ونگیٹ موٹر سائیکل پر اُڑے جا رہے تھے۔ ٹرک منزل مقصود پر جا کر رُکا تو ونگیٹ نے موٹر سائیکل پر ٹرک کے گرداگرد بڑی تیزی سے چکر کاٹنے شروع کر دئے۔ اِدھر ٹرک میں بیٹھے ہوئے افسر اس بات کے منتظر کہ کمانڈر بہادر ذرا دم لیں تو وہ اُتریں۔ لیکن اُدھر دم لینے کے بجائے ونگیٹ کا موٹر سائیکل لحہ بہ لحہ تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد ونگیٹ نے چلّا کر کہا ——

"اُترتے کیوں نہیں۔ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ فوراً اترو۔ کود جاؤ" ——

چنانچہ سب افسر موٹر سائیکل کی زد سے بچتے کراتے دھائیں دھائیں کود گئے۔

یہ تھا اس کا اندازِ تربیت۔

لباس کے معاملے میں ونگیٹ نہایت بے پروا تھا۔ بالفاظ صحیح تر یہ کہنا چاہیئے کہ لباس سے اسے نفرت یا وحشت تھی۔ کم از کم تھارپیر کے جنگل یا لبعد میں برما کے اندرونی علاقوں میں اس کے طریق و انداز سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ یُوں تو اُس نے اپنی فوج کو بھی صرف نیکر ہی پہننے کی ہدایت دے رکھی تھی۔ مگر اس سلسلہ میں جو روایات خود ونگیٹ سے منسوب کی جاتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ بعض اوقات وہ نیکر کا "تکلف" بھی برطرف کر کے رکھ دیتا تھا۔

ایک افسر ونگیٹ فورس ہیڈکوارٹر میں اپنی پہلی شام کا تجربہ یوں بیان کرتا ہے۔

"میرے پاس صاف ستھری وردی نہیں تھی۔ میں دل ہی دل میں یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ آج ڈنر پر سخت کرکری ہوگی۔ کمانڈر اور دوسرے افسر آخر میرے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ بہرحال میس میں پہنچا تو وہاں ابھی تک کوئی بھی نہ آیا تھا۔ سوچا۔ لوگ ڈنر کے لئے لباس تبدیل کر رہے ہوں گے۔ اتنے میں خیمہ کے باہر سے کسی شخص نے اردلی کو آواز دی کہ کھانا لے آئے۔ اس کے ساتھ ہی کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ننگ دھڑنگ آدمی خیمے کے اندر چلا آرہا ہے ——— یہ ونگیٹ تھا۔

## آرڈر آف ڈے

ونگیٹ کے پیغامات کی طرف کہیں اوپر اشارہ ہو چکا ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک "آرڈر آف ڈے" کے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

"...... آج ہم لڑائی کی دہلیز پر .... آ گئے ہیں۔ تیاری کا دور ختم ہو گیا۔ اب ہم دشمن کی صفوں کی طرف جا رہے ہیں۔ ہمیں دشمن سے اپنا لوہا منوانا ہے۔ ہم اس وقت اتحادی فوج کی صف اوّل میں کھڑے ہیں۔

صفِ اوّل میں ہمیشہ کم لوگ آتے ہیں۔ پھر جو فریضہ ہم نے اپنے ذمے لیا ہے بہت کم لوگ ہوں گے جو اس قسم کے فریضہ کو رضاکارانہ طور پر قبول کرتے ہوں ہمیں واپس لوٹ جانے کی پوری اجازت تھی۔ لہذا آج اگر ہم لوگ اس مقام پر ہیں تو اس لئے ہیں کہ ہم یہاں موجود ہونا چاہتے تھے۔ مجھے اپنے سپاہیوں کے حوصلے اور شجاعت میں کوئی شبہ نہیں۔

ہم جس مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں وہ کوئی معمولی مقصد نہیں ہے۔ کوئی آدمی بھی محض دوسروں کے لئے اپنی آسائش و عافیت کو برضا و رغبت تج دینے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ ہمارے سامنے اپنی نسل اور اپنے پورے دور کی حفاظت و بقا کا سوال ہے۔ اور ہم جہاں تک ہمیں صداقت نظر آتی ہے کسی تعلّی کے بغیر اپنے مقصد

کی طرف بڑھے جائیں گے اور اس کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔

ہمارا مقصد دنیا کو ایک ایسا نظام دینا ہے جس میں ہر انسان امن و سلامتی کی زندگی بسر کر سکے جس میں سب کے لئے ترقی کی راہیں یکساں کھلی ہوں۔

آخر میں ——— انسانی سعی و کاوش کی بے وقری کا اعتراف کرتے ہوئے آؤ ہم سب مل کر خدائے عظیم و برتر کے حضور میں دعا کریں کہ وہ ہمیں ہماری خدمت و سعی کا نتیجہ دیکھنے کا موقع عطا فرمائیں۔"

یہ تھا وہ نڈر سپاہی۔ بہادر جرنیل۔ وحشی ننگ دھڑنگ آدمی۔ اور ایک صاحب نظر مفکر ونگیٹ جس نے درندوں، سانپوں اور مہلک مچھروں سے بھرے ہوئے گنجان جنگلوں میں جاپانیوں کے خلاف ایک ایسی لڑائی جاری رکھی جس کی پوری روداد ابھی تک روشنی میں نہیں آسکی اور شاید کبھی نہ آسکے لیکن تاریخ اس عجیب و غریب جرنیل کو فراموش نہیں کر سکتی۔

# چرچل کے دفتر میں

ڈنکرک میں گھری ہوئی برطانوی فوج کا انخلا جاری تھا۔ جرمن پنزر زمین پر، اور لفٹ وافے آسمان سے موت برسا رہے تھے۔ برطانیہ کے لئے انتہائی تاریکی کا زمانہ تھا۔ غالب خیال یہی تھا کہ برطانوی بحریہ کی سر توڑ کوششوں کے باوجود آدھی سے زیادہ اتحادی فوج تلف اور قید ہو جائے گی ——— جنرل لارڈ گورٹ۔ جو بعد میں مالٹا کے گورنر بنائے گئے، اتحادی فوجوں کے سپہ سالار اعلے تھے۔ میجر جنرل الیگزینڈر اور میجر جنرل منٹگمری لارڈ گورٹ کے ماتحت ڈویژن کماندار تھے۔

ادھر وائٹ ہال میں وزیر اعظم مسٹر چرچل کے کمرے میں ایک اہم کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ برطانیہ کے چیف آف امپریل جنرل سٹاف جنرل سر جان ڈل کے علاوہ بحریہ کے ایڈمرل اور فضائیہ کے ائر مارشل بھی موجود تھے۔

کابینہ میں سے وزیر خارجہ مسٹر انتھونی ایڈن اور بعض دوسرے وزراء کانفرنس میں شامل تھے ——— مسٹر چرچل منہ میں لمبا سگار دبائے کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہے تھے۔ باقی سب لوگ بیٹھے تھے۔

(ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے)

لفٹننٹ کرنل ڈڈلے کلارک:۔ (سر جان ڈل سے)۔ لارڈ گورٹ کا ٹیلیفون ہے۔

(جنرل ڈل ریسور سنبھال کر)۔ ہیلو گورٹ!

اور اس کے بعد جو یک طرفہ گفتگو ہوئی وہ یہ تھی۔

سر جان ڈل کہہ رہے تھے:۔

——— ہاں ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اگر اس کے بعد کوئی پیغام دیا جا سکا۔ تو مزید ہدایات دی جائیں گی۔ لیکن اگر یہ سلسلہ ٹوٹ گیا تو تین ڈویژن فوج رہ جانے پر آپ واپس چلے آئیں۔

——— آپ اپنے جانشین کو ابھی نامزد کر دیں۔

——— ساحلوں پر زیادہ بھیڑ تو نہیں ——— ٹرانسپورٹ کا سیلاب ناکوں پر جم تو نہیں گیا

"——— نہیں نہیں۔ کہہ جو دیا کہ آپ کے لئے یہ طے کر دیا گیا ہے۔
اس معاملے میں آپ کے اختیار یا پسند کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔
——— آپ کو آنا ہو گا۔ برطانیہ کے لئے اُس کے لائق جرنیلوں کی
زندگی بہت زیادہ قیمتی ہے۔"

(اور پھر ٹیلیفون ایک طرف کر کے وزیر اعظم سے)

"گورٹ اس فیصلے پر زبردست احتجاج کر رہا ہے۔ وہ آخر دم تک اپنے سپاہیوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جہاز کے کپتان کی طرح میں جہاز کے ساتھ ہی ڈوب جانا پسند کروں گا ——— وہ کہتا ہے
——— میں اس وقت تک فرانس کے ساحل کو نہیں چھوڑ سکتا جب تک میرا ایک سپاہی بھی یہاں موجود ہے۔

یہ سُن کر مسٹر چرچل بولے :-

"گورٹ کو میری طرف سے کہہ دیں کہ ہدایات کے مطابق انہیں واپس آنا ہو گا ——— یہ حکم ہے۔ حضور ملک معظم کی حکومت کا حکم۔ جس کی تعمیل لازم ہے۔" جنرل ڈل نے یہ الفاظ دہرا دئیے۔ اتنے میں ریسیور مسٹر چرچل نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور لارڈ گورٹ سے کہا۔

مسٹر چرچل :- "آپ کی کوششیں لائق تعریف ہیں۔ آپ حسب ہدایت واپس آجائیے . . . . انگلستان کو آپ پر فخر ہے . . . . تمام ملک کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں . . . ." اور پھر مسٹر چرچل نے کہا۔

"کل صبح میں اور سر جان ڈل ہوائی جہاز . . . . ."

مسٹر چرچل بتانے ہی والے تھے کہ وہ سر جان ڈل کے ساتھ کل صبح فرانس کے وزیر اعظم مسٹر رینالڈ اور کمانڈر انچیف جنرل ویگانڈ سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں کہ کرنل کلارک نے ٹیلیفون کا بٹن دبا کر سلسلہ گفتگو معطل کر دیا۔

"سر سر" کرنل کلارک ایک اضطراری بے چینی کے ساتھ کُلبلایا۔

"سر پلیز نہیں نہیں ـــــــ فرانس کا آسمان لفٹ وافے سے بھرا ہوا ہے ـــــــ ٹیلیفون پر ایسی بات کرنا خطرناک ہے"

ـــــــ اور مسٹر چرچل مسکرا کر رہ گئے۔ دو منٹ کے بعد جب پھر سلسلۂ گفتگو شروع ہوا تو مسٹر چرچل نے لارڈ گورٹ سے کہا۔

"میں جو کچھ کہنے والا تھا ـــــــ یہاں ایک شخص ہے جو مجھے نہیں کہنے دیتا۔ یہ کہہ کر مسٹر چرچل نے ریسیور سر جان ڈل کے ہاتھ میں دے دیا اور دونوں جرنیلوں نے پھر فوجی صورت حال پر گفتگو شروع کر دی۔ سر جان ڈل کہہ رہے تھے۔

"دوسری کور"

"نہیں نہیں"

"ہاں ہاں"

پہلا ڈویژن

لارڈ گورٹ کے لئے ٹیلیفون پر سر جان ڈل کے آخری الفاظ یہ تھے۔

"پہلی کور"

"پہلا ڈویژن"

"میجر جنرل الیگزنڈر"

پھر انہوں نے ایک خاص بٹالین کا نام لیا۔ اور ریسیور رکھ دیا۔ مگر ٹیلیفون رکھتے ہی بوڑھے چیف آف امپیریل جنرل سٹاف کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ مسٹر چرچل کچھ بھانپ کر سر جان ڈل کی طرف بڑھے اور قریب جا کر پوچھا۔

"کیوں خیریت تو ہے؟

"ہاں کوئی خاص بات نہیں" جنرل ڈل نے جواب دیا "جو بٹالین ڈنکرک میں آخر تک رہے گی اس کے ساتھ میرا اکلوتا لڑکا بھی خدمات انجام دے رہا ہے۔" یہ سنتے ہی برطانیہ کے وزیر اعظم نے سر جان ڈل کو سینے سے لپٹا لیا اور

مسٹر چرچل کچھ مزید کہنے نہیں پائے تھے کہ ایک لمبے تڑنگے شخص نے کمرے کا دروازہ کھول کر اعلان کیا :

"حضرات وزیر اعظم کے آرام کرنے کا وقت ہو گیا ہے ۔ حضرات میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ وزیر اعظم کو تھوڑی دیر سو لینے دیا جائے "۔ یہ مسٹر چرچل کے پرسنل سیکرٹری مسٹر برینڈن بریکن کی آواز تھی ۔

(بریگیڈیئر ڈوڈلے کلارک کی روایت سے)

# قطرے سے گہر ہونے تک

## ہماری فوج کا تاریخی پس منظر

موجودہ فوج کی ابتدائی تنظیم کب ہوئی؟ کن حالات میں ہوئی؟ کیسے ہوئی؟ اور وقت کے ساتھ ساتھ دنیا کی یہ عظیم الشان عسکری تنظیم کیونکر ترقی و وسعت پکڑتی گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ سوالات ایک آزاد قوم کے لئے دلچسپی کا باعث ہیں۔ ذیل میں تاریخی پس منظر کے اس پہلو کا ایک سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس گفتگو میں اُس تمام فوج کا تذکرہ شامل ہے جو قیام پاکستان تک متحدہ ہندوستان کی "برٹش انڈین آرمی" کے نام سے یاد کی جاتی تھی۔

موجودہ فوج کی تاریخ کو ہم چار اَدوار میں تقسیم کر سکتے ہیں :۔

۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا دَور

۲۔ بنگال مدراس بمبئی کی صوبائی فوجیں

۳۔ سارے ہندوستان کے لئے ایک "برٹش انڈین آرمی"

۴۔ پاکستان آرمی

## دورِ اوّل

ایسٹ انڈیا کمپنی، جیسا کہ ہر پڑھا لکھا جانتا ہے ایک خالص تجارتی ادارہ تھا۔ اس کا مقصد ہندوستان میں برطانوی تجارت کو فروغ دینا تھا۔ شروع شروع میں کمپنی نے ان مقاصد کی سختی سے پابندی بھی کی مگر رفتہ رفتہ ہندوستان کے اندرونی حالات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کمپنی نے سیاسی و ملکی معاملات میں دخل اندازی شروع کر دی۔ فضا بے حد ہموار و سازگار تھی نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ بہت مدت نہ گذری تھی کہ برطانیہ کی یہ کاروباری جماعت اس ملک میں ایک مضبوط و طاقتور حکمران قوت بن گئی۔

ابتدا میں اپنے تجارتی دفتروں گوداموں اور اڈوں کی حفاظت و نگرانی کے لئے ظاہر ہے کہ کمپنی کو چوکیداروں کی ضرورت تھی۔ یہ چوکیدار مقامی باشندوں میں سے رکھے جاتے تھے۔ جُوں جُوں کاروبار پھیلتا گیا، چوکی پہرے والوں کی نفری بھی

بڑھتی گئی ۔ آگے چل کر فوجی و سیاسی ضرورتوں کے دباؤ میں کمپنی نے انہیں چوکیداروں کو فوج میں تبدیل کر لیا ۔ دفتر کے چپڑاسی اور چوکیدار "سپاہی" بنا لئے گئے ۔ اس فوج کی تنظیم و صلاحیت کے بارے میں کچھ زیادہ تفصیلات موجود نہیں ہیں ۔ مگر تیاس کہتا ہے کہ یہ "فوج" زیادہ سے زیادہ موجودہ ریلوائی نظام "واچ وارڈز" قسم کی ایک تنظیم تھی ۔ لاٹھیوں کی جگہ اب ان کے ہاتھ میں بندوقیں تھما دی گئی تھیں ۔ بس ۔ یہی حقیر سی ابتدا ایک عظیم الشان فوج کی بنیاد ثابت ہوئی ۔

## باقاعدہ تنظیم

"باوردی پہرہ داروں" کی اس "جماعت" کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے عرصہ تک چنداں اہمیت نہ دی ۔ کمپنی کی اصل قوت ابھی تک گورا دستوں ہی پر مشتمل تھی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو مقامی باشندوں کی منظم و تربیت یافتہ فوج سے فائدہ اٹھانے کا خیال ابھی تک کمپنی ارباب بست و کشاد کے ذہن میں سرے سے آیا ہی نہ تھا یا پھر اس طریق کار کو سیاسی مصلحت کے خلاف سمجھا گیا ۔ لیکن اتنے میں (۱۷۴۴ء) یورپ میں برطانیہ اور فرانس کے درمیان جنگ چھڑ گئی جس کا اثر ہندوستان پر بھی پڑنا تھا اور پڑا ۔ چنانچہ جلد ہی یورپ کی ان دو اولوالعزم قوموں کی باہمی جنگ اقتدار ہندوستان کے ساحل پر بھی شروع ہو گئی ۔

ضرورت ایجاد کی ماں ہے ۔ ان حالات میں کمپنی کی گورا فوجوں کے ایک ذہین کمانڈار میجر سٹرنگر لارنس ( ) کے دل میں وسیع اور باقاعدہ بنیادوں پر مقامی باشندوں کی ایک معیاری فوج مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ کمپنی کے ڈائرکٹروں نے اب اس تجویز کا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا اور ۱۷۴۸ء تک میجر لارنس نے مقامی باشندوں کی چند پلٹنیں کھڑی کر دیں ۔ اگرچہ اس ضمن میں اولیت کا سہرا فرانسیسیوں کے سر ہے کہ پانڈیچری کے ایک گورنر فرانکوس مارٹن ( ) نے میجر لارنس سے بہت

پہلے مقامی لوگوں کو اپنی فوجوں میں بھرتی کرنا شروع کر دیا تھا۔ تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعد میں بننے والی برٹش انڈین آرمی کا "باپ" میجر لارنس تھا۔

## دورِ ثانی

فوج کا دوسرا دور مشہور برطانوی مدبر اور سپہ سالار رابرٹ کلائیو کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ رابرٹ کلائیو کے نام سے تاریخ ہندوستان میں ایک فیصلہ کن پارٹ ادا کیا ہے وہ بے پناہ تنظیمی صلاحیتوں کا انسان تھا۔ مشرقی نوآبادیوں میں فرانس اور برطانیہ کی طویل جنگِ اقتدار ابھی زوروں پر تھی۔ اِدھر خود ہندوستان میں کلائیو کا حریف ڈوما ( ) ایسا زیرک و نامور فرانسیسی جرنیل تھا۔ جس نے مقامی باشندوں کی ایک زبردست فوج جمع کر لی تھی۔ (ڈوما کی فوج میں پانچ ہزار مسلمانوں کے ایک ڈویژن نے ان معرکوں میں بڑا نام پیدا کیا تھا)۔ ان حالات میں کلائیو نے بھی مقامی فوج کی بھرتی اس کی تربیت اور تنظیم کا کام تیزی و مستعدی سے شروع کر دیا۔ اور یُوں چند ہی سالوں میں میجر لارنس کی وہ چند پلٹنیں بڑھ کر ایک اچھی خاصی عسکری جمعیت بن گئیں۔

کلائیو نے اس فوج کی شیرازہ بندی کی ترتیب صوبائی بنیادوں پر رکھی تھی۔ مدراس بمبئی۔ اور بنگال۔ تینوں صوبوں کی الگ الگ فوج تھی۔ فوج کے موجودہ نظم و نسق کی مثال پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کلائیو نے تین علیحدہ علیحدہ صوبوں کے الگ الگ "ڈویژن" قائم کر دئے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ یہ ڈویژن اپنے اپنے کمانڈر انچیف کے ماتحت تھے جو صوبائی گورنر کے ماتحت ہوتا تھا۔

کلائیو کی مقامی فوجوں کی کُل تعداد کیا تھی۔ ایک بٹالین میں کتنی نفری تھی۔ برگیڈ یا ڈویژن کی ترتیب و ترکیب کیا تھی۔ یہ سب تفصیلات اگر کسی تاریخی ذخیرے میں موجود ہیں تو افسوس ہے کہ اس ذخیرہ تک میری دسترس نہیں ہو سکی۔ بہر حال اتنا پتہ چلتا ہے کہ پلاسی (۱۷۵۷ء) کی فیصلہ کن لڑائی میں، جس نے ہندوستان میں انگریزوں کی قسمت

کا پانسہ پلٹ دیا، کلائیو کی مقامی فوج نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ پلاسی کے بعد جب کلائیو کو ذرا فرصت ملی تو وہ مقامی فوج کی نگہداشت ترتیب و تربیت پر اور توجہ دینے لگا۔ اب روہیلوں اور راجپوتوں کو بھی بھرتی کیا جانے لگا۔ اور بمبئی صوبہ کی فوج میں عربوں کی ایک مستقل رجمنٹ کھڑی کر دی گئی۔ افسر سب کے سب انگریز ہوتے تھے۔ یہ دستور معمولی سی لچک کے ساتھ انگریزوں کے آخر عہد حکومت تک قائم رہا۔

جنگ پلاسی کے بعد انگریزوں کی فتوحات کا دھارا ہر طرف بڑی تیزی سے بہنے لگا۔ ۱۷۶۴ء میں بنگال میں معمولی سی گڑبڑ ہوئی جو سر ہکٹر منرو (

) نے فوراً بڑی سختی سے دبا دی۔ اسی سال بکسر کے میدان میں نواب اودھ کو شکست ہوئی اور انگریزوں کا اثر و نفوذ براہ راست وادیٔ گنگ و جمن تک جا پہنچا۔ اسی زمانہ میں مرہٹوں کا زور توڑنے کے لیے مشہور سپہ سالار جنرل گوڈورڈ (                    ) کے پے بہ پے ان سے معرکے رہے۔ ان تمام معرکوں میں کمپنی کی صوبائی فوجیں شامل تھیں اور جنرل گوڈورڈ نے اپنے جنگی مراسلوں میں ان کے کمال سپہ گری کی خوب داد دی ہے۔

اگرچہ بھرتی کے عام قواعد اصول اور معیار پر پوری روشنی ڈالنا مشکل ہے کہ اس قسم کی مفصل دستاویزی شہادت موجود نہیں ہے تاہم اس سلسلہ میں جو مواد ادھر اُدھر بکھرا ہوا ملتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ ان فوجوں میں بڑی رغبت سے جوق در جوق بھرتی ہوتے تھے۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ مسلسل بد امنی اور جنگ و جدل کے اس زمانہ میں لوگ ویسے ہی "جنگ پیشہ" بن چکے تھے۔ پھر جہاں تک روزی کمانے کا تعلق تھا۔ ان فوجوں کی ملازمت ایک بہتر ذریعہ معاش سمجھی جاتی تھی۔ برطانوی فوج کی وردی اور ہتھیاروں میں بھی سپاہیوں کے لئے ایک خاص کشش تھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ کمپنی کی فوجوں میں پٹھانوں، روہیلوں، راجپوتوں، عربوں اور حبشیوں کی خاصی بڑی تعداد موجود تھی۔ یہ حبشی کہاں سے آتے تھے ؛

میں اس کا کوئی سراغ نہیں لگا سکا۔ بنگال آرمی میں گنگ وجمن کی وادی کے ہندوؤں کی بھی دو ایک پلٹنیں تھیں اور تذکروں میں آیا ہے (دروغ برگردن راوی) کہ ان میں برہمن بھی شامل تھے۔

## ریاستی فوجیں

یہاں اگر اس زمانہ کی بعض قابلِ ذکر دیسی ریاستوں کی فوجی حالت کا بھی مختصراً ایک جائزہ لیتے چلیں تو بے محل نہ ہوگا۔ بلکہ ایک وسیع فوجی کیمپ (اور اس وقت ہندوستان کی یہی کیفیت تھی) کی پوری تصویر سامنے رکھنے کے لئے اس کیمپ کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ بالخصوص جبکہ اس وقت ملک میں جتنی بھی مختلف فوجیں موجود تھیں۔ آگے جا کر وہ ایک بڑی فوج کی مختلف کڑیاں بننے والی تھیں۔

شہید ٹیپو سلطان اور نواب اودھ کے بعد نظام اور سندھیا ہی دو بڑی طاقتیں میدان میں رہ گئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں اپنے مستقبل کی طرف سے کچھ ایسے مطمئن نہ تھے۔ چنانچہ وہ بھی وقت کی نبض کو پہچان کر بدلے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ قدم بہ قدم چلنے پر مجبور ہو گئے اور انہوں نے بھی اب اپنی فوجوں کو جدید سامان سے لیس کرنا اور جدید تنظیم و تربیت کے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا۔ فرانس اس وقت تک ہندوستان میں انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر اس خطۂ زمین پر حریفانہ کشمکش کی امنگ سے کلی طور پر دستبردار ہو چکا تھا۔ لہذا ہندوستانی والیانِ ریاست اپنی فوجوں کی تربیت کے سلسلہ میں فرانسیسی فوجی افسروں کی خدمات سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ ان میں سے نظام کے پاس ریمانڈ ( ) جیسا لائق آدمی تھا اور سندھیا کے ہاں پارون ( ) جیسا نامور سپاہی۔ ان دونوں کی محنت سے نظام اور سندھیا کی فوجیں جلد ہی صفِ اوّل کی فوجوں میں شمار ہونے لگیں۔ بعد میں یہ فوجیں بھی برٹش انڈین آرمی کا ایک جزو بن گئیں۔

## خالصہ فوج

پنجاب میں سکھوں کے دور اقتدار کے ساتھ چاہے جو لطیفے منسوب کئے جاتے ہوں اس میں کوئی کلام نہیں کہ رنجیت سنگھ نہایت زیرک و سمجھدار حکمران تھا۔ وہ انگریزوں کے تیور پہچانتا تھا اور خوب سمجھتا تھا کہ خالصہ دربار کی خیریت فوجی قوت کے استحکام میں تھی۔ چنانچہ اس نے وین ٹورا (      ) الارڈ (      ) اور کورٹ (      ) ایسے ممتاز غیر ملکی ماہرین کی مدد سے سکھوں کی ایک کافی منظم باقاعدہ اور تربیت یافتہ فوج فراہم کرلی تھی۔ رنجیت سنگھ کی قوت کا راز یہی فوج تھی۔ الحاقِ پنجاب کے بعد اس فوج کے صحت مند اجزا بھی برٹش آرمی میں جذب کرلئے گئے۔ رنجیت سنگھ کی فوج کی تعداد (۷۵) ہزار کے لگ بھگ تھی۔

## نظم ترتیب

میجر لارنس کی پہلی پلٹن سے لے کر ۱۷۶۴ء تک جب مقامی فوج کی گنتی دو لاکھ پانچ ہزار تک پہنچ گئی تھی فوج کے نظم ترتیب میں بے شمار تبدیلیاں عمل میں لائی گئی ہوں گی۔ مگر ردّو بدل کی اس یورش کے درمیان بنیادی ڈھانچہ وہی رہا۔ رجمنٹوں میں غالب تعداد رسالہ اور انفنٹری کی تھی۔ رسالہ کی کمان کسی فیلڈ افسر (عموماً میجر) کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ ایک رسالہ میں پندرہ افسر اور ۴۲۶ سوار ہوتے تھے۔ انفنٹری سے رسالہ کو الگ اور ممتاز رکھا جاتا تھا چنانچہ کیولری برگیڈ کی کمان پر عموماً میجر جنرل کو فائز کیا جاتا تھا۔

فوج کے نظم و نسق اور ترتیب و ترکیب کے سلسلہ میں لارڈ ولزلی لارڈ لیک اور لارڈ ہیسٹنگز نے بڑا کام کیا ہے۔

# تاج کی حکومت

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم ہوئی اور سلطنت کی باگ ڈور براہِ راست وکٹوریہ کے ہاتھ میں آئی تو فوج کی تنظیمی تاریخ میں بھی ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

برٹش گورا فوج کی تعداد اسی ہزار کر دی گئی (یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تعداد بڑھائی گئی یا گھٹائی گئی) اس کا تمام و کمال واسطہ لندن کے محکمۂ جنگ سے تھا۔ یہیں سے برٹش انڈین آرمی کے انگریز افسروں کو انڈین آرمی میں کمیشن ملنے لگا۔ بالفاظِ دیگر اسی نقطے سے ایک عظیم فوج کی عظیم الشان ملی جلی روایات کا آغاز ہوا۔

فوج کی تعداد اور ترتیب میں اب تک رسالہ کی اہمیت سب سے زیادہ تھی۔ ۱۸۶۱ء میں پرانی ترتیب بدل کر اسے (۴۲۰) سواروں پر مشتمل کیا گیا۔ چھ ٹروپس قائم کئے گئے۔ ایک کمانڈنگ افسر (لفٹننٹ کرنل) ایک نائب کمانڈار دو سکواڈرن افسر۔ ایک ایڈجوٹنٹ اور ایک جنرل ڈیوٹی افسر۔ انفنٹری کے جوانوں کی نفری چھ سو جوان فی بٹالین کر دی گئی جو آٹھ کمپنیوں میں منقسم تھی۔

۱۸۷۰ء میں ساری ہندوستانی فوج کے اعداد و شمار کا ترکیبی نقشہ یہ تھا:۔

| آرمی | رسالہ رجمنٹ | توپ خانہ | انفنٹری بٹالین |
|---|---|---|---|
| بنگال آرمی | ۱۹ | — | ۴۹ |
| مدراس آرمی | ۴۰ | — | ۴۰ |
| بمبئی آرمی | ۷ | ۲ | ۳۵ |
| پنجاب فرنٹیئر فورس | ۶ | ۵ | ۳۰ |
| لوکل کور | ۲ | — | ۵ |
| حیدرآباد | ۴ | ۴ | ۶ |

## تیسرا دور

برٹش انڈین آرمی کا تیسرا اور آخری دور یوں تو اصل میں ہندوستان کے براہِ راست تاجِ برطانیہ کے تحت آنے سے شروع ہوتا ہے لیکن صوبائی فوجوں کو ایک متحدہ ہندوستانی فوج اور ایک کمان میں مدغم کرنے کا مرحلہ ۱۸۸۵ء سے پہلے طے نہ ہو سکا۔ متحدہ فوج اور متحدہ کمان ماہرینِ فنونِ جنگ کے ایک کمیشن کے طویل غور و فکر کا نتیجہ تھا جو اس غرض سے ۱۸۷۴ء میں بٹھایا گیا تھا۔

۱۸۶۰ء سے ۱۸۷۸ء تک کا زمانہ نسبتاً امن و آرام کا زمانہ تھا۔ اس مدت میں لباس ہتھیار فوجی زندگی کے عام معیار میں بہت ترقی ہوئی۔ ۱۸۸۵ء میں روس کی طرف سے جنگ کا اندیشہ پیدا ہوا تو ہندوستانی فوج میں (۶۵۰۰۰) سپاہیوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس وقت ایک سپاہی کو صرف (۹) روپیہ تنخواہ ملتی تھی۔

برٹش انڈین آرمی کی آخری اور قطعی تنظیم جس کی بنیادوں پر معمولی رد و بدل کے ساتھ اب تک فوج کا نظام قائم ہے مشہور سپہ سالار لارڈ کچنر کی مرہونِ منت ہے۔

## پاکستان آرمی

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دو صدیوں کی حکومت کے بعد اس برصغیر میں انگریزوں دورِ اقتدار ختم ہوا اور بھارت اور پاکستان دو آزاد مملکتوں کا قیام عمل میں آیا تو سابقہ برٹش انڈین آرمی بھی دو حصوں میں بٹ گئی۔ انڈین آرمی اور پاکستان آرمی۔ برٹش انڈین آرمی کے آخری انگریز کمانڈر انچیف فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلک تھے۔

پاکستان آرمی کے پہلے پاکستانی سپہ سالار جنرل محمد ایوب خان مقرر ہوئے۔

[م ا جھدل]